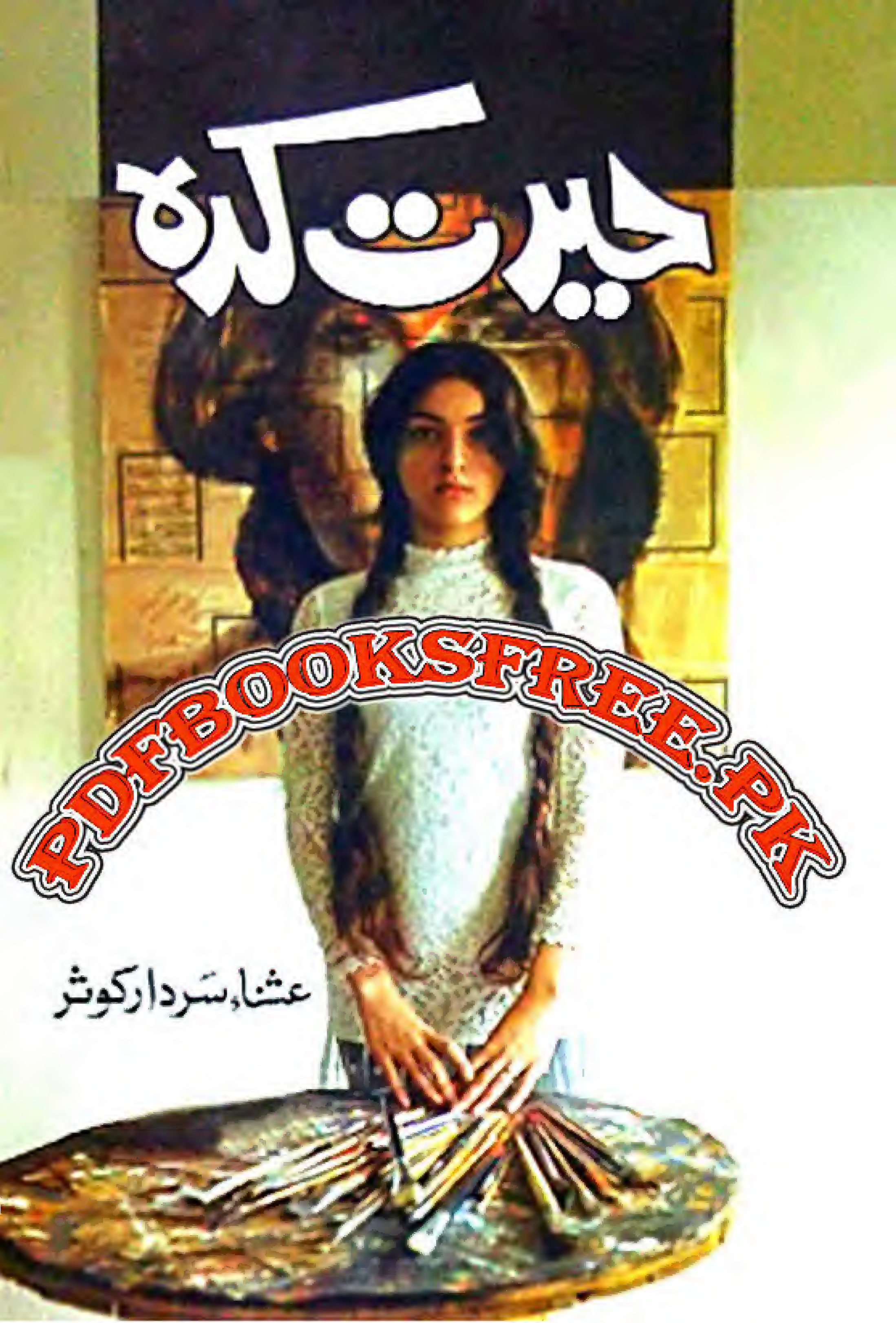
حیرت کدہ
PDFBOOKSFREE.PK
عشنا سردار کوثر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PVL

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

حیرت کدہ

PAKISTAN VIRTAUL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

عشناء کوثر سردار

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔
فون: 37352332'37232336 فیکس: 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب کا نام	:	حیرت کدہ
مصنفہ	:	عشناء کوثر سردار
ونرز	:	انعم خان، فرح بھٹو، خدیجہ عطاء
ناشر	:	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	:	روشن پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	:	دلدار حسین
نظرِ ثانی	:	عارف محمود
سنِ اشاعت	:	دسمبر 2017ء
قیمت	:	-/300روپے

ملنے کے پتے......

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

* اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
* جناح سپر مارکیٹ F-7 مرکز، اسلام آباد

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

بیکن بکس

گلگشت کالونی، ملتان

رشید نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی

کشمیر بک ڈپو

تلہ گنگ روڈ، چکوال

فرید پبلشرز

اُردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

انتساب

اس خوبصورت ناول کو ان سب کے نام کر رہی ہوں جو اس کو لکھنے میں میرے ساتھ معاون رہے، جن کے باعث میں اردو ادب اور دنیائے ادب کی تاریخ میں ایک نئے رجحان اور جہت کی بنیاد رکھ سکی۔ میرے اس ناول حیرت کدہ۔ داسسپنس ٹیل کی ٹیم، میرے تمام نو آموز دوست جو نئے ہونے کے باوجود بے پناہ صلاحیتوں کے حامل ہیں۔

اس کتاب کو ان سب کے نام کرتی ہوں۔ بہت شکریہ اس پُر جوش سفر میں میرا ساتھ دینے کے لیے اور معاون رہنے کے لیے۔ اس ناول مقابلہ کے ونرز:

1:-انعم خان

2:-فرح بھٹو

3:-خدیجہ عطا

اور میری دیگر ٹیم، تمام ساتھی جو اس مقابلہ اور ناول کو لکھنے میں معاون رہے اور اس کامیابی کا حصہ رہے۔

انعم خان

فرح بھٹو

خدیجہ عطا

مظہر سلیم

عائشہ تنویر

فاطمہ نور

• یہ کامیابی آپ سب کی معاونت کے بنا ممکن نہیں تھی۔ بہت سا پیار اور دعائیں آپ سب کے لیے۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ سب کو بہت سی کامیابیوں سے نوازے۔ آمین

رائٹنگ میں ہر شخص اچھوتے اور منفرد خیالات کا حامل ہوتا ہے ان سب کو آپس میں مربوط کر کے اپنے خیالات اور کہانی کو موڑنا، یہ سب بہت دلچسپ تھا، اس ناول سے مزید لکھنے میں بہت مدد ملی۔

میرا لکھنے کا پہلا سفر عشنا آپی جیسی اچھی اور منجھی ہوئی رائٹر کے ساتھ، اور میرے ساتھ لکھنے والے دیگر ساتھی انعم خان، فرح بھٹو، مظہر سلیم، عائشہ تنویر ان سب کے ساتھ مل کر لکھنا بہت دلچسپ رہا جس کے لیے میں عشنا آپی، اجالا ڈائجسٹ، اور اس کے مدیرِاعلیٰ عمران احمد قریشی کی شکر گزار ہوں جنہوں نے ہمیں لکھنے کے لیے پلیٹ فارم مہیا کیا۔

فاطمہ نور

ہاجرہ محل تقسیم پاکستان سے پہلے کی تعمیرات میں سے تھا اور ہمارے آباؤ اجداد کی وراثت کی نشانیوں میں سے ایک تھا، میرے دادا کی خواہش تھی کہ ان کی آئندہ نسلیں یہاں آکر قیام کریں مگر ہماری نسل میں سے کوئی اس کا خواہاں نہیں تھا۔ مگر اس برس جب ہم وطن لوٹے تھے تو بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان بنا ہاجرہ محل ہمارے پلان کا حصہ بھی بن گیا تھا۔ مگر یہاں آکر بہت عجیب سے واقعات ہونے لگے تھے۔ پہلا واقعہ اگرچہ اتنا بھی غیر معمولی نہیں تھا اس کے باوجود ہم اسے نظرانداز نہ کرسکے۔

ہاجرہ محل کے پچھواڑے باغ میں ایک بلی مردہ پائی گئی ہم نے اسے اتفاق سمجھا، جانور تو مرتے ہی رہتے ہیں لیکن بہ نظر غور دیکھنے پر ہم چونک اٹھے خون کی ایک پتلی سی لکیر دور نشیب کی طرف چلی گئی تھی، خون کی اس لکیر کا سرا پکڑ کر ہم نشیب میں اتر گئے۔ چند گز آگے چل کر خون کی وہ لکیر ختم ہوگئی۔ اِدھر اُدھر دیکھا خون کا کوئی چھینٹا تک نظر نہ آیا۔

اگر بلی یہاں مرتی یا ماری جاتی تو اس جگہ پر کافی سے زیادہ خون نظر آتا، عجیب ناقابل فہم سی صورتِ حال تھی، ہم الجھن میں مبتلا واپس مڑے ہی تھے کہ چند قدم دور قدِ آدم جنگلی پودوں میں سبز رنگ کا ایک کپڑا الجھا نظر آیا، قریب جا کر دیکھا تو ہماری الجھن کی جگہ خوف نے لے لی وہ کسی عورت کی قمیص تھی جس کا دامن خون سے تر تھا، ہم وہ قمیص لے کر محل کی طرف بھاگے۔

محل تک پہنچتے پہنچتے ہماری سانس پھول گئی۔ ہم سے مراد ہم دو افراد تھے، میں اور میرا ایک کزن۔ محل میں مقیم میری فیملی کے دیگر افراد ابھی تک سو رہے تھے۔ ملازمین میں سے مالی محل کے احاطے کی دیوار کے ساتھ کیاری میں اُگے پودوں کی گوڈی کر رہا تھا۔ میرا کزن نعیم جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں بولا ''عالیان مجھے یہ آسیب کا چکر لگ رہا ہے۔'' میں اور خطوط پر سوچ رہا تھا۔

''آسیب کا چکر بھی ہوسکتا ہے لیکن مجھے یہ کچھ اور ہی چکر لگ رہا ہے۔"

کہانی آگے بڑھانے سے پہلے محل کے بارے میں کچھ بتا تا چلوں......

نصف مربعہ (ساڑھے بارہ ایکڑ) رقبہ پر بنا ہاجرہ محل میرے پردادا نے انگریز کے تسلط سے بھی پہلے مغلیہ دور میں بنوایا تھا، دو منزلہ ہاجرہ محل میں پچاس کے لگ بھگ کمرے تھے۔ بیس کمرے نیچے اور بیس کمرے دوسری منزل پر اور دس کمرے نیچے قدرے ہٹ کر ملازمین کے لیے بنائے گئے تھے۔ بلند و بالا ستونوں پر استوار ہاجرہ محل میں لکڑی کا استعمال زیادہ تھا، صنوبر چیڑ اور شاہ بلوط کے درختوں کی لکڑی استعمال میں لائی گئی تھی۔ محل کا مرکزی منقش بڑا سا گیٹ آج بھی نئی حالت میں تھا، ایک بڑے سے پہاڑ کے دامن پر بنے ہاجرہ محل کے گنبد و مینار پُرشکوہ حالت میں دور سے دعوتِ نظارہ دیتے تھے۔ محل کی بالکونیوں سے دور برف پوش پہاڑوں کی چوٹیاں دلکش نظر آتی تھیں۔

''جو بھی چکر ہے اب اس کا سراغ تو ہمیں ہی لگانا ہے۔''
نعیم بولا تو میرے ذہن میں مالی بابا کا خیال آیا۔ان واقعات کے بارے میں مالی بابا سے زیادہ بہتر کوئی نہیں جانتا ہوگا......

''ہمیں یہ قمیص مالی بابا کو دکھانی چاہیے۔''
میں اور نعیم مالی بابا کے سر پر جا پہنچے۔
وہ پودوں کی گوڈی میں اتنے مصروف تھے کہ انہیں ہماری آمد کا احساس ہی نہ ہوا......مالی بابا کی عمر تو لگ بھگ پچاس برس تھی لیکن دیکھنے میں وہ پچاس سے اوپر کے لگتے تھے......
''مالی بابا''......
''مالی بابا''......
میں نے انہیں وقفے وقفے سے دو بار پکارا لیکن نہ ہی انہوں نے کوئی جواب دیا اور نہ ہی سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا......
نعیم نے کافی حیرت سے میری طرف دیکھا......
''مالی بابا''......
اب میں اپنا منہ مالی بابا کے قریب لے جا کر قدرے اونچی آواز میں بولا.....تو ایکدم مالی بابا چونک گئے اور پلٹ کر ہماری طرف دیکھا۔
ان کا انداز ایسا تھا جیسے کسی کو اچانک گہری نیند سے بیدار کر دیا ہو۔
ایک دو منٹ تو وہ اجنبی نظروں سے ہمیں دیکھتے رہے، پھر اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
''ارے عالیان بیٹا تم''......''کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔''
''نہیں بابا کام ہمیں تھا آپ سے تو آپ کو زحمت کیوں دیتے؟؟''
''دراصل ہمیں محل کے پچھواڑے سے یہ کسی عورت کی خون سے بھری ہوئی قمیص ملی ہے تو اس کے بارے میں آپ سے پوچھنا تھا کہ یہ کس کی ہوسکتی ہے......؟؟''
میں نے دیکھا کہ میری بات سنتے ہی اور اس قمیص پر نظر پڑتے ہی مالی بابا کے تاثرات یکدم بدلے ان کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔
انہوں نے نعیم کے ہاتھ سے وہ قمیص چھین لی اور بولے تم لوگ جاؤ میں اس قمیص کو ٹھکانے لگا دوں گا۔
''بابا اس قمیص کو ٹھکانے تو ہم بھی لگا سکتے لیکن ہمیں پوچھنا یہ تھا..........''
ابھی میں نے بات پوری نہیں کی تھی کہ مالی بابا تیزی سے چلتے ہوئے ملازمین کی رہائش والے حصے کی طرف بڑھ گئے۔
پیچھے سے ہم دونوں ان کے ناقابل فہم رویے کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔
''ہو نہ ہو یہ بڈھا بابا سب جانتا ہے..........آخر پچھلے تیس سالوں سے یہاں کام کر رہا ہے۔''

نعیم بولا تو میں پُر سوچ نگاہوں سے اس طرف دیکھنے لگا جہاں ابھی ابھی مالی بابا غائب ہوئے تھے۔

''یار! اپنی فیملی یہاں رکھنا کسی طور مناسب نہیں ہے سنا ہے کوئی بھی مکان برسوں تک خالی رہے تو وہاں بھوت پریت کا قبضہ ہو جاتا ہے۔'' نعیم نے مزید کہا تو مجھے بھی فکر ہوئی۔

اتنے میں رہائشی حصے سے ایک چیخ سنائی دی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں مجھے پتہ چل گیا کہ یہ میری لاڈلی چھوٹی بہن حنین کی چیخ ہے۔ ہم دونوں سرپٹ اندر دوڑے سیڑھیاں تھیں کہ سانپ کی طرح چکر دار گول۔ گول نعیم اور میں اوپر پہنچتے ہانپ گئے تھے۔ چیخیں بدستور جاری تھیں بدحواسی میں لائن سے بنے ہر کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھتے درمیانے کمرے تک پہنچے تو چیخیں صاف سنائی دیں۔ دھڑ سے دروازہ کھول کر اندر آئے تو اندر کا منظر ناقابلِ فہم تھا۔ بستر خالی پڑا تھا چیخ کی آواز اوپر سے آرہی تھی ہم دونوں نے گردنیں اٹھا کر دیکھا تو بے حد اونچی چھت اور اس پر لوہے کی راڈ کی مدد سے لٹکتا پرانا پنکھا اور اس پنکھے کو مضبوطی سے پکڑ کر جھولتی ڈولتی حنین...... میں ایک ہی جست میں پلنگ پر چڑھ گیا اور اپنی بانہیں پھیلا کر حنین کو نیچے آنے کا کہا۔

''نہیں بھائی'' وہ بہت خوفزدہ تھی۔

''حنین میری گڑیا میں ہوں نا ہاتھ چھوڑو پنکھے سے۔'' میں نے اسے پچکارا لیکن وہ ڈر رہی تھی کیونکہ بند پنکھا بھی کسی غیبی طاقت کے زیرِ اثر دائیں بائیں جھول رہا تھا۔

حنین گھبرا کر بری طرح روئے جارہی تھی۔ میرا دل بھی بری طرح خوفزدہ ہوا تھا۔ پہلے سے ذہن اتنی الجھن و کشمکش کا شکار تھا کہ بے شمار سوالوں کی گٹھڑی کندھوں پر بوجھ بن کر گری تھی اب حنین کا حیرت انگیز طور پر پنکھے سے لٹکنا، اور پنکھے کا شدت سے ہلنا...... دماغ کی رگیں گنجل سی پھٹنے کو تھیں۔ میں حواس کو قابو میں رکھے اسے شانت کرنا چاہتا تھا مگر اس لمحے گویا میری زبان گنگ ہو چکی تھی۔

''حنین بیٹا کچھ نہیں ہوتا...... ہم ہیں نا...... پنکھا چھوڑ دو...... تمھیں کچھ نہیں ہوگا......!'' اسی لمحے نعیم کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

میرے حواس بحال ہوئے تھے۔ اور حواس بحال ہوتے ہی میں نے بانہوں کے ہالے کو مضبوط کیا تھا۔ حنین نے نعیم کی باتوں سے ڈھارس لیتے ہوئے شدت سے ہلتے پنکھے کو ڈر و خوف سمیت آنکھیں بند کرتے چھوڑ دیا تھا۔ اور اب وہ میرے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں تھی البتہ اس نے سختی و خوف سے مجھے پکڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ میں نے نعیم کے سہارے سے اسے عقب میں پڑے صوفے پر لٹایا۔ جب تک گھر کے باقی افراد جن میں میری امی، دادو، تائی اور چچی کے علاوہ میرے چھوٹے بڑے کزنز اور ابو بھی تھے۔ سب کے چہرے پر سوال و پریشانی نمایاں تھی۔ میرا چہرہ بھی پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ میں بناء کچھ بولے حنین سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔ نعیم باقی سب کو سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

''اللہ خیر کرے...... مگر یہ ہوا کیسے؟'' امی اور دادو بے حد پریشان تھیں۔ دادو حنین پر کچھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ جبکہ امی اصل مدعے کی طرف آئی تھیں۔ جواب تو مجھے بھی چاہئے تھا۔ ان کے سوال کے ساتھ ہی میں حنین طرف دیکھنے لگا جو وجہ پوچھنے پر امی کے گلے لگ کر ایک بار پھر روئی تھی البتہ منہ سے کچھ نہ بولی تھی۔

''پنکھا اتنے اوپر تھا تم پنکھے تک کیسے پہنچی...... کون تھا تمھارے ساتھ...... رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ کوئی تمھیں کچھ نہیں کہے گا سچ بتاؤ......!'' ابو اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں حنین سے مخاطب ہوئے تھے۔
میری نظریں ہنوز حنین کے اوپر تھیں۔ اور حنین جو رو رہی تھی اب کی بار اس کی نظریں بائیں جانب اٹھی تھیں...... میں نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا تھا۔ اور تب میری آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ وہاں دبیز پردہ ہل رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے اس کے پیچھے کوئی ہے۔ جبھی سب کو نظر انداز کرتا اپنی جگہ سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اگلے چند سیکنڈز میں پردہ کی اوٹ میں چھپے اس انجان وجود کو حیرانگی سے دیکھ رہا تھا جو میری اچانک آمد پر چہرے کے فق پڑتے رنگوں سمیت کانپا تھا۔
''کون ہو تم......؟''
میرے لہجے میں درشتگی امڈ آئی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس لڑکی کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔
گھر کے باقی افراد میری آواز پر وہاں متوجہ ہو چکے تھے۔
''میں سعدیہ...... مالی بابا کی بیٹی......!''
اس نے لرزتے لہجے میں جواب دیا تھا۔

سعدیہ ایک جواں سال لڑکی تھی، اس کی عمر اٹھارہ سے بیس سال ہوگی، اس کا بالائی دھڑ برہنہ تھا، ہاتھوں سے برہنگی چھپائے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی، میں نے فوراً آنکھوں کے سامنے پردہ کرلیا، ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا، وہ خون آلود قمیص سعدیہ کی تھی، میں نے امی کو حنین کی قمیص لانے کو کہا۔
امی سعدیہ کو پردے کی اوٹ میں قمیص پہنا کر لے آئیں، اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا:... چہرے پر جا بجا خراشوں کے نشان تھے، بڑی آپا نے اسے پانی پلایا، اچانک باہر کسی دروازے کے پٹ زور سے دھڑ دھڑائے، آواز سن کر سعدیہ بے ہوش ہوگئی، میں باہر کی طرف بھاگا مرکزی گیٹ کے ساتھ والے چھوٹے دروازے کے پاس ایک سایہ سا لہرایا اور چشم زدن میں غائب ہوگیا، میں مرکزی گیٹ تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ جنگل سے اذیت بھری ایک چیخ میری سماعت سے ٹکرائی.... چیخ کی بازگشت کافی دیر وادی میں سنائی دیتی رہی، میں گیٹ سے نکل کر باہر آیا، اِدھر اُدھر دیکھا مجھے دور دور تک کوئی متنفس نظر نہ آیا..... اتنی دیر میں گھر کے دیگر افراد بھی وہاں پہنچ گئے۔
ادھر اوپر کمرے میں دادی کمر پر ہاتھ رکھے لبوں پر قرآنی آیات کا ورد کرتی چاروں طرف پھونکیں مار رہی تھیں صوفے پر دبکی بیٹھی حنین ابھی بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔
''میری بچی بتا تو سہی تجھے اوپر کس نے لٹکایا۔''
دادی حنین کے پاس آکر بیٹھ گئیں پھر دھیرے سے اس کے بال سہلاتے ہوئے پوچھا
''دادی......وہ'' حنین نے خشک لبوں پر زبان پھیری......
''ہاں بول دادی کی جان!'' دادی نے حوصلہ بڑھایا
''دادی میں سوئی ہوئی تھی کہ اچانک میرا لحاف کسی نے زور سے کھینچ لیا۔ میری نیند گہری تھی محسوس ہوا پر آنکھ نہ

کھولی پھر دو فولادی ہاتھ میرے وجود میں پیوست سے ہو گئے مجھے بہت اذیت ہوئی آنکھیں کھول کر دیکھا تو......''

حنین وحشت زدہ سی رک گئی۔

دادی ہنوز اس کے بال سہلاتی متوجہ تھیں۔

''دادی وہ ایک سر کٹا انسان تھا جو میرے وجود میں اپنے فولادی ہاتھ گاڑے مجھے اوپر اٹھا رہا تھا...... میں چیخیں مارتی رہی اور اس نے مجھے ہوا میں معلق کر دیا۔ میں گھبرا گئی اور گرنے کے خیال سے پنکھا پکڑ لیا دادی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

حنین دادی سے لپٹ کر رونے لگی۔

''نہ میرا بچہ۔'' دادی نے اس کو بانہوں میں بھر لیا تو حنین چیخ اٹھی۔

''کیا ہوا؟'' دادی پریشان ہو گئیں۔

''دادی درد ہو رہا ہے۔'' حنین نے کہا تو دادی نے اس کے اشارے پر شانے سے قمیص تھوڑی ہٹائی تو ان کی بھی چیخ نکل گئی۔

کالے سیاہ گڑھوں جیسے نشان حنین کے شانوں اور بازوؤں پر نظر آ رہے تھے۔

''میرے خدا۔'' دادی گھبرا گئیں۔

''دادی یہ کیا ہوا مجھے؟...... دادی مجھے بچا لو مجھے بچا لو......''

حنین کی چیخیں پورے کمرے میں گونجنے لگیں۔

✡............✡............✡

ابھی وہ سب نیچے ہی تھے کہ ایک بار پھر بالائی منزل سے حنین کے چیخنے کی آواز آنے لگی۔

عالیان اور نعیم ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے اوپر جا پہنچے۔

حنین دادی کے گلے لگی خوف و دہشت کے مارے چیخ چیخ کر رو رہی تھی جبکہ عالیان کا تو دماغ ہی اس کے شانوں پر کالے سیاہ نشانات دیکھ کر سن ہو گیا۔ وہ سر پکڑ کر نیچے بیٹھ گیا...... اتنی دیر میں باقی سب بھی اوپر پہنچ گئے۔

حنین کے شانوں پر موجود زخم بہت تشویشناک تھے۔ حنین روتے روتے اب بے ہوش ہو چکی تھی۔

عالیان نے اسے بازوؤں میں اٹھایا اور ان سب کو بتا کے حنین کو ہاسپٹل لے آیا......

✡............✡............✡

ہاسپٹل پہنچتے ہی اس نے ریسپشن سے ڈاکٹر عامر کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا وہ اس وقت آپریشن تھیٹر میں ہے۔

دفعتاً ریسپشن پہ کھڑے لڑکے نے حنین کے زخم دیکھے تو پوچھا۔

''کیا آپ ہاجرہ محل سے آئے ہیں......؟''

عالیان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

''لیکن تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟''

''آپ پلیز وقت ضائع کیے بنا ایمرجنسی میں جایئے وہاں کوئی نا کوئی ڈاکٹر ہوگا''

اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے وہ لڑکا بولا تو عالیان بھی جلدی سے آگے بڑھ گیا۔

ڈاکٹر نے زخموں کی نوعیّت دیکھتے ہوئے جو کچھ کہا اس سے عالیان کو اپنے سامنے زمین آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے۔

''ہاجرہ حویلی سے آنے والے دو تین مریض جن کے جسم پر اس طرح کے زخم تھے جانبر نہیں ہو سکے۔ یہ زخم بہت خطرناک ہیں۔ اب اس بچی کا زندہ رہنا ایک معجزہ ہی ہوگا...... ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ اس محل میں ایسا کیا ہے جو ایسے زخم دینے کا سبب بن رہا ہے...... لیکن ان کا علاج ممکن ہے۔ البتہ جتنا ممکن ہو اس بچی کو خوف و دہشت سے نکال کر مکمل ذہنی سکون دیں۔ بچی کی صحت کی ری کوری میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ اور کوشش کریں کہ اس سے اس واقعے سے متعلق بار بار پوچھنے کے بجائے اس کی سوچوں کو ان لمحوں کی قید سے نجات دلائیں...... انہیں تنہا نہ چھوڑیں اور مصروف رکھیں...... اور اس سے بھی بہتر ہوگا کہ آپ انہیں اس جگہ سے دور کسی پُرامن جگہ منتقل کریں جہاں یہ ہیبت ناک واقعے کو بھول سکے......!''

کافی دیر بعد حنین کو ہوش آیا تھا۔ نعیم وارڈ میں اس کے پاس تھا۔ جبکہ عالیانؔ ڈاکٹر کے پاس تھا۔ ڈاکٹر نے نہایت تحمل سے واقعے کی جانچ کے بعد صلاح دی تھی۔

''جی میں مکمل کوشش کروں گا کہ یہ اس واقعے کو بھول سکے......!''

عالیان نے جواباً کہا۔

پھر کچھ گھنٹوں میں بعد حنین کی طبیعت سنبھلی تو وہ دونوں اسے لے کر واپس محل چلے آئے تھے۔

میرے دماغ میں گویا گولہ باری ہو رہی تھی۔

ہاجرہ محل آئے ہمیں ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا اور اس دوران ہمارے ساتھ اتنا سب کچھ ہو جانا کم از کم مجھے تو بالکل بھی اتفاق نہیں لگا تھا۔

مردہ بلی، جھاڑیوں میں خون سے لت پت ملنے والی قمیص...... حنین کو سر کٹے انسان یا پھر حیوان کا نظر آنا...... اس کے ہاتھوں پنکھے سے لٹکنا...... اس کی گردن پر نشان...... اور اسی نشان کے ہاتھوں اس سے قبل تین افراد کی موت کا قصہ...... اور سب سے عجیب میرے نزدیک...... مالی بابا کی بیٹی سعدیہ کا پردے کے پیچھے برہنہ حالت میں موجود ہونا...... حنین اسے شاید دیکھ چکی تھی...... مگر وہ ایسی حالت میں وہاں کیوں آئی تھی...... مالی بابا شاید قمیص دیکھ کر جان گئے تھے کہ وہ قمیص ان کی بیٹی کی ہے جبھی وہ عجیب تاثرات کے ساتھ ڈھیروں خوف سمیٹے وہاں سے چلے گئے تھے...... مگر وہ اپنی بیٹی کے لئے فکرمند کیوں نہیں ہوئے تھے؟

ایسے بہت سے سوال مجھے الجھا رہے تھے۔

وہ رات ہم سب نے تقریباً حنین کی فکر میں جاگ کر گزاری تھی۔ مگر اگلی صبح مجھے میرے سوال مالی بابا کے پاس ایک بار پھر لے گئے تھے۔ جو کل سے زیادہ آج مجھے اپنے سامنے پا کر چونکے تھے۔

''بابا وہ قمیص آپ کے بیٹی کی تھی۔'' میں سید ھا مدعے کی طرف آیا تھا۔

''ہاں!''

انہوں نے مجھ سے نظریں کترا کر آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''آپ نے کل کیوں نہیں بتایا؟''میں نے پوچھا۔

وہ ہنوز دوسری طرف دیکھ رہے تھے۔

''کیا بتاتا صاحب...... مجھے تو ذلت کھا گئی تھی...... بیٹی کی قمیص کسی غیر کے ہاتھ میں تھی...... ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا......!''اب کے ان کی آواز میں کپکپاہٹ پیدا ہوئی تھی۔

''کیا مطلب......؟''

مجھے بے شمار حیرتوں نے گھیرا تھا۔ان کی بات کا جو مطلب میں نے اخذ کیا تھا۔وہ نا قابلِ یقین تھا۔

''مطلب یہ کہ صاحب...... پاگل ہے وہ بدنصیب...... دماغ کام نہیں کرتا اس کا......خود کو زخمی کرتی ہے...... روتی ہے...... چلاتی ہے...... اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔اور ہم غریب اس قابل کہاں کہ اس کا معائنہ کرواسکیں......بس زندگی کے دن گزار رہے ہیں......!''

وہ شکست خوردہ سے لہجے میں اپنا دکھ بتا رہے تھے۔اور تب میں صحیح معنوں میں شاکڈ ہوا تھا۔

اگر ایسا تھا تو بہت افسوس ناک بات تھی۔

''لیکن اس کے پیچھے کوئی وجہ ہے......اگر ہے تو پلیز مجھ سے مت چھپائیں......ہوسکتا ہے میں آپ کی کوئی مدد کرسکوں......!''میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

میری بات پر انہوں نے نظر اٹھا کر عجیب طرح سے گھور کر مجھے دیکھا تھا۔ان کے گھورنے سے مجھے لمحوں میں کوفت ہوئی تھی۔

''کوئی بات، کوئی راز نہیں ہے صاحب...... ہم غریب لوگ ہیں...... اور غریب کا کوئی راز نہیں ہوتا کہ بدلہ لے......کون چاہتا ہے کہ بیٹی کے پاگل پن کو دنیا میں تماشا بنائے......آئندہ آپ کو شکایت کو موقع نہیں ملے گا۔میں نے رقیہ سے کہہ دیا ہے آئندہ اسے باندھ کر رکھیں گے......آپ جاؤ صاحب......میری بیٹی کی فکر مت کرو......جو ہے سب ٹھیک ہے......!''

میں اس وقت عجیب کیفیت کا شکار ہوا تھا۔

بے یقینی اپنی جگہ......دکھ بھی تھا۔حیرانی بھی تھی۔سوچیں بھی متزلزل سی گنجل ہو چکی تھیں۔

مالی بابا اپنی کہہ کر اپنے کام میں لگ گیا تھا۔اور میں ان کی پشت پر نظریں گاڑھے پہلی بار خالی الذہن ہوا تھا۔

اس کا مطلب ہے مالی بابا محل کے پُراسرار واقعات کے حوالے سے بہت کچھ جانتا ہے.... میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا، ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ مالی بابا ان واقعات کے پس منظر سے آگاہ ہونے کے باوجود ہمیں ٹال کر واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیوں کر رہا تھا؟ اس کی چشم پوشی میرے تجسس کو ہوا دے رہی تھی۔

✿............✿............✿

گھر کے بزرگوں کی مشاورت سے تمام اہلِ خانہ اسلام آباد منتقل ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے، دوسرے روز

علی الصبح گاڑیوں پر سامان لاد کر ہم سب اسلام آباد روانہ ہو گئے، میرا ارادہ اسلام آباد پہنچ کر پھر واپس آنے کا تھا، اس حوالے سے میں نے نعیم سے بات کر لی تھی، اور دو دوستوں کو بھی کال کر کے بلا لیا تھا، دو گھنٹوں کی مسافت کے بعد ہم اسلام آباد پہنچ گئے، سامان گھر میں رکھوانے کے بعد میں گھر سے لاہور جانے کا کہہ کر نکل آیا، نعیم میرے ساتھ تھا.... اگلے ایک گھنٹے میں، میں، نعیم اور میرے دو دوست اسلم اور دانش ہاجرہ محل کی طرف جا رہے تھے، بلند و بالا پہاڑوں کی پُر پیچ سڑک پر سفر کرتے ہم ہاجرہ محل کے نواح میں پہنچ گئے، سورج پہاڑوں کے پیچھے چلا گیا تھا، شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے، محل کے گیٹ تک پہنچتے پہنچتے شام رات کی سیاہی میں ڈھل چکی تھی، ہاجرہ محل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، گاڑی اندر پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد ہم چاروں مالی بابا کے کوارٹر کی طرف چل پڑے، اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں گر پڑا، جس چیز سے ٹھوکر لگی وہ گٹھڑی نما کوئی چیز تھی۔ میں نے کپڑے جھاڑ کر موبائل ٹارچ کی روشنی اس گٹھڑی پر ڈالی وہ گٹھڑی نہیں کوئی آدمی تھا، میں نے روشنی اس کے جسم پر ڈالی ایک لمبے پھل والا خنجر اس کی پیٹھ میں دستے تک اترا ہوا تھا، اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں چونک گیا، وہ دین محمد تھا ہمارا ملازم جو بازار سے سودا سلف لاتا تھا، وہ مر چکا تھا۔

''آہ......!''

میں نے گھبرا کر آنکھ کھولی تھی۔

میرا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ میرے حواس قابو سے باہر تھے جنہیں بحال کرنے میں مجھے کافی وقت لگا تھا۔

''دین محمد کی لاش......اس کا قتل......!''

میں اپنی آنکھوں کو شدت سے مسل رہا تھا۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

تو یہ ایک بھیانک خواب تھا۔ ایک خواب...... ایسا خواب جو رات کی تاریکی میں میری آنکھوں کو ایک روشن حقیقت کی مانند تلخی سے گھائل کر گیا تھا۔ یہ خواب معمہ تھا۔ میں بستر سے اتر کر کھڑکی کے پاس آیا تھا۔

میرا کمرہ محل کے اوپری پورشن پر تھا۔ جہاں سے سرونٹس کوارٹر صاف و واضح دکھائی دے رہے تھے۔ میری نظر مالی بابا کے پورشن پر ٹکی تھی۔ جہاں مکمل سکوت تھا۔ گھمبیر خاموشی تھی۔

میں نے خاصی دیر تک وہاں نظریں جمائے رکھیں۔ تجسس میری نس نس میں اتر چکا تھا۔ یہ میرا وہم تھا یا شک...... مگر میں اپنی آنکھوں کے سامنے ابھرتے مالی بابا کے عکس کو دھند میں نہ لپیٹ سکا تھا۔ میری الجھن تمام شکوک و شبہات کے ساتھ پروان چڑھ رہی تھی۔

باقی کی ساری رات میں وہیں کھڑکی کے پاس کھڑا رہا۔ کہ شاید کچھ سرا ہاتھ لگے مگر صبح کا اجالا پھیلنے تک میں ناکام ہو چکا تھا۔

✡......✡......✡

صبح کا اجالا ہر سُو پھیل چکا تھا۔

ابتداء معمول کے مطابق نہیں ہوئی تھی۔ حنین کی طبیعت سنبھلنے کے بجائے مزید بدترین ہوئی تھی۔

محل میں موجود تمام مکین حنین کی بگڑتی طبیعت کے بعد سے ڈر و خوف کی ملی جلی کیفیت میں مبتلا ہو چکے تھے۔

میں الگ پریشان تھا۔ ہاجرہ محل میں وہ سب لوگ ایک ساتھ رہ کر خوشگوار وقت گزارنے کی غرض سے کافی سالوں بعد پلان

ٹنا لرآئے تھے۔مگراب صورتِ حال نے انہیں سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔حنین کوامی ابواور تائی ہاجرہ محل سے دور پھو پھو کے گھر لے گئے تھے۔پھو پھو کا گھر شہر میں تھا۔وہاں کی مصروف زندگی میں پناہ حنین کو مصروف کرسکتی تھی۔یہاں محل میں رہ کر وہ دہشت سے باہر نکل ہی نہیں پارہی تھی۔وہاں جانے کے بعد پھو پھو اوران کی فیملی نے حنین کو خاص توجہ دی تھی۔

ہاجرہ محل میں البتہ پُراسرار ماحول شدت پکڑنے لگا تھا۔

میری اکلوتی بہن میرا سب کچھ تھی اس کو کانٹا بھی چبھتا تو میں تڑپ جاتا کجا اتنے زخم کہ نوبت مرنے تک پہنچ گئی

''میرے خدایا۔!''

میں ہاجرہ محل کے باغ میں ٹہل ٹہل کر اپنی ٹانگیں اور دماغ شل کررہا تھا دفعتاً ہلکی سی پائل کی چھنکار نے مجھے اپنی جانب متوجہ کیا میں چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

لیکن آس پاس ہریالی کے سوا کچھ نہ تھا۔

پھر چوڑیاں بجنے لگیں۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔

اب پائل کی چھنکار اور چوڑیوں کے ایک ساتھ ردھم سے بجنے نے مجھے بوکھلا دیا۔

میں پاگلوں کی طرح اس آواز کے ماخذ تک پہنچنے کے لئے باغ میں دوڑنے لگا۔

کبھی نیچی کبھی اونچی غضب کی تال پر بجتی موسیقی میرے دماغ میں ہتھوڑے برسانے لگی۔

دوڑ دوڑ کر ٹانگیں تھک گئیں سانس پھول گیا تو میں ایک درخت کے تنے پر پیٹھ لگا کر اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرنے لگا۔

اچانک چوڑیاں میرے بالکل قریب کھنکیں تو میں اچھل پڑا۔

''ڈر گئے بابو جی۔؟''

درخت کی اوٹ سے مالی کی وہی پاگل لڑکی نکل آئی۔

دلہنوں والا گوٹا کناری سے مزین سرخ لباس دھوپ میں میری آنکھوں کو چندھیا گیا۔سرخی سے سجے ہونٹ، تلے والا کھسہ اور ست رنگی پراندہ۔میں حواس باختہ منہ کھول کر اس کی سج دھج دیکھنے لگا۔

وہ اس دن والے حلیے سے بہت مختلف دکھ رہی تھی۔

''کیا دیکھتا ہے بابو۔؟'' وہ اٹھلائی۔

''تت تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے گڑبڑا کر سوال داغا۔

''سعدیہ......'' وہ ایک ادا سے لب کاٹ کر کھلکھلائی۔

''یہ تم نے کیسے کپڑے پہنے ہیں......؟'' میں نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

''ویاہ کے بابو......'' وہ کچھ شرمائی۔

''آج میرا ویاہ ہے نا......''

''کس کے ساتھ۔؟؟''

''تیرے ساتھ......''

اس کے بیان پر میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

''میرے ساتھ شادی کرے گا بابو......؟؟''

میری خاموشی پہ وہ آگے بڑھ آئی اور اپنے مہندی لگے ہاتھوں کو ایک ادا سے میرے ہاتھوں پہ رکھتے ہوئے پوچھا۔

اس کے ہاتھ اتنے سرد تھے کہ مجھے زندگی کی کوئی گرماہٹ مجھے ان میں محسوس نہ ہوئی۔

وہ اپنی آنکھیں مجھ پر گاڑے کھڑی تھی۔

خوف و دہشت کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں گزر گئی۔

اس سے پہلے کہ میرے حواس کام کرنا چھوڑ جاتے میں اس کے ہاتھ کو جھٹک کر وہاں سے سرپٹ محل کی طرف بھاگا......

اپنے پیچھے میں نے اس کے قہقہے کی زوردار آواز سنی۔

''ہاہاہا......ڈر گیا بابو۔''

وہ زور سے چلاتے ہوئے بولی لیکن میں نے کسی بھی بات کی پروا کیے بنا محل کے اندر آ کر ہی دم لیا......

محل کے رہائشی حصے کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک میرے پاؤں کسی نرم چیز سے ٹکرائے۔

غور کرنے پر پتا چلا وہ ایک سر کٹی بلی کی لاش تھی......میں اس کو وہیں چھوڑ کر تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

گھر کے سارے افراد ایک کمرے میں جمع محل میں ہونے والے ان عجیب و غریب دہشت زدہ کر دینے والے واقعات کے بارے میں سوچ بچار کر رہے تھے۔ جب اچانک چھت کا پنکھا اپنے آپ ہی چلنے لگا۔

اور آہستہ آہستہ اس کے چلنے کی رفتار شدت پکڑنے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ کسی کی سسکیوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ خوف و دہشت کی لہر نے ایک بار پھر ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا......پنکھا کبھی بہت تیز تیز گھومنے لگتا اور کبھی اس کے گھومنے کی رفتار کم ہو جاتی۔..

سب آہستہ آہستہ اس کمرے سے نکلنے لگے۔

آخر میں بس نعیم اور میں ہی اس کمرے میں رہ گئے......

سب کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ پنکھا بھی خود بخود رک گیا......

''میرے خیال سے اس محل پہ کسی ایسی مخلوق کا قبضہ ہے جو کسی صورت نہیں چاہتی کہ ہم یہاں رہیں کل محل میں قرآن خوانی......'' ابھی نعیم کی بات پوری ہی نہ ہوئی تھی کہ کمرے کے ایک کونے کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

میں نے اس کے تعاقب میں نظریں دوڑائی تو وہاں ایسا کچھ نہ تھا جو اسے خوف زدہ کرتا......

''کیا ہوا نعیم......؟ تم ٹھیک تو ہو ناں؟''

اس کے ماتھے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے دیکھ کر میں نے پریشانی سے پوچھا......

''میں ٹھیک ہوں عالیان ..... چلو اس کمرے سے چلیں ......''
وہ فوراً میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا.. اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
نعیم نے نہ جانے کیا دیکھ لیا تھا کہ اس کے چہرے کا رنگ پل بھر میں متغیر ہو گیا۔
میں نے اس کے کانپتے ہاتھ تھام لیے...... اچانک وہ تھکا تھکا سا نظر آنے لگا......
''کل قرآن خوانی ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
''نعیم! اس کڑے وقت میں ہمت ہار رہے ہو؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''میں ہمت نہیں ہار رہا......'' نعیم نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔
''دراصل پے در پے رُونما ہونے والے واقعات نے حواس معطل کر دیے ہیں۔'' وہ چند لمحے رکا، چند گز دور مالی کے دروازے پر نظر جماتے ہوئے بولا
''اسرار سے پردہ اٹھانے کے لیے تمہیں سعدیہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہوگا، اس کا التفات حاصل کرنا ہوگا۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا......''
نعیم کی بات دل کو لگتی تھی، سعدیہ خود سے پیش قدمی کر چکی تھی اب اس کی حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی، میں اور نعیم باتیں کرتے کرتے محل کے پچھواڑے نشیب میں اتر گئے، وہاں ایک پہاڑی ندی کے پاس بڑے بڑے گول پتھروں پر بیٹھ کر مزید لائحہ عمل تیار کرنے لگے، اچانک سوکھے پتے چر چرانے کی آواز سنائی دی پھر معدوم ہو گئی جیسے کوئی چلتے چلتے رک گیا ہو، میں نے نظر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا مجھے کوئی نظر نہ آیا۔.. نعیم بھی موجودہ صورتِ حال کو سمجھ چکا تھا۔
''یہ آواز کیسی تھی؟'' اس نے کہا۔
''میں نہیں جانتا، سنی میں نے بھی ہے''۔
پھر آواز کے ماخذ کی طرف منہ کر کے آواز دی۔ ''کون ہے وہاں؟'' چند لمحے خاموشی چھائی رہی پھر ایک قدِ آدم جنگلی پودے کی اوٹ سے نکل کر سعدیہ ہمارے سامنے آ گئی، اس ویرانے میں سعدیہ کی موجودگی کئی سوالوں کو جنم دیتی تھی، تاہم میں چپ رہا، نعیم کو واپس محل جانے کا اشارہ کیا اس کے جانے کے بعد میں نے سعدیہ کی طرف دیکھا، وہ ہلکی سی آہٹ پر بدک جانے والی ہرنی نظر آ رہی تھی، مقامی لباس اس پر خوب جچ رہا تھا، میں معترف ہوں کہ وہ ایک حسین لڑکی تھی سفید رنگ کے گھاگھرے میں وہ کسی ادھ کھلے گلاب کی طرح لگ رہی تھی۔
''سعدیہ!'' میں نے اسے مخاطب کیا، اس نے پلکوں کی جھالریں اٹھا کر مجھے دیکھا اس کی آنکھوں میں کئی رنگین خواب مچل رہے تھے وہ یک ٹک سوچتی ہوئی نگاہ سے مجھے دیکھتی رہی پھر نظر جھکا کر آہستگی سے بولی۔
''جی بابو صاب؟''
''میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟''
اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے میں نے پوچھا۔
''بابو جی آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔'' میرے ہاتھ کے لمس کی حرارت سے وہ کسمسائی اور پھر آنچل کی اوٹ میں چہرے کو چھپاتے ہوئے دور جا کھڑی ہوئی بولی۔

''خود سے بھی زیادہ اچھے۔'' اور شرما کر بھاگ گئی۔

⚝............⚝............⚝

نعیم اور عالیان سعدیہ کے جانے کے بعد ہاجرہ محل واپس آ گئے تھے۔ باقی تمام مکین بڑے ہال میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ سب کے چہرے فکر مند تھے۔ وہ دونوں بھی وہیں براجمان ہو گئے۔

''اللہ پاک رحم کرے...... ہمارا یہاں آنا اور آنے کے ساتھ ہی عجیب وغریب واقعات کئی اندیشوں کو جنم دے گیا ہے۔ سب نماز کی پابندی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرو...... اللہ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے......!'' دادو نے سب کو مخاطب کیا تھا۔

سب نے اثبات میں سر ہلائے تھے۔

''ہاں مگر ہمیں یہاں سے واپس چلے جانا چاہیے...... شہر میں بھی ہمارا بنگلہ ہے۔ ہم سب وہاں بھی تو ایک ساتھ وقت گزار سکتے ہیں......!'' البتہ چچی روبینہ نے مزید انتظار سے پھیلتے انتشار واسرار سے فرار کو ترجیح دی تھی۔

''نہیں روبینہ...... یہ ہمارا آبائی گھر ہے۔ ہم یوں چھوٹے چھوٹے واقعات کو وجہ بنا کر ڈر وخوف سے بھاگ نہیں سکتے۔'' جواباً سہیل چاچو نے بیگم کو صاف منع کرتے ہوئے دادو کی طرف دیکھا تھا۔ جو خود یہاں سے جانے کے حق میں نہیں تھیں۔ ان کا کمزور دل سہم تو بہت گیا تھا مگر فرار مسئلے کا نہیں تھا۔

''حنین کے ساتھ جو ہوا وہ چھوٹا واقعہ نہیں ہے......!'' روبینہ چچی رسک نہیں لینا چاہتی تھیں۔

ان کے دو نوعمر بیٹے تھے۔ ان کے ساتھ حنین جیسا کوئی حادثہ سوچ کر بھی وہ کانپ اٹھی تھیں۔ حقیقتاً ویسا ہو جانا ان کے لیے جان لیوا ہو سکتا تھا۔

''بیشک وہ کوئی چھوٹا حادثہ نہیں ہے مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سب چال ہو...... ہم سالوں بعد اس گھر میں آئے ہیں۔ یہاں سے آٹھ سال پہلے بھائی صاحب کی حادثاتی موت ہمیں لاتعلق کر گئی تھی مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ شاید ہماری اسی لاتعلقی وڈر کا کوئی فائدہ اٹھا رہا ہے...... لیکن اس بار ہم اپنے آبائی محل کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ کم از کم میں تو بالکل بھی نہیں......!'' انہوں نے صاف لفظوں میں کہا۔

باپ کی موت کا ذکر نعیم کو سالوں بعد پھر سے غمزدہ کر گیا تھا۔

عالیان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دینا چاہا تھا۔ دادو بھی افسردہ ہوئی تھیں۔

''ہم سب کو دل مضبوط کرنا ہوگا۔ ہمت وحوصلے سے کام لینا ہوگا۔ وہم بیماری سے زیادہ خطرناک اور جان لیوا ہوتا ہے...... ویسے بھی کل محل میں قرآن خوانی کے انتظامات کر دیئے گئے ہیں۔ ان شاء اللہ بابرکت کلام پاک سے تمام بلائیں ٹل جائیں گی......!'' دادو نے وثوق سے کہا تھا۔

''ان شاء اللہ......!''

سب نے زیرِ لب کہا۔

چچی جان نے قریب بیٹھے بیٹے کو ساتھ بھینچتے ہوئے ماتھے پر بل بھی ڈالے تھے۔ وہ یہاں کسی طور رہنا نہیں چاہتی تھیں۔ مگر فی الحال یہاں سے جانا ان کے بس میں نہیں تھا۔

سب ایک دوسرے کو دیکھتے ورد کرنے میں مشغول ہو چکے تھے۔

نعیم اور عالیان تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد اوپر پورشن میں بنے اپنے کمرے آ گئے تھے۔

کچھ نہ کرنے کے باوجود ذہنی الجھن واضطراب انہیں تھکاوٹ سے دوچار کر چکا تھا۔ عالیان اندر داخل ہوتے ہی بستر پر اوندھا لیٹ چکا تھا۔ لیٹتے ہی دانستہ الجھن وتجسس سے فرار کے لیے سعدیہ کا خوبصورت عکس آنکھ کے پردے پر نمایاں کیا تھا۔

جبکہ نعیم دوسرے پلنگ پر کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا۔ عالیان کی طرح وہ اپنے ذہن ودل کو فرار کا کوئی جواز نہیں دے سکا تھا۔ بلکہ سالوں بعد باپ کا شفیق تصور اس کے ذہن کے پردوں پر ابھرا تھا۔ جو اگلے ہی پل بدصورت روپ اختیار کر چکا تھا۔

رضا خان کا خون میں لت پت وجود اس کرب واذیت کے بے رحم شکنجے میں جکڑا اس کے ردعمل کا منتظر تھا۔

اور وہ پل میں بے قابو ہو چکا تھا۔ اذیت، ملال شدید تنفر کا روپ دھار چکی تھی۔ وہ سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ اٹھا تھا۔ اک نظر عالیان پر بھی ڈالی تھی۔ جو شاید اردگرد سے بے خبر نیند کی آغوش میں سمٹ چکا تھا۔ نعیم نے اس نظرانداز کرتے ہوئی ٹیبل کے قریب پڑی چھری اٹھائی اور بازو پر سے شرٹ کہنی تک اوپر کی۔ اور پھر پہلے سے لگے نشانوں میں تیز چھری سے کٹ لگا کر اضافہ کیا۔ اس کے بازو سے خون رسنے لگا تھا۔ درد کا احساس بھی آنکھوں میں پانی لے آیا تھا۔ مگر ہمیشہ کی طرح ضبط کی حدوں سے گزرتا وہ قابو کر گیا تھا۔

عالیان ہنوز اردگرد سے لاتعلق تھا۔

اس نے جلدی جلدی الماری سے بینڈج نکال کر بے ترتیبی سے رستے خون کو صاف کر کے زخم پر پٹی باندھی۔ آنکھوں میں ابھرتا الاؤ اب پہلے کی نسبت بہت کم ہو چکا تھا۔ پھر وہ شرٹ کی بازو کو کلائی تک لا کے زمین سے خون صاف کرنے لگا تھا۔

اپنا یہ راز وہ کسی کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ عالیان کو بھی نہیں۔

۞..........۞..........۞

اگلے دن قرآن خوانی سے پہلے دادی کے حکم پر پورے محل کی نئے سرے سے صفائی کروائی جا رہی تھی۔ دادی کا کہنا تھا کہ قرآن خوانی کے بعد دم کیا ہوا پانی محل کے ہر کونے کھدرے میں چھڑکا جائے...... اسی لیے ایک بار پھر پورے محل کی صفائی کا انتظام کیا گیا۔

میں اور نعیم محل کے تمام ملازمین سے اپنی نگرانی میں صفائی کرا رہے تھے جب بالائی منزل پر بنے کمروں میں سے ایک کمرے کے دروازے پر لگے بڑے سے تالے کو دیکھ کر میں ٹھٹک کر رک گیا۔ اپنے پیچھے آتے ملازم کو میں نے مالی بابا سے اس تالے کی چابی لانے کو کہا۔ مالی بابا اس محل کے بہت پرانے ملازم تھے ساری چابیاں ان کے پاس محفوظ تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ملازم ہانپتا کانپتا واپس لوٹ آیا اس کے ہاتھ میں چابی نہ تھی۔

میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ مالی بابا نے اس تالے کی چابی دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ رضا خان (نعیم کے والد) کی موت کے بعد سے یہ کمرا بند ہے اور اس کو کھولنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں ہے۔

مالی بابا بہت پرانے ملازم اور بزرگ انسان تھے، یہاں سب لوگ ان کا حکم مانتے ہیں۔حتیٰ کہ محل کے مکین چچا دادی وغیرہ بھی،ان کے خیال سے مالی بابا محل کے ایسے رازوں سے واقف تھے جن کے بارے میں یہاں اور کوئی نہ جانتا تھا۔سوان کا حکم مان کر بہت سے نقصانوں سے بچا جا سکتا ہے۔

نعیم نے جب یہ سنا کہ اس کے والد کی موت اسی کمرے میں ہوئی تھی تو اس نے بنا کسی سے پوچھے آگے بڑھ کر کلہاڑی سے ایک وار کیا اور اس مضبوط تالے کو توڑ ڈالا۔

''اگر اس کمرے کا میرے والد کی موت سے کوئی تعلق ہے تو پھر میں اسے ضرور دیکھنا چاہوں گا اور سراغ لگا کے رہوں گا کہ آخر اس کمرے میں ایسا کیا ہے جو کسی کی موت کی وجہ بن سکتا ہے۔''نعیم بے خوفی سے بولا۔

تالہ توڑنے کے بعد دروازے کی زنگ لگی کنڈی کھول کر ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔جبکہ ملازم واپس پلٹ گیا۔

کمرہ نہ تو بہت بڑا تھا نہ ہی بہت چھوٹا،دیواروں کے ساتھ جا بجا مکڑی کے جالے لٹک رہے تھے۔

فرنیچر کے نام پر کمرے میں صرف ایک پلنگ اور کرسی رکھی تھی،کمرے کی ایک دیوار میں ایک کھڑکی تھی۔

جس کے دونوں پٹ بند تھے۔کافی عرصہ بند رہنے کی وجہ سے کمرے میں عجیب وغریب قسم کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

ہر طرح سے کمرے کا جائزہ لینے کے بعد جب کسی قسم کا کوئی سرا ہمارے ہاتھ نہ آیا تو واپسی کے لیے مڑے۔

اسی وقت میرے پاؤں کے نیچے کوئی چیز آئی۔وہ لوہے کی ایک پرانی چابی تھی۔

''یہ چابی کس چیز کی ہو سکتی ہے؟''اس نے نعیم سے پوچھا جو کافی غور سے ایک دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''عالیان اس دروازے کو کھول کر دیکھتے ہیں۔ہو نہ ہو اسی کے پیچھے کچھ ہے۔''

نعیم نے یہ کہتے ہی اپنا پورا زور لگا کر دروازے کو کھولا تو انتہائی گندی خون و کچے گوشت کی ملی جلی بدبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔اس دروازے سے سیڑھیاں نیچے تہہ خانے کی طرف جا رہی تھیں اور یہ بدبو اسی تہہ خانے سے آ رہی تھی۔

۞..........۞..........۞

تہہ خانے کی سیڑھیاں بہت نیچے تک چلی گئی تھیں۔عجیب بدبو تھی مجھے ابکائی آنے لگی۔میں نے جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھ لیا نعیم میرے پیچھے پیچھے تھا،تہہ خانے میں اندھیرا تھا،میں نے موبائل کی ٹارچ جلا کر ارد گرد دیکھا دیواروں کے ساتھ کافی کاٹھ کباڑ پڑا تھا چھت پر جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے بُن رکھے تھے،دیواریں گرد آلود ہو رہی تھیں، تہہ خانے میں کافی کمرے تھے ایک کمرے کا دروازہ دوسرے میں کھلتا تھا۔دوسرے کمرے میں مجھے ٹھٹک کر رکنا پڑا۔میں نے ٹارچ کو فرش تک لے جا کر دیکھا،گرد آلود فرش پر تازہ تازہ پاؤں کے نشان تھے جیسے کوئی ابھی ابھی ہمارے آگے چل کر گیا ہو،مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ پاؤں کے نشان کسی پانچ چھ سال کے بچے کے تھے جو ننگے پاؤں چل کر گیا ہو،نعیم نے گھگھیاتے ہوئے پوچھا''یہ...یہ کک... کک.... کیا ہے عالیان۔بچے کے پاؤں کے نشان؟''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔''میں نے جلدی سے کہا۔

''جاؤ اوپر جا کر دیکھو بڑی آپا کا بیٹا ذیشان کہاں ہے؟ ہری اپ!''

نعیم بھاگ کر تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر باہر نکل گیا اور میں کسی کھوجی کی طرح پاؤں کے نشان دیکھتا ہوا اگلے کمرے کی طرف بڑھ گیا، اس کمرے کا منظر رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا، ایسا منظر میں نے ہارر فلموں میں بھی نہیں دیکھا تھا، جگہ جگہ انسانی کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں، انسانی جسموں کے ڈھانچے اور ان ڈھانچوں سے الگ ہو جانے والے بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں، بدبو کے بھبکے سے اٹھ رہے تھے، اچانک پیچھے سے کوئی چیز میرے سر پر لگی اور میری آنکھوں کے سامنے نیلے پیلے دائرے ناچ گئے، ضرب شدید نہیں تھی ورنہ میرا سر پھٹ جاتا، حواس بحال ہوئے تو میں نے دیکھا وہ ایک سالم ڈھانچہ تھا جو مجھ پہ گرا تھا، لیکن یہ گرا کیسے؟ میں سوچنے لگا، اچانک ایک بڑا سا چوہا پھدکتا ہوا باہر نکل گیا۔

''ہمم تو اس کا مطلب ہے چوہا ڈھانچہ گرانے کا سبب ہے، شاید ڈھانچے کے ہاتھ کی ہڈیاں میرے سر پر لگی تھیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محل کے اس تہہ خانے میں کھوپڑیاں اور ڈھانچے کیسے آئے؟ جبکہ اوپر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا جو ہم توڑ کر آئے تھے۔

میں ایک قدم آگے بڑھ آیا دل تھا کہ سینے میں زور لگا کر باہر آنا چاہتا تھا ایک تو بدبو نے دماغ خراب کر دیا تھا پھر یہ مناظر، میں نے ٹارچ کی روشنی قطار میں الٹی سیدھی دھری کھوپڑیوں پر ڈالی، خستہ حال کھوپڑیوں کے سر سے تازہ تازہ ابلتا خون لکیر کی صورت بہہ رہا تھا پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان کھوپڑیوں کی آنکھوں کے خالی کھوپوں میں ڈیلے اگ آئے سرخ سرخ بغیر پپوٹوں والے ڈیلے مجھے غضبناک انداز میں دیکھنے لگے۔

میں تیزی سے پیچھے ہوا کھوپڑیوں پر رفتہ رفتہ ماس چڑھتا جا رہا تھا پیشانی ناک گال ہونٹ سب کچھ اتنی تیزی سے ابھر آیا کہ میں بھونچکا رہ گیا۔ اب کھوپڑیاں ایک سالم انسان کا چہرہ لئے ہوئے تھیں۔ ایک بات جو بے حد عجیب تھی کہ سب کا چہرہ ایک ہی تھا۔ لائن سے رکھے ایک چہرے والی کھوپڑیاں یکدم ہوا میں اوپر اٹھیں اور پھر میرے گرد گول گول چکرانے لگیں۔

خوف کے مارے میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔

میرے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر گر پڑا میں کسی کو مدد کے لئے پکارنا چاہتا تھا لیکن میری زبان تالو سے چپک گئی۔

پھر ایک چہرہ گیند کی طرح اڑتا ہوا آیا اور میرے پیٹ سے آ لگا دوسرا میرے گال کو زبردست چوٹ مارتا دور چلا گیا۔ تیسرا میرے سینے سے ٹکرایا میں بھاگنے کی کوشش میں ناکام تھا کہ میرے گرد ان گنت چکراتے چہرے میرا رستہ روک رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا وہ میرے ساتھ دلچسپ کھیل کھیل رہے ہوں کیونکہ رفتہ رفتہ ان کی محظوظ ہوتی ہنسی قہقہوں میں بدلتی جا رہی تھی۔ میں ان کے ہاتھوں کھلونا بنا ہوا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر مجھے ان کے زور سے آ کر لگنے سے کوئی درد ہوتا نہ چوٹ لگتی محسوس ہوتی مگر ایک دہشت کا احساس تھا جس نے میرے اعصاب شل کر دیئے میری آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور میں لہرا کر گر زمین پر گر گیا۔

نعیم کافی دیر بعد واپس آیا تھا۔ ذیشان اوپر ہی باقی کزنز کے ساتھ کھیل رہا تھا مگر تہہ خانے میں واپس آنے کے بعد اس کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں اس ویرانے میں عالیان کو بے ہوش دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں......

عالیان کے اردگرد کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تمام مناظر جو اس نے نعیم کی غیر موجودگی میں دیکھے...... تہہ خانے کی دیواروں میں اوجھل ہو چکے تھے۔ تھا تو بس اس کا بے حس و حرکت وجود...... جو گہرے صدمے کا شکار ہوا تھا۔ نعیم نے اردگرد کھوجتی نظروں سے معائنہ کیا مگر ایسا کچھ بھی دکھائی نہ دیا جو اسے عالیان کی حالت کا ذمے دار نظر آتا...... اس کے ہاتھ پاؤں پسینے سے ٹھنڈے ہوئے جا رہے تھے۔

تہہ خانے سے آنے والی بدبو ہوا میں تحلیل ہو چکی تھی۔

نعیم نے خود کو ڈھارس دیتے ہوئے عالیان کو بمشکل اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا۔ اس کا وجود بے ہوشی کی وجہ سے بھاری ہو چکا تھا۔ وزن بڑھنے سے نعیم کی کلائی پر رات لگائے گئے زخم سے خون رسنے لگا تھا۔ درد کا احساس بھی جاگا تھا۔ جس سے اسے چڑھائی میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے بازو سے متواتر نکلتا خون عالیان کے کپڑوں پر داغ چھوڑتا جا رہا تھا۔

تہہ خانے کی سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد اس نے عالیان کو کمرے میں موجود گرد آلود پلنگ پر لٹا کر اپنی پھولتی سانس کو بحال کیا تھا۔ ساتھ ہی دروازے کے قریب آ کر ایک سرسری نظر باہر دوڑائی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کمرے میں موجود تہہ خانے سے متعلق علم ہو...... کمرے کے باہر کوئی نہیں تھا۔ وہ دروازے کو آہستگی سے بند کر کے اپنے کمرے کی جانب گیا تھا۔ کمرے میں موجود الماری سے شرٹ نکال کر پہلے تو اس نے اپنی خون آلود شرٹ چینج کی۔ پھر پلنگ کے سائیڈ پر رکھی چھوٹی ٹیبل سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیلا اور دبے قدموں عالیان کے پاس واپس آیا۔ گلاس میں موجود پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر مارے۔ دو تین بار یہی عمل دہرانے سے عالیان نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔

عالیان نے چندھیائی ہوئی آنکھوں کے سامنے نعیم کا دھندلا سا عکس دکھائی دینے پر بھویں سکیڑ کر اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہا تھا۔ اور تب سب کچھ سرعت سے یاد آنے پر اس نے آنکھیں مکمل وا کی تھیں۔

''نعیم...... وہاں تہہ خانے میں ڈھانچے...... بے شمار ہڈیاں...... اور...... اور......!''

اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم کسی گہرے صدمے کا شکار ہوئے ہو لیکن وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا...... میں ابھی تمھیں وہاں سے اٹھا کر واپس لایا ہوں...... وہاں نہ ہڈیاں تھیں نہ کوئی ڈھانچے...... اور نہ بدبو باقی تھی......!'' نعیم نے اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھتے ہوئے اس کی منتشر سانسوں کو سمیٹنا چاہا۔

''میں جھوٹ نہیں بول رہا...... تم ابھی جا کر دیکھ لو......!'' جبکہ وہ بضد تھا۔

''میں ابھی تمھیں وہاں سے لے کر آیا ہوں...... تم وہاں بے ہوش پڑے تھے...... میں نے سب چیک کیا ہے وہاں کوئی نہیں تھا...... اگر تمھیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو جاؤ ایک بار دیکھ آؤ......!'' نعیم اسے دھیرے سے کہتا ریلیکس کرنا چاہ رہا تھا۔

عالیان نے اسے عجیب انداز میں دیکھا تھا۔

تو کیا وہ سب...... جو اس نے دیکھا...... محسوس کیا وہ اس کا وہم تھا...... پچھلے کئی دنوں سے سرزد ہونے والے تمام واقعات اس کی ذہنی حالت کو مفلوج کر چکے تھے...... اگر ایسا تھا تو وہ بے یقین تھا۔ خوف زدہ تھا۔ یونہی ہوتا رہا تو وہ بے ہوشی کے ساتھ پاگل بھی ہو سکتا تھا۔

''میں جاؤں گا...... تنگ آ گیا ہوں...... ذہن میں کوئی بات واضح نہیں ہے۔ سب الجھا ہوا ہے۔ اور......اوررررر...... اور یہ خون کس کا ہے...... یہ کہاں سے آیا......!'' بات کرتے کرتے اچانک عالیان کی نظر اپنے کپڑوں پر لگے خون کے دھبوں پر پڑی تو اپنی جگہ سے تقریباً اچھلا۔

نعیم نے دانتوں تلے لب کاٹے۔

یہ خون اس سے نظر انداز ہو چکا تھا۔ اب اسے کیا بتاتا۔

''اس کا مطلب جو میں نے دیکھا...... محسوس کیا...... وہ میرا وہم نہیں تھا...... کچھ تو ہے اس تہہ خانے میں...... !'' عالیان کی گھبراہٹ عروج پر پہنچ چکی تھی۔

جبکہ نعیم کے لب اصلیت بتانے سے گریزاں تھے۔

''ابھی چلو نعیم...... ہم تہہ خانے کا مکمل جائزہ لیتے ہیں...... ہاجرہ محل میں دن رات معمہ بنے ہوئے ہیں...... جو ہو رہا ہے۔ غلط ہو رہا ہے۔ ہمیں اصل محرکات کا پتہ لگانا ہوگا......!'' عالیان اپنی حالت کی پروا کیے بغیر پھر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ابھی نہیں عالیان...... پھر کسی وقت...... کل محل میں قرآن خوانی ہے۔ اس کے لیے محل کو صاف کرنا ہے...... اور میرے خیال میں ہم دونوں کو تہہ خانے والی بات خود تک ہی رکھنی چاہئے۔ فی الحال کسی کو بتانے سے محض سب کے خوف میں ہی اضافہ ہوگا......!''

نعیم اسے روک گیا تھا۔

۞............۞............۞

آج محل میں قرآن خوانی کا انتظام کیا گیا تھا۔ محل میں ہر طرف اگر بتیوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کافی دنوں بعد آج میرے اعصاب بھی کچھ پُر سکون تھے۔ محل کے بیرونی احاطے میں غریبوں میں بانٹنے کے لیے چاولوں کی دیگیں تیار کروائی جا رہی تھیں۔ اس دن نعیم کے منع کرنے پہ تہہ خانے والی بات ہم نے سب سے چھپا لی تھی۔ ہم نے نیا تالہ منگوا کر اس کمرے کو ایک بار پھر بند کر دیا تھا۔ تالے کی چابی میں نے اپنے پاس محفوظ کر لی تھی۔

گھر کے سارے افراد ملازمین وغیرہ ہال میں موجود تھے۔

سارے انتظامات کا جائزہ لینے کے بعد میں محل کے اندرونی احاطے کی طرف جا رہا تھا جب جیب میں رکھا میرا موبائل بجنے لگا۔ میں نے جیب سے موبائل نکال کر دیکھا تو سکرین پہ ''شزا کالنگ'' لکھا آ رہا تھا۔

''شزا'' ...... یہ ایک ایسا نام تھا کہ جب جب میرے موبائل کی اسکرین پہ ابھرتا میرا دل ایک نئی لے پہ دھڑکنے لگتا۔ میں نے ایک سیکنڈ بھی ضائع کیے بنا اس کی کال اٹینڈ کی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ میں اس کے ساتھ کال پہ مصروف رہا۔

اور جب میں نے اسے بائے کہا تو اتنے دنوں سے میری طبیعت پہ چھائی ساری بے چینی، بے زاری اور کلفت دور ہو چکی تھی۔

شزا نے خبر ہی ایسی سنائی تھی جسے سن کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

لیکن اگلے ہی پل جب میں نے ہاجرہ محل میں ہونے والے غیر معمولی واقعات کے بارے میں سوچا تو میری خوشی پریشانی میں بدل گئی۔

شزا میری منگیتر تھی اور ہماری رشتہ دار بھی۔

وہ ایک امیر باپ کی بیٹی تھی اور اپنی بائیس سالہ زندگی یورپ میں گزارنے کی وجہ سے کافی بولڈ بھی تھی۔

عام لڑکیوں جیسی اس میں کوئی بات نہ تھی، نہ ہی وہ عام لڑکیوں کی طرح شرماتی لجاتی تھی اور نہ ہی وہ لڑکوں سے بات کرتے ہوئے ہچکچاتی تھی۔

اب بھی وہ کل پاکستان آرہی تھی اور اسے یہیں ہمارے ساتھ ہاجرہ محل میں ہی رہنا تھا۔

میں جو اتنے دنوں سے اس سے بات نہ کر سکا تھا آج بات کر کے بہت خوش بھی تھا اور پریشان بھی۔

خوش اس لیے کہ تقریباً دو مہینے بعد میری اس سے ملاقات ہونے والی اور پریشان اس لیے کہ ہاجرہ محل میں جو واقعات ہو آج کل ہو رہے تھے جانے وہ ان کا کیا اثر لے۔

لیکن پھر اگلے ہی پل میں نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کیا کہ شزا بہت بہادر لڑکی ہے اور اس نے منگنی کے تین سالوں اب تک ہر پل ہر لمحے میرا ساتھ دیا تھا تو اب بھی وہ میری اور میرے گھر والوں کی پریشانی سمجھے گی۔

اس سوچ نے اندر ہی اندر مجھے ایک نیا حوصلہ بھی بخشا، کہ اب میں اکیلا نہ تھا بلکہ شزا کا جذباتی سہارا بھی میرے ساتھ ہوگا۔

✡............✡............✡

قرآن خوانی کے بعد محل کے ہر کونے میں دم والا پانی چھڑکا گیا، آس پاس کے غریبوں میں چاول بانٹے گئے۔

ان سارے کاموں سے فراغت کے بعد جب ہم سب ہال میں بیٹھے تھے تو میں نے سب کو شزا کی آمد کے بارے میں بتایا۔ سہیل چاچو نے ان حالات میں اس کی ہاجرہ محل میں آمد پہ کافی تشویش کا اظہار کیا لیکن میں نے وہاں موجود سب لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ شزا نے بیاہ کر اسی گھر میں آنا ہے سو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ یہاں کے ماحول کو اچھی طرح سمجھ لے۔ یہ تو طے ہے کہ اب ہم سب نے حویلی میں ہی رہنا ہے سو یہاں جو ہو رہا ہے اس کے لیے ہم سب کے ساتھ ساتھ شزا کو بھی واقف ہونا چاہیے۔

✡............✡............✡

اگلے دن صبح میں شزا کو ائیر پورٹ لینے چلا گیا۔

وہ مجھے پہلے سے بھی حسین نظر آرہی تھی۔ اس کی نیلی شفاف آنکھوں میں مجھے دیکھ کر جو چمک آتی وہ مجھے نہال ہی کر دیتی تھی۔ تمام گھر والوں نے اسے پورے دل سے خوش آمدید کہا۔

اس کے لیے بالائی منزل کا ایک کمرہ سیٹ کر دیا گیا۔

اس سے اگلا دن بھی شزا کے ساتھ ہی گزر گیا۔ اس کو محل دکھاتے اور گھماتے پھراتے۔

قرآن خوانی کے بعد سے ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا تھا جو ہم سب کو خوف زدہ کرتا۔

لیکن یہ سکون وخاموشی کسی آنی والے طوفان کا پیش خیمہ لگتی تھی۔ قرآن خوانی کے چوتھے دن محل میں جو ہوا اس نے ہم سب کے ہوش اڑا دیے۔

✡............✡............✡

قرآن خوانی کے بعد گزرے چار دن بہت پُر سکون تھے۔ اس لئے کسی نے بھی شزا کو ہاجرہ محل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن آج جب صبح ڈھل کر دوپہر چڑھ آئی اور شزا اپنے کمرے سے باہر نہ آئی تو سب کو تشویش شروع ہوگئی۔ پہلے تو چچی نے ملازم اس کے کمرے میں ناشتے کا پوچھنے بھجوایا لیکن مسلسل دستک کے بعد بھی جب کوئی جواب نہ ملا تو مجھے بتایا۔

میں فوراً شزا کے کمرے کی طرف گیا۔ شزا کا کمرہ بالائی منزل پر تھا جہاں وہ تہہ خانے والا کمرہ اور میرے اور نعیم کے کمرے بھی تھے۔ چچی جان اور دادو نیچے ہی رہنا پسند کرتی تھیں۔ انہوں نے شزا کو بھی نیچے کمرہ لینے کی آفر دی تھی لیکن اوپر کے کمروں کی کھڑکیوں سے وادی کا اتنا خوبصورت منظر دکھائی دیتا تھا کہ اس نے اوپر ہی رہنے پر اصرار کیا۔

جیسے ہی میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا مجھے سامنے سے وہی پہلے دن والی لڑکی دکھائی دی۔ وہ آج بھی سفید کفن جیسے لباس میں ملبوس تھی۔ اس کا چہرہ کسی لاش کی طرح سپید اور آنکھیں زندگی کی رمق سے خالی تھیں۔ وہ بناء مجھے دیکھے میرے پاس سے گزر کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے گزرتے سمے مجھے کافور اور کچی مٹی کی تیز خوشبو آئی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے شزا کی ایسی فکر ہوئی کہ میں اسے نظر انداز کرتا دیوانہ وار شزا کے کمرے کی طرف بھاگا۔ پہلے دن یہ جب نظر آئی تھی تو حنین کے ساتھ وہ واقعات ہوئے تھے اور آج شزا...... میرا دل تھم گیا۔

خوف اور دہشت کے مارے میں دروازے پر دستک دینا بھول گیا اور جا کر دھڑام سے دروازہ کھولا۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ میں اپنی جھونک میں ہی اندر داخل ہوگیا۔ شزا بالکل سلامت لیکن پریشان سی بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔

''تم ٹھیک ہونا؟ آئی کیوں نہیں نیچے؟'' میں نے بے اختیار پوچھا اور سب اطراف کا جائزہ لیا۔

''میں کب سے نیچے آنا چاہ رہی ہوں لیکن مجھے راستہ نہیں مل رہا۔ میں کمرے سے کوریڈور اور پھر کمرے میں ہی آجاتی ہوں۔''

مجھے دیکھ کر شزا کے چہرے پر اطمینان نمودار ہوا اور اس نے سنجیدگی سے مجھے آگاہ کیا۔

''کیا مطلب؟ تمہیں سیڑھیاں نہیں ملیں؟ تم ملازم کے ساتھ آجاتی، وہ کتنی دیر دروازہ بجاتا رہا۔''

میں نے الجھ کر کہا۔

''میں چار دن سے یہاں ہوں اور جانتی ہوں کہ سیڑھیاں کہاں ہیں لیکن آج جب بھی میں کمرے سے نکل کر نیچے جانے لگتی ہوں تو سامنے دیوار کے دروازے سے پھر کمرے میں آجاتی ہوں اور میں نے کسی دستک کی آواز نہیں سنی۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ کیا ہے سب؟ کوئی مشرقی بھول بھلیاں؟ اپریل فول؟''

وہ مجھے کڑی نظروں سے گھور رہی تھی اور میں اسے جواب دینے کے لئے الفاظ نہیں جمع کر پا رہا تھا۔

''شزاُ جو بات میں کہنے لگا ہوں اس پر تم شاید یقین نہ کرو۔''
میں سمجھ چکا تھا کہ وہ اب میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائے گی سو گلا کھنکھار کر بولا
''وہ تو میں سننے کے بعد طے کروں گی کہ بات یقین کرنے والی ہے کہ نہیں ......''
شزاُ نے کندھے اچکائے۔
''شزاُ حاجرہ محل پر بھوت پریت کا سایہ ہے۔''
میں نے اپنی دانست میں دھماکہ کیا
وہ کچھ دیر سپاٹ نظروں سے مجھے دیکھتی رہی پھر ایکدم زور سے ہنسنے لگی اتنا ہنسی کہ آنکھوں میں پانی آ ٹھہرا۔
''کم آن عالیان میں تمہیں اسٹوپڈ ایسے ہی نہیں سمجھتی ......''
وہ آنکھوں کے گوشے صاف کرتے ہوئے بولی
''میں جانتا تھا تم ایسے ہی کہو گی۔'' میں برا مان کر بولا۔
''یار مجھے تم سے کم از کم یہ امید نہ تھی کہ تم بھی مشرقی رجحانات کے حامل ہو گے میری اسپینش ممی کہتی تھی کہ یہ بھوت پریت کا ڈر تم لوگوں کی گھٹی میں پڑا ہوتا ہے اور تم مشرقی لوگ عقل کا زیادہ استعمال نہیں کرتے اور نہ پریکٹیکل لائف گزار سکتے ہو، بس خیالوں کی دنیا میں بھٹکتے رہتے ہو۔''
شزاُ نے منہ بناتے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔
یہ بات میرے لئے تازیانہ تھی میں انگریز معاشرے کا پروردہ ایک مکمل مشرقی مرد تھا۔
''شزاُ تم میری بات پر یقین کرو یا نہیں لیکن آئندہ میری سوسائٹی اور مشرقی پن کے لئے زبان سنبھال کر بات کرنا۔''
میں نے غصے سے شہادت کی انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی......شزاء نے لب بھینچ لئے۔
''سوری......''
اس نے فوراً کہا لیکن میں اَن سنی کرتا کمرے سے نکل آیا۔
میرا دماغ ویسے ہی گھوما ہوا تھا اور اوپر سے یہ شزاُ! میں سر جھٹکتا نیچے کے وسیع برآمدے میں پہنچا تو ذیشان بیٹ اٹھائے یوں کھڑا تھا جیسے کسی نے سامنے سے بالنگ کروانی ہو۔ لیکن اس کے آس پاس کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔
''ارے یار! آؤ نا رک کیوں گئے......؟''
وہ کسی نادیدہ ہستی سے مخاطب تھا۔ میں نے بغور دیکھا وہاں کچھ دکھائی نہ دیا۔
''ارے عالیان بھائی۔''
مجھے سامنے دیکھ کر اس کی ہوائیاں اُڑنے لگیں۔
''کیوں کیا ہوا؟'' میں پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھا۔
''کس کے ساتھ کھیل رہے تھے یہاں......؟'' میرے سوال پر وہ گھبرا سا گیا۔
''کسی کے ساتھ نہیں۔'' وہ صاف مکرنے لگا۔

''ذیشان جھوٹ مت بولو بتاؤ مجھے......؟''

میں ویسے ہی تپا ہوا تھا جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا تو وہ ڈر سا گیا۔

''شاہد آفریدی کے ساتھ۔'' اس کے الفاظ پر میں متحیر رہ گیا۔

''کیا۔؟''

''ہاں عالیان بھائی وہی جو ہماری پاکستانی ٹیم کے کپتان ہیں۔''

وہ قریب آ کر رازدانہ لہجے میں بولا

میں نے گہرا سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا۔

''وہ مجھے کہتے ہیں کسی کو بتانا نہیں ورنہ میں خفا ہو جاؤں گا۔''

''کب سے ہے وہ تمہارے ساتھ؟''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

''چار دن ہو گئے بھائی اب آپ کو بتا دیا اب وہ خفا ہو جائیں گے۔''

ذیشان بسورا۔

''آپ کیوں آ گئے؟'' پھر وہ بیٹ کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا۔

اور میں شدید پریشانی کے عالم میں وہیں کھڑا رہ گیا۔

اگلے دن صبح خانساماں ہم سب کے لیے حلوہ پوری کا سپیشل دیسی ناشتہ تیار کر رہا تھا تو میں نے شزا کو بلانے کے لیے ایک ملازمہ کو بھیجا تا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ اس پُر لطف ناشتے سے لطف اندوز ہو سکے۔ عام دنوں میں وہ ناشتہ اپنے کمرے میں کیا کرتی تھی جس میں ایک فریش جوس کا گلاس ہوا کرتا تھا۔ ملازمہ کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی لیکن وہ ابھی واپس نہ لوٹی تھی۔ تھوڑی دیر تو میں نے اس کا انتظار کیا لیکن پھر خود ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

تیز تیز چلتے ہوئے میں شزا کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جب اپنے پیچھے مجھے قدموں کی آہٹ سنائی تھی میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

میں نے اسے اپنا وہم جانا اور شزا کے کمرے کی طرف چل پڑا، شزا کے کمرے کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ میں نے دو تین بار دستک کے ساتھ آواز بھی دی لیکن جواب ندارد۔

کسی انہونی کے خیال سے میں یکدم پریشان ہو گیا اور دروازے کو ایک زوردار دھکا دیا دروازہ خود بخود کھل گیا اندر کا منظر دیکھ کر میرے ہوش ہی اُڑ گئے۔

شزا کا نائٹ گاؤن فرش پہ پڑا تھا اور اس پہ جا بجا خون کے قطرے تھے۔ خون کی ایک لکیر واش روم کی طرف بھی جا رہی تھی جو اس کمرے سے متصل تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا

واش روم میں جھانکا لیکن وہ بھی خالی تھا...... میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

دل میں طرح طرح کے اندیشوں نے سر اٹھایا۔

دفعتاً مجھے خیال آیا کہ شزا محل کے پچھواڑے میں نہ چلی گئی ہو۔ دراصل اس کمرے کی ایک کھڑکی پچھواڑے میں بھی کھلتی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ وہاں سے کود گئی ہو۔

خوف دہشت اور پریشانی کے عالم میں مجھے یہ عجیب وغریب خیالات آرہے تھے جن کا وقوع پذیر ہونا ناممکن سی بات تھی۔ بھلا وہ کیوں کودے گی......؟

میں اپنے آپ سنبھالتے ہوئے فوراً اٹھا اور پچھواڑے میں جانے کا فیصلہ کیا۔

تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے میں کسی کو بھی بتائے بنا پچھواڑے میں جا پہنچا۔

شزا کو آوازیں دیتے دیتے میں کافی دور نکل آیا جب میں نے سفید لباس میں ایک لڑکی کو جاتے دیکھا۔

اس کی میری طرف پیٹھ تھی اور وہ مجھ سے کافی فاصلے پر تھی اس لیے میں اسے پہچان نہ پایا......

قریب جا کر دیکھا تو وہ شزا تھی اور بالکل صحیح سلامت تھی۔

''اُف!!! شزا تم نے تو میری جان ہی نکال دی۔''

میں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف موڑا۔

وہ شزا نہ تھی بلکہ شزا کی ہم شکل تھی جس کا آدھا چہرہ جلا ہوا تھا۔

اس کا ایک رخ نظر آنے کی وجہ سے مجھے جلا ہوا حصہ دکھائی نہیں دیا اس لیے میں اسے شزا سمجھ بیٹھا تھا......

میں چیخنا چاہتا تھا لیکن میری آواز نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ میں تیزی سے محل کی طرف بھاگا۔

اندر پہنچا تو اپنے سامنے سب کے ساتھ بیٹھی شزا کو ناشتا کرتے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔

❀............❀............❀

''عالیان! تم صبح صبح کہاں چلے گئے تھے؟ مجھے ملازمہ نے تمہارا پیغام دیا میں شاور لے کر نیچے آئی تو تم کہیں غائب ہوگئے۔'' مجھے دیکھتے ہی شزا بولی۔

کیا یہ میرے سامنے ڈرامہ کر رہی ہے۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں خیال آیا لیکن اگلے ہی لمحے میں نے خود کو سرزنش کی......اب یہ نوبت آگئی کہ میں شزا پہ بھی شک کرنے لگوں۔

سب کے سامنے خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے میں نے بڑی بے دلی سے ناشتہ کیا۔

شزا ناشتہ کر کے اوپر جا چکی تھی......میں بھی ناشتہ کر کے اوپر جا پہنچا۔

بلیک ٹائٹ اور ریڈ شرٹ میں وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔

اس کے کمرے میں ہر چیز ترتیب وسلیقے سے رکھی تھی......نائٹ گاؤن یا خون کے دھبوں کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے باتوں باتوں میں اس سے صبح کے واقعات جاننے کی کوشش کی لیکن وہ مکمل طور پر لاعلم تھی۔

لیکن اچانک اس کی ایک بات نے مجھے چونکنے پہ مجبور کر دیا۔

''یو نو عالیان صبح کنگھا کرتے ہوئے مجھے مرر میں ایک بالکل میرے جیسی لڑکی نظر آئی جس کے فیس کی ایک سائیڈ جلی ہوئی تھی۔ لیکن میرے پیچھے مڑ کر دیکھنے پہ وہ غائب ہوگئی۔ مجھے لگتا ہے یہاں آ کر میں توہمات کا شکار ہونے لگی

ہوں۔"

(اپنی زندگی کا زیادہ تر عرصہ یورپ میں گزارنے کے باوجود شزا کی اردو قابلِ رشک تھی)

"اور اگر میں کہوں کہ وہ تمہارا وہم نہیں سچ تھا تو....... ؟ کیونکہ میں بھی اس لڑکی کو دیکھ چکا ہوں۔"

میرے جواب سے شزا کے چہرے کا رنگ یکدم بدلا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہونا......!" اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"میں نے تمھاری بھوت پریت والی بات کو سیریسلی نہیں لیا......اس مذاق کا بدلہ لے رہے ہو مجھ سے......؟" اگلے ہی لمحے وہ خاصی سنجیدگی و خفگی سے گویا ہوئی۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہ یہ مذاق ہے نہ وہم و بدلہ......!"

"پھر......؟" اس کے چہرے کے خدوخال ورنگ حیرانگیوں کو سمیٹ کر فق ہوئے تھے۔

"یہ سچ ہے......!" میرے الفاظ واضح تھے۔

"میرا دماغ چکرانے لگا ہے۔!" وہ اپنا سر تھام کر صوفہ پر تقریباً گری تھی۔

"تم ڈر گئی ہو......؟" جانتے ہوئے بھی میں نے پوچھا۔

"ہاں...... یہ ڈرنے والی بات ہی ہے عالیان......؟" کہتے ہوئے وہ استفہامیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔

"ہاں مگر ہم اب اس سے نظریں نہیں چرا سکتے...... نہ یوں بزدلوں کی طرح اس جگہ کو چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ ہمیں اور تمھیں بھی ہمت و بہادری سے سب فیس کرنا ہوگا۔" میں اس کی ڈھارس بندھانا چاہتا تھا۔

"ایسے حالات میں، میں یہاں نہیں رہ سکتی عالیان......سوری۔!" لیکن وہ لمحوں میں حتمی فیصلہ کر چکی تھی۔

"تم جانا چاہتی ہو شزا تو بے شک جاؤ...... میں یا کوئی اور تمھیں نہیں روکے گا......لیکن اگر تم اس کڑے وقت میں میرا ساتھ دیتی تو میں ایک قدم پیچھے نہ ہٹتا...... تمھارا آنا میری ہمت کو پستی سے نکال کر بلندی پر لے گیا تھا۔" میں حقیقتاً نہیں چاہتا تھا کہ اب وہ جائے۔

میری خواہش......خودغرضی بھی تھی مگر یہی محبت کا تقاضہ تھا کہ دل کو من چاہے کا ساتھ درکار تھا۔

"میں تمھارے ساتھ ہوں عالیان مگر......" وہ جواباً کچھ کہتے کہتے رکی۔

میں سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں واپس نہیں جاتی......!" شاید اسے میری شکل دیکھ کے رحم آ گیا تھا۔ جبھی میرا ہاتھ تھام کر حوصلہ دیا۔

"تھینکس شزا......!"

میں نے تشکر سے مسکرا کر کہا۔

"بس ایک بات کا خیال رکھنا...... کہیں بھی اکیلی محل سے باہر مت جانا...... محل کے عقبی حصے میں بھی نہیں......سرونٹس کوارٹر کی طرف بھی مت جانا...... اور اگر جانا بھی ہوا کہیں تو مجھے کہنا میں تمھارے ساتھ جاؤں

گا......!‘‘ پھر اسے کچھ ہدایات دیں۔

ڈر، خوف و تجسس ہاجرہ محل کے درو دیوار میں رقص کرنے لگا تھا۔

ہر ایک مکین کے دل میں شک و شبہات سر اٹھانے لگے تھے۔ زیادہ تر وقت کسی انہونی کے ہونے کے خوف سے وہ سب ایک ساتھ گزارتے۔ شہر میں پھوپھو کے گھر باقی سب سے بھی رابطے میں تھے۔ اور ان کے لیے تشویش ناک بات تھی کہ وہاں بھی حنین دن کو سب کے گھیرے میں پُرسکون رہتی مگر شام ڈھلتے ہی رات کی تاریکی اس کے کمزور وجود پر خوف و وحشت طاری کر دیتی تھی۔ اس کی حالت سنبھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ میں اور حنین دو ہی بہن بھائی تھے۔ یہاں محل میں متواتر رُونما ہونے والے واقعات اور حنین کی بگڑتی ذہنی کیفیت مجھے مضطرب کرنے لگی تھی۔ لیکن میں اب اتنا سب کچھ ہونے کے بعد ایک قدم بھی پیچھے ہٹے بغیر ان پُر اسرار واقعات سے پردہ ہٹانا چاہتا تھا۔ جو شروع دن سے محل کو اپنے شکنجے میں لیے سب کے لئے المناک صورتِ حال کی وجہ بن رہے تھے۔ اور تہہ خانے کے بھید......غضبناک منظر کے ہولناک عکس کو میں ذہن کے پردے سے زائل کرنے میں بھی بری طرح ناکام ہوا تھا۔ البتہ دن بھر ملازم محل کے کام کاج معمول کے مطابق سرانجام دے رہے تھے۔ میں نے باری باری سب سے ان کی خیریت پوچھی اور کسی ایسے ہی ناقابل یقین واقعے کو گھما پھرا کر دریافت کیا تھا جو اس سے پہلے یا اب ان کے ساتھ ہوئے ہوں مگر کسی ملازم نے کسی واقعے کی تصدیق و اعتراف نہیں کیا تھا۔ جو میرے لیے حیران کن تھا۔

مگر میں ان پر کسی بھی قسم کے ایسے تاثرات نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جس سے انہیں اپنی جان ہاجرہ محل میں غیر محفوظ لگتی۔ ملازموں سے بات کرنے کے بعد میں محل کے اندرونی حصے کی جانب جا رہا تھا جبھی غیر ارادی طور پر میری نظر مالی بابا کے پورشن کی طرف اٹھی تھی۔ جہاں مالی بابا اپنے تئیں ارد گرد جانچتی نظریں دوڑانے کے بعد کسی کے نہ ہونے کا یقین کرتے ایک بڑا سا بوری نما بیگ اٹھا، سینت سینت کر قدم رکھتے ہاجرہ محل کے عقبی حصے کی طرف چلے گئے تھے۔

میرے لئے مالی کا انداز عجیب تھا۔ میں نے مشکوک انداز میں بھویں سکیڑتے ہوئے دبے قدم مالی کے تعاقب میں آ اٹھائے تھے۔

چند منٹوں بعد اس کا تعاقب تمام ہوا تھا۔

وہ ایک بڑے سے درخت کی اوٹ میں پہنچ کر رکا تھا۔ چند قدموں کے فاصلے پر میں مالی بابا کو بآسانی دیکھ سکتا تھا۔ جواب بوری نما بیگ کو کھولے اس میں سے زمین کھودنے کا سامنے نکالے زمین پر پہلا کمزور وار کر چکے تھے۔ غربت و بڑھتی عمر نے ان کے کھردرے ہاتھوں سے ملحق کلائیوں کو کمزور کر دیا تھا۔

میں ان کے ہر عمل کو بغور دیکھتا زمین کھودنے کے اصل مقصد کے پورے ہونے کا انتظار کر رہا تھا مگر مالی بابا کی سُست رفتاری اور آواز کی شدت کو کم کرنے کی غرض میرے صبر کا پیمانہ لبریز کر گئی تھی۔ چند منٹوں بعد میں وہ درشت و تفتیشی انداز میں مالی بابا کے سامنے تھا۔

’’کیا ہو رہا ہے یہاں......؟‘‘ میں نے اونچی آواز میں پوچھا تھا۔ اوّل تو مالی بابا مجھے سامنے دیکھ کر بری طرح گھبرائے تھے مگر شاید ان کے کمزور وجود کے اندر پچاس سالہ حوصلہ بہت مضبوط و نڈر تھا جبکہ بنا ہچکچاہٹ کے میری آنکھوں

میں آنکھیں ڈال کر بولے تھے۔

''آپ بڑے لوگوں کی مشکلات کم کر رہا ہوں۔'' لہجہ طنزیہ تھا۔

''کیا مطلب......؟''

''آج صبح ایک اور سرکٹی بلی ملی تھی۔ مجھے لگا آپ کو بتانا ضروری نہیں۔ آپ لوگ پہلے سے بہت پریشان ہو...... اس لیے اسے یہاں سب سے چھپ کر دفنانے آیا تھا؟'' مالی بابا نے وضاحت دی۔

مجھے ان کے لہجے سے کوفت ہوئی تھی۔

''اچھا......کہاں ہے بلی......؟'' اردگرد سرکٹی بلی کی غیر موجودگی مجھے طنزیہ پوچھنے پر مجبور کرگئی تھی۔

''یہاں ہے......!'' جبھی مالی بابا نے عجیب نظروں سے میرے الجھے تاثرات کو گھورتے ہوئے اسی بوری نما بیگ کے اندر سے ایک اور درمیانہ سا بیگ نکالا تھا جس کے اندر مردہ بلی موجود تھی۔ اس کی بدبو بڑی بوری سے باہر آتے ہی فضاء میں شامل ہوئی تھی۔

میرا دل متلایا تھا۔ میں نے ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے چند قدم پیچھے لیے تھے۔

مالی بابا کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''اچھا اچھا......آپ اپنا کام ختم کریں میں چلتا ہوں......!'' میں نے عجلت سے بات ختم کی تھی۔

مالی بابا دوبارہ سے اپنے کام میں لگ گئے تھے۔ جبکہ میں واپسی کے لیے قدم اٹھاتا آئے روز بلیوں کی موت کے پیچھے چھپے راز میں الجھا تھا۔

✡............✡............✡

میں طویل روش پر سر جھکائے چلا جا رہا تھا جو بیرونی گیٹ سے اندر برآمدے تک جاتی تھی میری پیشانی پر شکنوں کا جال بچھا تھا۔ اب آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہی ایک سوچ میرے دماغ میں ادھم مچا رہی تھی۔

یکایک داہنی طرف سے سریلی ہنسی کی آواز سنائی دی میں چونک اٹھا ذہن میں سعدیہ عرف چھنو کا خیال آیا گردن موڑ کر دیکھا تو وہ شزا تھی اور ساتھ حنین کھڑی تھی دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیئے پکی سہیلیوں کی طرح ہنسی مذاق میں مگن تھیں۔

میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کے نزدیک آیا

''حنین تم یہاں کیسے؟''

''بھائی میں صبح ہی آئی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''کیوں۔؟ جب کہ ہم تمہیں پھپھو کے پاس چھوڑ آئے تھے ان حالات کی وجہ سے پھر تم کیوں واپس آئیں؟'' میں درشتی سے بولا دل میں پھپھو پر بھی غصہ آیا جو سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اسے یہاں چھوڑ گئیں۔

''بھائی میرا دل نہیں لگا وہاں آپ کے بغیر۔'' وہ میرے گلے لگ گئی۔

''تم کس کے ساتھ آئی ہو۔؟'' مجھے اس کی بانہیں بڑی سخت سی محسوس ہوئیں۔

''میں اکیلی آئی ہوں۔'' وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

''آپ کے لئے۔'' پھر اس نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اپنا گلا گھٹتا محسوس ہوا۔

''اب مجھے خود سے جدا مت کرنا۔'' اس کی بانہوں کا شکنجہ سخت تر ہوا

میں نے بے چین ہو کر اپنا آپ اس سے الگ کرنا چاہا لیکن دھان پان سی حنین کے فولادی بازو خود سے الگ نہ کر پایا

''حنین چھوڑو مجھے......'' میں چلایا مگر آواز دبی ہوئی نکلی۔ شزا بھی پریشان نظر آئی۔

میں حنین سے خود کو چھڑانے کی جدوجہد میں مصروف تھا شزا بھی آگے بڑھ کر حنین کو مجھ سے الگ کروانے لگی مگر حنین لحہ بہ لحہ مجھ پر اپنی گرفت سخت کرتی جا رہی تھی اس کی گرفت میں مجھے اپنی پسلیاں ٹوٹتی محسوس ہونے لگیں۔

''چھوڑو حنین فار گاڈ سیک۔''

شزا گھبرا کر مالی اور گارڈ کو آوازیں دینے لگی۔

''لو چھوڑ دیا۔'' اچانک حنین ڈھیلی ہو کر مجھ سے دور ہٹ گئی۔

مجھ پر سے منوں بوجھ سرکا تھا میں گلا پکڑ کر کھانسنے لگا ان چند منٹوں نے مجھ جیسے اچھے خاصے مرد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی تھی حنین......؟'' شزا نے غصے سے حنین سے پوچھا جو مسکرائے جا رہی تھی۔

میں کھانستے ہوئے غور سے حنین کو دیکھنے لگا مجھے اس کی مسکراہٹ بہت زہریلی لگی۔

لمحوں میں مجھے احساس ہو گیا کہ یہ میری بہن حنین نہیں ہے۔

✡............✡............✡

میں نے حنین کو سرتاپا غور سے دیکھا، ناک نقشہ، قد و قامت، سب کچھ حنین جیسا تھا، مگر حنین تو دھان پان سی لڑکی تھی لیکن میرے سامنے جو حنین شزا کے ساتھ کھڑی تھی اس کی قوت کا اندازہ مجھے کچھ دیر پہلے ہو چکا تھا، میری پسلیوں میں ابھی تک درد ہو رہا تھا، شزا بھی حنین کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

حنین ہماری نگاہوں سے گھبرا کے بولی۔

''آپ لوگ مجھے یوں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' اور پیر پٹختی ہوئی بند دروازے کی طرف بڑھنے لگی میں نے اسے آواز دی مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے بند دروازہ کھولے بغیر گزر گئی۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔

حنین بند دروازے سے یوں گزر گئی جیسے کھلے ہوئے دروازے سے گزرا جاتا ہے۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا

شزا لکنت زدہ انداز میں بولی

''عا......عا......عالیان یہ کیا تھا حنین جن کی طرح دروازے سے کیسے گزر گئی۔؟''

میرے لیے یہ ناقابل فہم صورتِ حال تھی۔ میں نے جھٹ موبائل فون نکالا اور پھپھو کا نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو پھپھو! عالیان بات کر رہا ہوں۔''

''کیا حال ہے بیٹا؟''

''جی ٹھیک ہوں، وہ حنین کہاں ہے۔؟''

دوسری طرف سے پھپھو نے بتایا کہ حنین ٹھیک ہے اور سامنے بیڈ پر سو رہی ہے۔

موبائل فون میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا، میں خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

''تو کچھ دیر پہلے شزا کے ساتھ کون تھی؟''

میں کال ڈراپ کر کے باہر نکلا۔ تمام گھر والوں کو آواز دی، مگر کوئی باہر نہ نکلا آنگن میں محل کے اندر دائیں بائیں آگے پیچھے ہر جگہ دیکھ ڈالا، مجھے کوئی نظر نہ آیا نہ کوئی آواز سنائی دی۔ اچانک مجھے تہہ خانہ یاد آیا، میں بھاگم بھاگ وہاں پہنچا، لائٹ جلا کر دیکھا تو منظر حیرت زدہ کر دینے والا تھا۔ تمام گھر والے وہاں موجود تھے مگر ساکت حالت میں، جیسے بت بن گئے ہوں جو جس حالت میں تھا جس کام میں مصروف تھا اسی حالت میں پتھر ہو گئے تھے۔ دادی، ابو اور چاچو آپس میں باتیں کرتے ہوئے ساکت ہو گئے، امی آپا کھانا بناتے ہوئے منجمد ہو گئے تھے جبکہ کزنز بشمول نعیم لڈو کھیلتے ہوئے بت بن گئے، میں ان کے قریب جا کر آوازیں دیتا رہا مگر کسی میں کوئی تغیر نمودار نہ ہوا۔ شزا یہ منظر دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑی میں اسے سنبھالنے کے لیے آگے بڑھا اچانک میرا ہاتھ نعیم سے ٹچ ہو گیا، میرا ہاتھ لگتے ہی وہ اصل حالت میں آ گیا۔ میں اور نعیم باری باری سب کو چھو کر اصل حالت میں لے آئے۔ ایک سوال احساس کو کچوکے لگا رہا تھا کہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تمام لوگ مصروفیت کی حالت میں ساکت ہو کر تہہ خانے میں کیسے آئے جب کہ تہہ خانے کے داخلی دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ پریشانی کے عالم میں جب میں شزا کے ساتھ تہہ خانے پہنچا تھا تو اس کمرے کے داخلی دروازے پہ کوئی تالہ نہ تھا بلکہ وہ کھلا ہوا تھا۔

ہاجرہ محل میں اب تک ہونے والے تمام واقعات میں حنین اور یہ تہہ خانے والا واقعہ کچھ زیادہ ہی ناقابلِ یقین اور چونکا دینے والا تھا۔ میرے کہنے پر نعیم ان سب کو آہستہ آہستہ اوپر لے گیا۔ نعیم کے کہنے پر سب اوپر کی طرف ایسے جانے لگے جیسے نیند میں چل رہے ہوں۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ یہاں کیسے پہنچے لیکن ان کی سوئی جاگی کیفیت دیکھ کر میں کچھ پوچھ نہ پایا۔

ان سب کے اوپر چلے جانے کے بعد میں شزا کی طرف متوجہ ہوا جو ہوش میں آنے کے بعد خوف زدہ نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ میں اسے سہارا دے کر اوپر لے آیا۔ ملازم سے تالہ منگوا کر ایک بار پھر اس کمرے کے دروازے کو مقفل کرا دیا۔

''عالیان...... یہ سب کیا ہو رہا ہے محل میں۔؟''

اپنے کمرے میں آتے ہی شزا نے مجھ سے سوال کیا تو میں نے اسے محل میں پہلے دن سے لے کر اب تک ہونے والے تمام واقعات کے بارے میں بتا دیا۔

''ناقابل یقین......''

تمام واقعات سننے کے بعد شزا کے منہ سے بس یہی الفاظ نکل سکے۔

شزا بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ تہہ خانے میں اچانک وہ سب کو ساکت دیکھ کر خوف زدہ تو ہو گئی تھی لیکن اب وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔

''عالیان۔! میں نہیں جانتی کہ حویلی میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پیچھے کیا وجہ ہے۔ لیکن تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ

''آپ کے لئے۔'' پھر اس نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اپنا گلا گھٹتا محسوس ہوا۔
''اب مجھے خود سے جدا مت کرنا۔'' اس کی باہوں کا شکنجہ سخت تر ہوا
میں نے بے چین ہو کر اپنا آپ اس سے الگ کرنا چاہا لیکن دھان پان سی حنین کے فولادی بازو خود سے الگ نہ کر پایا
''حنین چھوڑ دو مجھے......'' میں چلایا مگر آواز دبی ہوئی نکلی۔ شزا بھی پریشان نظر آئی۔
میں حنین سے خود کو چھڑانے کی جدوجہد میں مصروف تھا شزا بھی آگے بڑھ کر حنین کو مجھ سے الگ کروانے لگی مگر حنین لحہ بہ لحہ مجھ پر اپنی گرفت سخت کرتی جا رہی تھی اس کی گرفت میں مجھے اپنی پسلیاں ٹوٹتی محسوس ہونے لگیں۔
''چھوڑو حنین فار گاڈ سیک۔''
شزا گھبرا کر مالی اور گارڈ کو آوازیں دینے لگی۔
''لو چھوڑ دیا۔'' اچانک حنین ڈھیلی ہو کر مجھ سے دور ہٹ گئی۔
مجھ پر سے منوں بوجھ سرکا تھا میں گلا پکڑ کر کھانسنے لگا ان چند منٹوں نے مجھ جیسے اچھے خاصے مرد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔
''یہ کیا بدتمیزی تھی حنین......؟'' شزا نے غصے سے حنین سے پوچھا جو مسکرائے جا رہی تھی۔
میں کھانستے ہوئے غور سے حنین کو دیکھنے لگا مجھے اس کی مسکراہٹ بہت زہریلی لگی۔
لمحوں میں مجھے احساس ہو گیا کہ یہ میری بہن حنین نہیں ہے۔

۞............۞............۞

میں نے حنین کو سر تا پا غور سے دیکھا، ناک نقشہ، قد و قامت، سب کچھ حنین جیسا تھا، مگر حنین تو دھان پان سی لڑکی تھی لیکن میرے سامنے جو حنین شزا کے ساتھ کھڑی تھی اس کی قوت کا اندازہ مجھے کچھ دیر پہلے ہو چکا تھا، میری پسلیوں میں ابھی تک درد ہو رہا تھا، شزا بھی حنین کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
حنین ہماری نگاہوں سے گھبرا کے بولی۔
''آپ لوگ مجھے یوں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' اور پیر پٹختی ہوئی بند دروازے کی طرف بڑھنے لگی میں نے اسے آواز دی مگر وہ اَن سنی کرتے ہوئے بند دروازہ کھولے بغیر گزر گئی۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔
حنین بند دروازے سے یوں گزر گئی جیسے کھلے ہوئے دروازے سے گزرا جاتا ہے۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا
شزا گلکنت زدہ انداز میں بولی
''عا......عا......عالیان یہ کیا تھا حنین جن کی طرح دروازے سے کیسے گزر گئی۔؟''
میرے لیے یہ ناقابل فہم صورت حال تھی۔ میں نے جھٹ موبائل فون نکالا اور پھپھو کا نمبر ڈائل کیا۔
''ہیلو پھپھو! عالیان بات کر رہا ہوں۔''
''کیا حال ہے بیٹا؟''
''جی ٹھیک ہوں، وہ حنین کہاں ہے۔؟''

دوسری طرف سے پھپھو نے بتایا کہ حنین ٹھیک ہے اور سامنے بیڈ پر سو رہی ہے۔
موبائل فون میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا، میں خودکلامی کے سے انداز میں بولا۔
''تو کچھ دیر پہلے شزا کے ساتھ کون تھی؟''
میں کال ڈراپ کر کے باہر نکلا۔ تمام گھر والوں کو آواز دی، مگر کوئی باہر نہ نکلا آنگن میں محل کے اندر دائیں بائیں آگے پیچھے ہر جگہ دیکھ ڈالا، مجھے کوئی نظر نہ آیا نہ کوئی آواز سنائی دی۔ اچانک مجھے تہہ خانہ یاد آیا، میں بھاگم بھاگ وہاں پہنچا، لائٹ جلا کر دیکھا تو منظر حیرت زدہ کر دینے والا تھا۔ تمام گھر والے وہاں موجود تھے مگر ساکت حالت میں، جیسے بت بن گئے ہوں جو جس حالت میں تھا جس کام میں مصروف تھا اسی حالت میں پتھر ہو گئے تھے۔ دادی، ابو اور چاچو آپس میں باتیں کرتے ہوئے ساکت ہو گئے، امی آپا کھانا بناتے ہوئے منجمد ہو گئے تھے جبکہ کزنز بشمول نعیم لڈو کھیلتے ہوئے بت بن گئے، میں ان کے قریب جا کر آوازیں دیتا رہا مگر کسی میں کوئی تغیر نمودار نہ ہوا۔ شزا یہ منظر دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑی میں اسے سنبھالنے کے لیے آگے بڑھا اچانک میرا ہاتھ نعیم سے ٹچ ہو گیا، میرا ہاتھ لگتے ہی وہ اصل حالت میں آ گیا۔ میں اور نعیم باری باری سب کو چھو کر اصل حالت میں لے آئے۔ ایک سوال احساس کو کچوکے لگا رہا تھا کہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تمام لوگ مصروفیت کی حالت میں ساکت ہو کر تہہ خانے میں کیسے آئے جب کہ تہہ خانے کے داخلی دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ پریشانی کے عالم میں جب میں شزا کے ساتھ تہہ خانے پہنچا تھا تو اس کمرے کے داخلی دروازے پہ کوئی تالہ نہ تھا بلکہ وہ کھلا ہوا تھا۔
ہاجرہ محل میں اب تک ہونے والے تمام واقعات میں حنین اور یہ تہہ خانے والا واقعہ کچھ زیادہ ہی ناقابلِ یقین اور چونکا دینے والا تھا۔ میرے کہنے پر نعیم ان سب کو آہستہ آہستہ اوپر لے گیا۔ نعیم کے کہنے پر سب اوپر کی طرف ایسے جانے لگے جیسے نیند میں چل رہے ہوں۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ یہاں کیسے پہنچے لیکن ان کی سوئی جاگی کیفیت دیکھ کر میں کچھ پوچھ نہ پایا۔
ان سب کے اوپر چلے جانے کے بعد میں شزا کی طرف متوجہ ہوا جو ہوش میں آنے کے بعد خوف زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ میں اسے سہارا دے کر اوپر لے آیا۔ ملازم سے تالہ منگوا کر ایک بار پھر اس کمرے کے دروازے کو مقفل کرا دیا۔
''عالیان...... یہ سب کیا ہو رہا ہے محل میں۔؟''
اپنے کمرے میں آتے ہی شزا نے مجھ سے سوال کیا تو میں نے اسے محل میں پہلے دن سے لے کر اب تک ہونے والے تمام واقعات کے بارے میں بتا دیا۔
''ناقابلِ یقین......''
تمام واقعات سننے کے بعد شزا کے منہ سے بس یہی الفاظ نکل سکے۔
شزا بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ تہہ خانے میں اچانک وہ سب کو ساکت دیکھ کر خوف زدہ تو ہو گئی تھی لیکن اب وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔
''عالیان۔! میں نہیں جانتی کہ حویلی میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پیچھے کیا وجہ ہے۔ لیکن تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ

پاؤ گے۔ ہم دونوں مل کر ان مشکلات سے نجات پانے کا کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ ہی لیں گے۔''

شزا کے الفاظ میرے لیے بہت حوصلہ افزاء تھے۔ مجھے اپنے اندر ایک نئی طاقت ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

شزا کو آرام کا مشورہ دے کر میں خود نیچے آ گیا تا کہ باقی گھر والوں کی خبر گیری کر سکوں۔

نیچے آیا تو نعیم نے بتایا کہ وہ سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے ہیں اور ان سب کے حواس بحال ہونے پر جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ تہہ خانے کیسے پہنچے تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم تو جانتے ہی نہیں کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔ ان سب میں صرف نعیم تھا جو یہ بات قبول کر رہا تھا کہ وہ تہہ خانے میں تھا لیکن وہ وہاں کیسے پہنچا، اس بات سے وہ خود بھی لاعلم تھا۔ نعیم کے حواس ان سب کی نسبت کچھ بہتر حالت میں تھے۔ ہم دونوں برآمدے میں بیٹھے آنے والے وقت اور اس صورت حال سے نبٹنے کا سوچ رہے تھے۔ جب اچانک باہر سے مالی بابا کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم دونون باہر کی طرف بھاگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مالی بابا چیختا چلاتا ہوا محل کے پچھواڑے کی طرف جا رہا تھا۔

ہم دونوں اس کے پیچھے بھاگے اور وہاں جو ہم نے دیکھا اس نے ہمارے جسم و جاں میں خوف و ہراس کی ایک لہر پھیلا دی۔ پچھواڑے میں مالی بابا کی بیٹی سعدیہ کی نیم برہنہ لاش ایک درخت سے لٹک رہی تھی اور اس میں سے خون کے قطرے ٹپک ٹپک کر نیچے گر رہے تھے۔

''مار دیا...... مار دیا.......... ظالموں نے آخر میری بیٹی کو بھی مار دیا۔ جانتا تھا میں میری چھنو کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ایک بار جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اس کی جان لے کر ہی دم لیتے ہیں۔''

''ہائے۔ میری معصوم بیٹی!'' مالی بابا اپنے سینے کو پیٹتے'' ہوئے پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔

وہ کس کی بات کر رہا تھا۔ کس نے مارا تھا اس کی بیٹی کو؟ ہم سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس کی حالت کے پیشِ نظر ہم کچھ پوچھ بھی نہ سکے۔

لیکن دل میں خوف کے ساتھ بے حد اداسی بھی پھیل گئی اس خوبصورت لڑکی کا اتنا بھیانک انجام دیکھ کر۔

مالی بابا کے ساتھ مل کر سعدیہ کی تدفین کا سارا انتظام ہم نے کیا۔ گھر کے سب افراد نے مالی بابا سے اس واقعے پہ تعزیت کا اظہار کیا۔ ان سب کو سعدیہ کی بھیانک موت کے بارے میں نہیں بتایا۔ صرف یہی بتایا کہ وہ مر گئی ہے۔

نعیم اور میں نے اس واقعے کو راز ہی رکھا...... ہم باقی سب کو خوفزدہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

لیکن بنیادی طور پر یہ ایک قتل کیس تھا جو کسی طور چھپایا نہ جا سکتا تھا۔ اس المناک موت سے وادی کے لوگوں میں بے چینی پھیل چکی تھی سو انہوں نے ہی پولیس تک یہ بات پہنچائی اور اگلے دن ہی پولیس کے دو انسپکٹر تفتیش کی غرض سے حاجرہ محل میں موجود تھے۔ بڑے سے ہال کمرے میں وہ گھر کے ایک ایک فرد سے پوچھ گچھ کرتے جا رہے تھے۔ مالی بابا اور اس کی غم سے نڈھال بیوی بھی ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

''عالیان۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے تم نے تو کہا سعدیہ کو سانس کا مسئلہ تھا جس میں وہ چل بسی۔؟''

تائی نے مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''آپ نے ان کے ساتھ غلط بیانی کیوں کی؟'' ایک انسپکٹر رعب سے بولا۔

''ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہماری فیملی ڈسٹرب ہو۔'' میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''اوہ! ہم کون۔؟ آپ اور......؟'' انسپکٹر کے کان کھڑے ہو گئے۔
''میں اور میرا کزن نعیم۔'' میں نے نعیم کی طرف اشارہ کیا۔
''اس کا مطلب آپ دونوں واقعے کے عینی شاہد ہو۔''
پولیس والا آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔
''جی نہیں ہم دونوں مالی بابا کی چیخیں سن کر وہاں پہنچے تھے۔'' میں بیزار ہو کر بولا۔
''مالی بھی وہاں تب پہنچا جب لڑکی قتل ہو چکی تھی تم بھی وہاں دیر سے گئے پھر واقعہ وقوع پذیر ہوتے کس نے دیکھا۔؟'' وہ اپنی آنکھیں گھماتے پوچھنے لگا۔
''میں نے۔''
اچانک ذیشان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور دلیری سے بولا تو سب لوگ حیرت سے ٹکر ٹکر اس کو دیکھنے لگے۔
ذیشان سب کا رخ اپنی جانب دیکھ کر بری طرح کانپا تھا۔ میری دھڑکنیں بھی بری طرح بے ترتیب ہوئی تھیں۔ آج تک جو ہوا اب ایک راز سے زیادہ گھمبیر تا لیے ہوئے تھا۔ سب کی سوچوں پر حاوی مگر نظروں سے اوجھل تھا۔ مگر اب ذیشان جس ہمت و بہادری سے تفتیشی آفیسر کے سامنے خود کو چشم دید گواہ کے طور پر لایا تھا وہ مجھے متعجب کرنے کے ساتھ بے چین کر گیا تھا۔
اتنی بڑی بات اس نے محل کے کسی فرد کو نہیں بتائی تھی۔ نہ ہی سعدیہ کی المناک موت اس کی معصوم آنکھوں کے لیے صدمہ ثابت ہوئی تھی۔
''آپ نے......؟'' تفتیشی آفیسر اس کی معصومیت و کم عمری پر حیرت زدہ ہوا تھا۔
''جی انکل میں نے......!'' اس نے وثوق سے سر ہلایا تھا۔
''بیٹا یہ کیا کہہ رہے ہو آپ......؟'' سہیل چاچو نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا تھا۔
''براہ مہربانی اب بیچ میں کوئی نہ آئے......!'' انسپکٹر کا لہجہ درشت ہوا تھا۔
میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ سعدیہ کی موت معمہ بنی رہے۔ قاتل کا بے نقاب ہونا ہاجرہ محل کی عزت و ناموس کی سلامتی کے لیے بے حد ضروری تھا۔
''بیٹا کیا دیکھا آپ نے......؟'' تفتیشی انسپکٹر ذیشان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
میں بھی چوکنا ہو گیا تھا۔
''میں اپنی گیند لینے بڑے درخت کے پیچھے گیا تھا۔ وہاں ایک انکل تھے اور ایک آنٹی...... دونوں نے بلیک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور سر پر بڑے ہیٹ تھے۔ انکل کے ہاتھ سے بہت زیادہ خون بہہ رہا تھا۔ آنٹی رو بھی رہی تھیں اور انکل کے بازو پر پٹی بھی باندھ رہی تھیں......!''
وہ انہیں بتا رہا تھا۔ میری دلچسپی بڑھنے لگی۔ باقی سب بھی انہماک سے اسے سن رہے تھے۔
ذیشان کچھ پل کو رک گیا تھا۔
''پھر کیا ہوا......اور لاش کہاں پڑی ہوئی تھی......؟'' تفتیشی افسر نے رکنے کے بجائے بات آگے بڑھائی تھی۔

''میں نے لاش نہیں دیکھی تھی......بس انکل اور آنٹی کو ہی دیکھا!'' وہ بولا تھا۔
''اچھا بات کیا کر رہے تھے وہ......!'' جہاں مجھ سمیت باقی سب لاش نہ دیکھنے کی بات پر حیران ہوئے تھے وہیں انسپکٹر نے تفتیش آگے بڑھائی تھی۔
''وہ کہہ رہے تھے کہ ایک کا کام ہو گیا اب دوسرے کی باری ہے......!'' اس نے آہستگی سے انکشاف کیا تھا۔ مگر انکشاف ادھورا تھا۔
''دوسرا کون......؟''
انسپکٹر اب حیران ہوا تھا۔ سب کی نظریں و سماعتیں ذیشان کی طرف رخ کر چکی تھیں۔
''عالیان بھائی......!''
تب اس نے مجھے دیکھ کر ڈرے سہمے لہجے میں کہا تھا۔ میرا تو منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا تھا۔ انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ باقی سب کی بھی حیرت دیدنی تھی۔
''اور کیا کہہ رہے تھے وہ دونوں......؟'' انسپکٹر کا تجسس بھی عروج پکڑ چکا تھا۔
''عالیان بھائی کا نام سن کر میں ڈر گیا تھا...... میں گیند اٹھائے بغیر وہاں سے ہٹ گیا تھا...... مجھے اب بھی بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے پہلے کسی کو نہیں بتایا کہ کہیں وہ مجھے بھی نہ مار دیں......!'' اس نے جھجکتے ہوئے اپنا ڈر واضح کیا تھا۔
مجھے اس لمحے اس پر بہت ترس آیا تھا۔ حنین کے بعد اس کا دماغ بھی پُر اسراریت کے زیر اثر آ چکا تھا۔
پولیس کی تفتیش کی گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا تھا انہیں کوئی خاص کلیو نہیں ملا تھا سوائے اس کے کہ ایک مرد اور عورت سیاہ کپڑوں میں ملبوس ہیٹ پہنے ہوئے تھے، اور مرد کے ہاتھوں پر خون لگا ہوا تھا، تفتیشی افسر آگے بڑھا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا
''مسٹر عالیان اپنا خیال رکھیے گا ذرا چوکنا ہو کر رہنا ہے اگر کوئی گڑبڑ نظر آئے تو پولیس کو اطلاع دینے میں کوتاہی مت کیجیے گا۔'' وہ سٹک ہاتھ پر مارتا خارجی گیٹ کی طرف بڑھ گیا، پولیس کے جانے کے بعد سب گھر والے چہروں پر الجھن لیے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے، میں اور نعیم کچھ دیر وہاں رکے رہے، پھر باتیں کرتے ہوئے محل کی بالائی منزل پر آ گئے، سعدیہ کا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے آ جاتا، گو میری اس سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی، تاہم وہ معصوم صورت اور جواں سال لڑکی تھی اس کی ناگہانی موت کا مجھے افسوس ہوا تھا۔
''عالیان۔!'' نعیم نے مجھے مخاطب کیا تو میرے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔
''بولو۔'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''کیا خیال ہے آج اس کمرے میں نہ قیام کیا جائے؟'' اس نے کھڑکی سے نیچے وادی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں نے کھڑکی سے گردن نکال کر دیکھا محل کے ارد گرد کا ایریا صاف نظر آتا تھا، وہ قبرستان بھی نظر آ رہا تھا جہاں سعدیہ کو دفنایا گیا تھا۔

✿..........✿..........✿

شام گہری ہو کر شب کی سیاہی میں ڈھل گئی، میں نے اور نعیم نے محل کی بالائی منزل کے اس کمرے میں بستر لگا

لیے جہاں سے اردگرد کا ماحول نظر آتا تھا۔ ہم کافی دیر گزشتہ واقعات پر باتیں کرتے رہے ساتھ ساتھ کھڑکی سے بھی جھانک کر دیکھ لیتے۔

رات کے دو بجے کا عمل تھا محل سمیت اردگرد کا ماحول گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا بجلی گئی ہوئی تھی، میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا دور قبرستان میں روشنی کا جھما کا سا ہوا جیسے کسی نے ماچس کی تیلی جلائی ہو، میں نے وقت ضائع کیے بغیر نعیم کو اٹھایا اور موجودہ صورتِ حال بتادی، چند منٹ بعد ہم قبرستان کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر جا رہے تھے، ہم تیز تیز چلتے ہوئے سعدیہ کی قبر پر پہنچ گئے ٹارچ جلا کر اردگرد دیکھا۔ شہرِ خاموشاں میں بس ہم دو متنفس تھے، میں اور نعیم، جوں ہی روشنی کا دائرہ سعدیہ کی قبر پر پڑا میں حیرت سے اچھل پڑا، قبر کھلی ہوئی تھی۔

کھلی قبر میں روشنی ڈال کر دیکھا تو میری حیرت فزوں تر ہوگئی سعدیہ کا کفن میں لپٹا جسدِ خاکی وہاں نہیں تھا، برابر کی قبر میں بھی کافی گہرا گڑھا پڑا ہوا تھا، لیکن وہ پہلے کا تھا بلکہ بارش کے پانی سے گڑھا پڑ گیا تھا، نعیم نے سراسیمہ ہوکر کہا۔

''سعدیہ کی لاش کہاں گئی۔؟''

میں نے ٹارچ کی روشنی راستے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آؤ ڈھونڈتے ہیں۔''

اگلے آدھے گھنٹے میں ہم نے پورا قبرستان چھان مارا نہ ہمیں سعدیہ کی لاش ملی نہ لاش لے جانے والے، چلتے چلتے ہم گورکن کی کوٹھڑی کے پاس آ گئے، کچھ دیر وہاں رکے رہے، ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا، گہرے سناٹے میں ایک دبی دبی آواز نے خاموشی اور سکوت کی چادر چاک کی، وہ نسوانیت سے بھرپور ایک سسکی تھی، میں بدحواس ہوکر اپنی جگہ سے اچھل پڑا، حواس بحال ہوئے تو آواز کے ماخذ پر غور کیا اچانک دبی دبی آواز میں کراہنے کی آواز سنائی دی، چند قدم چل کر میں نے دیکھا ایک کھلی ہوئی قبر میں کفن میں لپٹا ایک وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ وہ منظر دیکھ کر میرے ہاتھ سے ٹارچ دور جا گری اور شاید اس کے سیل نکل جانے کی وجہ سے روشنی آنا بند ہوگئی۔ سیاہ رات ویسے ہی خوف و دہشت کی علامت ہوتی ہے۔ قبرستان میں روشنی کا کوئی انتظام نا تھا جو ایک بلب تھا وہ دور کسی کھمبے پہ لگا تھا اور اس کی روشنی ہم تک نہیں آ رہی تھی...... چاند کی ایک یا دو تاریخ تھی اس لیے اس کی روشنی بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔

ایسے میں قبر میں موجود کفن میں لپٹے لرزتے وجود کو دیکھ کر میرا وجود بھی خوف کے مارے لرزنے لگا۔

میں نے نعیم سے کہا واپس محل چلتے ہیں۔ میری آواز کی کپکپاہٹ محسوس کرتے ہوئے نعیم نے ہمت بڑھانے کی غرض سے میرا ہاتھ دبایا تو اس کا ہاتھ بھی کپکپا رہا تھا۔ ہم مرد تھے لیکن آپ اندازہ لگائیں کہ رات کے اس پہر جب سارا عالم سو رہا تھا دو نوجوان لڑکوں کا ایسی صورتِ حال کا سامنا کر کے اپنے حواس بحال رکھنا ناممکن تھا۔ ہم واپس پلٹ رہے تھے جب قبر سے سسکیوں کی آواز تیز ہونے لگی اور ساتھ ہی ایک نسوانی آواز بھی آئی۔

''مجھے بچالو۔''

''مر کر بھی وہ مجھے چین نہیں لینے دے رہے۔''

''خدارا! میرے حال پہ رحم کرو۔ بچالو مجھے۔''

آہستہ آہستہ وہ آواز بڑھنے لگی۔

ہم بھاگنے لگے......محل تک اس آواز نے ہمارا پیچھا کیا۔
محل تک پہنچتے پہنچتے ہم خوف و دہشت کے مارے پسینے سے شرابور ہو چکے تھے۔
بالائی منزل تک جانے کی ہمت نہ تھی اس لیے ہم دونوں نیچے ہی ایک کمرے میں سو گئے۔

....

اگلی صبح نعیم کے بیدار ہونے سے پہلے میں جاگ گیا۔نہا کر اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں شزاٗ کی خبر لینے بالائی منزل کی طرف چل پڑا میرے اندازے کے مطابق اب تک اسے اٹھ جانا چاہیے تھا۔
لیکن اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اسے بیدار کرنا مناسب نہ جانا اور اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں رات کو نعیم اور میں نے سونے کا ارادہ کیا تھا۔اس کمرے سے میں آ کے میں کھڑکی سے باہر قبرستان کا جائزہ لینے میں مصروف تھا جب مجھے راہداری سے پائل کی آواز آئی ایسا محسوس ہوتا تھا کوئی پائل پہنے راہداری سے گزر رہا ہے۔
میں نے کمرے سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔
اسی لمحے جب میں دوبارہ اس کمرے کی طرف جا رہا تھا میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جس کی میری طرف پشت تھی اور وہ شزاٗ کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔
''کون ہو تم۔؟ کدھر جا رہی ہو۔؟''
میں اس کے پیچھے چلتے چلتے اسے آواز دے رہا تھا۔لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
شزاٗ کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے ایک بار مڑ کر دیکھا تو مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا ہو بہو وہی لڑکی تھی جسے اس صبح ہم نے حنین سمجھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور پھر شزاٗ کے کمرے کے بند دروازے سے گزر گئی۔
میں فوراً آگے بڑھا اور پاگلوں کی طرح دروازے کو پیٹنے لگا۔کہ مبادا وہ شزاٗ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔
دو منٹ بعد شزاٗ نے دروازہ کھولا تو نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔
''کیا ہوا عالیان۔؟ سب خیریت ہے ناں۔؟ ایکچولی رات میں کافی لیٹ سوئی تھی......''
اس کی بات پوری ہونے سے پہلے میں سامنے سے اس کو ہٹا کر اندر چلا گیا۔
''شزاٗ کیا ابھی تمہارے روم میں کوئی لڑکی آئی۔حنین کی ہم شکل؟''
''نہیں عالیان یہاں تو کوئی نہیں آیا۔ویسے بھی میں ابھی اٹھی ہوں۔''
میرے پوچھنے پر اس نے الجھن آمیز لہجے میں بتایا۔
تب ہی پورے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کمرے کی وہ کھڑکی کھلی تھی جو پچھواڑے میں کھلتی تھی۔
میں نے اس کھڑکی سے نیچے جھانکا تو وہ لڑکی جنگل کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ایک بار پیچھے مڑ کر مسکرائی اور پھر غائب ہو گئی۔
''یہ ونڈو شاید صحیح بند نہیں کی میں نے اس لیے تیز ہوا کی وجہ سے کھل گئی......''
پیچھے سے مجھے شزاٗ کی پریشان آواز سنائی دی تھی۔

''ہم......'' میں نے پُرسوچ نگاہوں سے شرزا کو دیکھا۔
پھر سیڑھیاں اترتا نیچے آیا تو ہال کمرے میں سارے بڑوں کو بیٹھا دیکھ کر وہیں چلا آیا۔
''بس بھئی میں نے فیض عالم صاحب کو فون کر دیا ہے ایک دو دن بعد وہ آ جائیں گے حاجرہ محل اور پھر ہماری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔'' چچی نے حاضرین کو مطلع کیا تھا۔
''کون فیض عالم صاحب چچی۔؟'' میں ان کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔
''تم تو چھپاتے رہو ساری باتیں، غضب خدا کا کوئی غیبی طاقت حاجرہ محل میں دندناتی پھر رہی ہے اور ہم بے خبر بیٹھے ہیں۔''
چچی نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔
''میں صرف آپ لوگوں کو ذہنی الجھنوں سے بچانا چاہتا ہوں......''
میری بات پر انہوں نے منہ بنایا۔
ہاں جی جب ہماری لاشیں بھی درخت سے لٹکائی جائیں گی تب ہمیں پتہ چلے گا کہ محل میں کوئی چڑیل قتلِ عام کر رہی ہے۔''
وہ ہاتھ نچا کر بولیں تو میں تھرا سا گیا۔
''خدا نہ کرے چچی کیسی باتیں کرتی ہیں۔''
''اے میاں دو معصوم بچوں کی ماں ہوں خود کی خیر ہے ان میں دم اٹکا ہے میرا، اپنی بہن تو تم نکال لے گئے اس بھوت بنگلے سے۔'' چچی حد سے زیادہ تپی ہوئی تھی۔
''تو ان کو بھی چھوڑ آئیں پھپھو کے گھر!''
میرا مشورہ ان کو ناگوار گزرا۔
''بس میاں میں نے انتظام کر لیا ہے یہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں کل ہی عمرہ کر کے وطن لوٹے ہیں پرسوں تک حاجرہ محل میں پہنچ جائیں گے۔''
وہ مطمئن ہو کر بولیں۔
''ہاں بیٹا ان جنوں بھوتوں کا علاج عالم لوگ ہی کر سکتے ہیں ہم جیسے عام لوگ نہیں۔''
امی بھی چچی کی ہم نوا تھیں۔ میں خاموش ہو گیا واقعی اب ہمیں کسی نجات دہندہ کی شدید ضرورت تھی اس سے پہلے کہ ہم فیملی کے افراد کو کوئی نقصان پہنچتا۔ ویسے ذیشان کے بقول اب ان کی ہٹ لسٹ میں میرا نمبر تھا۔
میں یہ سوچ کر تلخی سے مسکرا دیا۔

۞..........۞..........۞

رات اپنی حشر سامانیوں سمیت حاجرہ محل پر اتری تھی۔ میں آج تھکاوٹ کا شکار تھا سو اس پُراسرار لڑکی پر تین حرف بھیج کر جلدی سو گیا۔
''عالیان...... عالیان!''

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب میرے گال پر کسی ہاتھ کا لمس اترا اور سرگوشی سنائی دی۔ میں نے نیند میں کروٹ بدلی۔

''عالیان......''

اس پکار پر میں بے چین ہوا۔ پھر بمشکل مندی مندی آنکھیں کھولیں۔

میرے چہرے کے اوپر ایک لڑکی جھکی ہوئی تھی اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور ان کی مہک میری سانسوں میں داخل ہو رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں پھاڑ کر سامنے دیکھا چونکہ کمرے میں ملگجا اندھیرا تھا سو میں لڑکی کے نقوش دیکھنے سے قاصر تھا لیکن دہشت کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی کو سنسنا گئی۔

میری ذات نشانے پر تھی۔ میری جان کو خطرہ تھا۔ یہی خیال رات کے اس کالے گھمبیر پہر میرے چودہ طبق روشن کر گیا تھا۔ میرے مضبوط اعصاب پر لرزش طاری ہوئی تھی۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میں چیتے کی سی پھرتی سے پلنگ سے اتر کر سوئچ بورڈ کی جانب بڑھا تھا۔

اپنے دشمن کو میں اندھا تیر چلانے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔ مجھے اسے دیکھنا تھا۔ بے نقاب کرنا تھا۔ میں نے سرعت سے لائٹ آن کی تھی اور جبھی چیل کی مانند گھبراہٹ کے باوجود شاطر نگاہیں اس سمت دوڑائی تھیں مگر مجھے بدترین جھٹکا لگا تھا۔

کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

وہ لڑکی...... غائب ہو چکی تھی۔

پہلے بھی وہ غائب ہوتی رہی ہے۔ میں الجھ چکا تھا۔ ناکامی واضطراب کی ملگجی کیفیت میرے رونگٹے کھڑے کر چکی تھی۔ نیند بھی ڈر کے مارے دور بھاگ چکی تھی۔ میں خاصی دیر بے چینی سے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر باہر کی صورت حال کا جائزہ لینے کا خیال ذہن میں آیا تو کھڑکی کے پٹ وا کر کے باہر مدھم روشنی میں جائزہ لینے کے لیے غور کیا۔ اور خدا جانے وہ سچ تھا یا میرا وہم...... مجھے مالی بابا کے پورشن میں ہلچل دکھائی دی تھی۔

وہاں لائٹ بند تھی۔ مگر ہلکی ہلکی پُراسرار آوازیں میرے کان کے پردوں پر ہتھوڑے کی سی کاری ضرب کے مانند لگی تھیں۔

مجھے مالی بابا پر شروع سے شک تھا۔ اس لیے بھی میرا تجسس کا پیمانہ چھلک چکا تھا۔ میرے قدم بے ربط سانسوں کے ساتھ مالی بابا کے پورشن کی طرف بڑھ گئے تھے۔ ہاجرہ محل میں اس وقت مکمل سکوت طاری تھا۔ داخلی دروازہ عبور کرتے وقت میں نے دل کو مضبوط کیا تھا۔

اب آگے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

کچھ بھی ناقابلِ یقین و حیرت انگیز بات دیکھنے کو مل سکتی تھی۔ میں دبے قدموں ہونٹ بھینچے کہ کہیں آواز ہی نہ نکل جائے آگے بڑھ رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر مجھے ایک جگہ رکنا پڑا تھا۔

میری نگاہیں اب کچھ ہی فاصلے پر ہراساں سے مالی بابا کو آسانی سے دیکھ سکتی تھیں۔

''جلدی کرو...... کوئی دیکھ لے گا......!'' انہوں نے اپنے پیچھے موٹی چادر میں لپٹے وجود کو دھیمی آواز میں تلقین کی

تھی۔

جس پر چادر کی اوٹ میں چھپا وجود قدموں میں لڑکھڑاہٹ سمیت مالی بابا کے پیچھے تیزی سے لپکا تھا۔ اور وہی ایک لمحہ تھا جب میں نے ساری حیرانگیوں کو پرے دھکیل کر اپنے ہونٹوں کو جنبش دی تھی۔

''مالی بابا...... کون ہے آپ کے ساتھ...... کیا کھیل رچایا جا رہا ہے یہاں...... اس وقت اندھیرے میں کون سا جال بچھا رہے ہیں آپ......!'' میرا لہجہ تلخ تھا۔

وہ دونوں رک گئے تھے۔ مالی بابا آواز کی سمت مڑ کر مجھے سامنے موجود پا کر چونکے تھے۔ ان کے تاثرات دیکھنے لائق تھے مگر مجھے اس وقت مالی بابا کے بجائے دوسرے شخص میں زیادہ دلچسپی تھی۔ جس نے آواز سن کر مجھے دیکھا نہیں تھا۔

مالی بابا بھی کچھ بول نہ سکے تھے۔ میں نے خود ہی چھلانگ لگا کر اس تک رسائی کی۔ اور ایک جھٹکے سے اس کے جسم سے منوئی چادر کو کھینچ کر پرے دھکیلی مگر چادر زمین پر گرنے سے پہلے میں بے ہوش ہونے لگا تھا۔

''سعدیہ تم ؟؟؟؟؟؟؟؟''

میرے سامنے سعدیہ زندہ حالت میں کھڑی تھی۔ اور ذہن میں اس کی خالی قبر کا منظر گھوم رہا تھا۔

تاہم میں نے اپنے حواس کھونے نہ دیے، سعدیہ کے جسم پر کفن کی جگہ لباس تھا۔ پھر بھی اس کے جسم سے کافور کی خوشبو اٹھ رہی تھی، میں نے اپنی چٹکی لی کہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا، لیکن نہیں یہ سفاک حقیقت تھی، سعدیہ میرے سامنے زندہ وسالم کھڑی تھی۔

''یہ کیا ڈرامہ رچایا ہوا ہے تم لوگوں نے؟'' میں نے مالی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

مالی کے لب کچھ کہنے کے لیے تھرتھرائے، اس کے بولنے سے قبل ہی سعدیہ بول پڑی۔

''بابو صاب میرے بابا نے اور میں نے کوئی ڈرامہ نہیں رچایا، وہ لوگ اپنے طور پر مجھے مار کر پھینک گئے تھے۔ میرے جسم سے کافی خون نکل گیا تھا میں بے ہوش ہو گئی تھی آپ لوگ مجھے مردہ سمجھ کر دفنا آئے اللہ پاک نے مجھے زندہ رکھنا تھا۔ قبر میں مجھے ہوش آ گیا لیکن مجھے پتا نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں، کفن اور کافور کی خوشبو سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں قبر میں ہوں اور مجھے مردہ سمجھ کر دفنا دیا گیا ہے، وہاں میرا دم گھٹ رہا تھا، میں نے اپنے وجود کی پوری قوت مجتمع کی، قوتِ ارادی سے کام لیا اور ادھر اُدھر ہاتھ چلائے، ساتھ والی قبر کے ڈھیلے ٹوٹتے گئے جو شاید بارش کے پانی سے بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد میں قبر کی ایک دیوار میں سوراخ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ کچھ دیر بعد سوراخ اتنا بڑا ہو گیا جس سے میں نکل سکتی تھی، میں گھٹنوں کے بل اس کھلی قبر میں آئی، کفن الجھن کا باعث بن رہا تھا، اسے میں نے ساڑھی کی طرح لپیٹا اور چل پڑی۔ کمزوری کی وجہ سے چلنا مشکل ہو رہا تھا، چند گز دور مجھے دو سائے سے اپنی طرف آتے دکھائی دیے، میں جلدی سے ایک خالی قبر میں اتر گئی اور چھپ چھپ کر انہیں دیکھتی رہی وہ، میرے پاس سے گزر کر میری قبر تک گئے ایک نے تیلی جلا کر سگریٹ سلگائی اور دوسرا میری قبر کھودنے لگا۔ چند لمحوں بعد مجھے قبر کھودنے والے کی آواز سنائی دی۔

''قبر میں لاش نہیں ہے۔''

سگریٹ پینے والے نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کوئی پہلے ہاتھ دکھا گیا ہے۔''

لمحاتی توقف کے بعد وہ پھر بولا۔

''آؤ چلیں۔'' وہ دونوں لمبے لمبے ڈگ بھرتے ایک طرف کو چل دیے۔ میں دم سادھے لیٹی رہی۔ کچھ دیر بعد بابو صاب آپ لوگ میری قبر پر روشنی ڈال رہے تھے، میں نے آپ کو پہچان لیا تھا، جس خالی قبر میں، میں بیٹھی تھی آپ وہاں تک آئے اور خود غرض بن کر واپس چل دیے۔'' سعدیہ سسکنے لگی۔

میں نے مالی بابا کی طرف دیکھا اور حیرانی سے میرا منہ کھلا رہ گیا۔ مالی کی جگہ کوئی اور کھڑا تھا اس کے بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے سرخ سرخ آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی، میں ڈر کر پیچھے ہٹا، ایک دم سے وہ درندے کی شباہت رکھنے والا ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ میں نے مڑ کر سعدیہ کی طرف دیکھا، وہ بھی اپنی جگہ سے غائب تھی۔ میں آنکھیں ملتا ہوا مالی کے گھر کو دیکھنے لگا مالی اور اس کی بیوی رقیہ چارپائیوں پر سو رہے تھے۔ سعدیہ کہیں نہیں ملی۔

میرا دماغ گھومنے لگا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ ایسے میں مجھے چچی کا اس بزرگ کو محل بلانے کا فیصلہ درست لگنے لگا۔ اب اور کتنا برداشت کرتے ہم ان روز روز کے مسئلوں سے نپٹنے کے لیے کوئی تو حل نکالنا ہی تھا۔

میں واپس اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب بالائی منزل پہ میں نے شزا کو دیکھا۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر میرے کمرے کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے جسم پر لباس کے نام پہ صرف ایک نائٹی تھی جو اس کے جسم کو چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی۔ اس کے سفید سڈول برہنہ بازو بہت خوبصورت دکھائی دے رہے تھے۔ جیسے جیسے وہ میرے پاس آ رہی تھی مجھ پہ ایک خمار چھانے لگا...... میں بھی پاگلوں کی طرح اس کی طرف بڑھنے لگا

وہ میرے اتنے قریب آ چکی تھی کہ میں براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں ایک ایسی کشش ایسا جادو تھا کہ میں اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔

''آئی لو یو عالیان۔'' وہ ایک ادا سے بولی۔

اس کے اس خوبصورت اظہار محبت پہ میں نہال ہی ہو گیا۔

''آئی لو یو ٹو شزا۔''

''عالیان میرے ساتھ میرے کمرے میں چلو وہاں تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔'' میرا ہاتھ پکڑے پکڑے وہ بہت پیار سے بولی۔

''شزا تم جہاں لے چلو آج میں تمہارے ساتھ جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں......''

شزا کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ میں مدہوش لہجے میں بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔ میں کسی نادیدہ ڈور سے بندھا اس کے ساتھ کھنچا چلا جا رہا تھا۔ مجھے آس پاس کی کسی چیز کا کوئی ہوش نہ تھا...... کمرے میں پہنچ کر وہ مجھے اس کھڑکی کے پاس لے گئی جو پچھواڑے میں کھلتی تھی۔

''وہ دیکھو نیچے۔ تمہارے لیے وہاں ایک سرپرائز ہے۔''

شزا کے کہنے پر میں جھک کر نیچے دیکھنے لگا اچانک شزا نے پیچھے سے مجھے ایک زوردار دھکا دیا۔ اسی وقت میرا نشہ ہرن ہو گیا۔ خوف و دہشت کے مارے میری چیخ نکل گئی۔ میں نیچے گر رہا تھا اوپر شزا کھڑکی میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا۔

۞......۞......۞

ہوش آیا تو میں نے خود کو ہاسپٹل کے بستر پر پایا۔شزا نعیم اور باقی گھر والے میرے آس پاس کھڑے تھے۔میرا پورا جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔میرے جسم کی ایک ایک ہڈی دکھ رہی تھی۔مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر سب سے پہلے شزا میری طرف بڑھی اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''عالیان تم ٹھیک تو ہو۔رات تم میرے روم میں کیسے آ گئے۔جبکہ میں تو ڈور لاک کر کے سوئی تھی؟''

''اور یہ تم نے اوپر سے چھلانگ کیسے لگائی؟ پاگل ہو گئے تم۔؟اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو......؟''

شزا کے لہجے سے بہت پریشانی جھلک رہی تھی......سب گھر والے مجھ سے کم وبیش انہی طرح کے سوال کر رہے تھے۔لیکن میں کسی کے سوالات کے جواب دینے کے قابل نہ تھا۔تکلیف سے میرا برا حال تھا۔ڈاکٹر نے سب سے کہا کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیں......جب سب چلے گئے تو میں نے نعیم کو روک لیا۔میں پوچھنا چاہتا تھا کہ میں بچ کیسے گیا اور ہاسپٹل کیسے پہنچا؟ میرے پوچھنے پر نعیم نے بتایا کہ رات کے آخری پہر میں شزا نے اپنے کمرے میں تمہاری چیخ اور ایک قہقہے کی آواز سنی آواز پچھواڑے سے آئی تھی۔شزا نے اسی وقت نیچے آ کے سب کو بتایا۔

ہم پچھواڑے میں گئے تو تم ایک درخت سے لٹکے جھول رہے تھے تمہارے جسم پر بہت سی خراشیں تھیں۔جن سے خون بہہ رہا تھا۔اور ٹانگ کی ایک ہڈی میں بھی شاید فریکچر آ گیا تھا۔اگر تم درخت کی بجائے سیدھا زمین پر گرتے تو اب تک شاید مر چکے ہوتے۔نعیم کی باتوں سے میرا دماغ گھومنے لگا تھا۔کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔شزا کا یہ کہنا کہ اس کا کمرہ لاکڈ تھا پھر میں اندر پہنچا کیسے؟ اور وہ......وہ کون تھی اگر شزا نہیں تھی تو.........اُف!!! پہلے سعدیہ اور اب یہ.........میرے سر میں درد ہونے لگا اوپر سے ٹانگ بھی فریکچر کی وجہ سے شدید دکھ رہی تھی۔اچانک میرے ذہن میں ایک بات آئی......میں نے نعیم کی طرف دیکھا......

''نعیم تمہیں یاد ہے نا ذیشان نے انسپکٹر کو کیا کہا تھا؟ کہ اس نے ان ہی پُراسرار مرد اور عورت کو آپس میں کیا باتیں کرتے سنا تھا.........کہ ایک کو تو ہٹا دیا ہے راستے سے اب میری باری ہے.........''

''ہاں یاد ہے......لیکن یہ سب ہوا کیسے......؟تم شزا کے روم میں پہنچے کیسے اور کس طرح کھڑکی سے گر گئے......؟''

''نعیم مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہمارے اردگرد ہو کیا رہا ہے.........میری ٹانگ میں فریکچر ہو گیا ہے......میں ان سب واقعات کی کھوج لگانے سے معذور ہوں اب.........یہی بات مجھے بے سکون کر رہی ہے......''

تم ایک کام کرو گے نعیم؟؟.........تم اس کمرے کی کھڑکی سے مالی بابا پر نظر رکھو.........اور ہاں شزا پر بھی مجھے پتہ نہیں کیوں لگ رہا ہے شزا کے ساتھ بھی مسئلہ ہے کوئی......اور ہاں ذیشان کا بھی خیال رکھنا۔''

''تمہاری حالت دیکھ کر تو مجھے بھی ڈر لگنے لگا ہے عالیان......کیا یہ بہتر نہیں کہ فیض عالم کے آنے کا انتظار کیا جائے اور انہیں ہی ان سارے حالات سے نبٹنے دیا جائے؟''......نعیم نے کہا۔

مجھے نعیم کی باتوں سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ ان سب باتوں سے ڈر گیا ہے......خاص کر کے میری موجودہ حالت کی وجہ سے......اور میں جو ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ نعیم کو کل رات سے پیش آنے والے دونوں واقعات بتاؤں ......اس کے ڈر نے مجھے اپنے ارادے سے روک دیا......

''نعیم میں کب تک ڈسچارج ہوں گا......؟''

''ڈاکٹر نے کہا ہے کل تک تمہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا......''

نعیم کی بات سن کر میں چپ ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں...... لیکن میرے ذہن کو کسی پل سکون نہیں تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے درد کی وجہ سے پین کلر دی ہوئی تھی میں غنودگی کی کیفیت میں تھا کہ اچانک مجھے لگا۔ کوئی مجھے آواز دے رہا ہے۔

''عالیان۔ عالیان اٹھو''

اس تکلیف میں بھی میرے حواس نے کام کرنا نہیں چھوڑا تھا...... یہ بلاشبہ نسوانی آواز تھی...... میں نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں اور چندھی آنکھوں سے سے کمرے میں موجود نیلگوں روشنی میں آواز کے ماخذ کو ڈھونڈ کوئی لڑکی میرے اوپر جھکی ہوئی مجھے آواز دے رہی تھی...... میں نے غور کیا وہ شزا تھی۔

''دیکھ لیا نا تم نے اپنا انجام...... بہت کھوج کرنے نکلے تھے...... اب دیکھو اس ہاسپٹل کے بستر پر معذور ہوئے پڑے ہو......''

شزا کے ہونٹوں پر عجیب مکروہ مسکراہٹ تھی...... میری آنکھوں نے جو کمرے کی مدہم روشنی سے مؤافقت کی تو دیکھا شزا اکیلی نہیں تھی اس کے پیچھے سعدیہ بھی کھڑی تھی اور اس کی آنکھیں ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں......

میں نے جو بیڈ کے ساتھ موجود صوفے کی طرف دیکھا تو نعیم کو گہری نیند میں سوتے پایا۔

''تم...... تم دونوں ادھر کیسے......؟؟ اور...... اور تم سعدیہ......؟''

میری بات کے جواب میں دونوں ہلکا ہلکا ہنسنے لگیں۔

''کیا ہوا...... کیا ہوا عالیان...... تم کس سے باتیں کر رہے ہو......؟''

اچانک نعیم کی آواز نے مجھے چونکا دیا...... میں نے جو پلٹ کر دیکھا...... اب وہاں نہ شزا تھی نہ سعدیہ۔

اگلی صبح ہاجرہ محل کے گیٹ کے اندر ایک پراڈو فراٹے سے داخل ہوئی تھی اور وسیع پورچ میں آٹھہری۔

گھر کے جملہ افراد لائن سے منتظر کھڑے تھے۔ باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور فیض عالم صاحب اترے تھے۔ دراز قد، آف وائٹ شلوار قمیص میں ملبوس سفید داڑھی پُر نور چہرہ اور ہاتھ میں دبی نفیس سی تسبیح، روشن پیشانی پر چمکتا نماز کا نشان۔ ان کی شخصیت اتنی پُر اثر تھی کہ ہر فرد اپنی جگہ ان سے مرعوب ہو گیا۔

''السلام علیکم۔!'' انہوں نے باآواز بلند سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔

''آیئے آیئے فیض عالم صاحب سو بسم اللہ۔''

چچا آگے بڑھے جبکہ فیض عالم سر اٹھا کر حاجرہ محل کی بیرونی عمارت کو بغور دیکھ رہے تھے۔

ان کی روشن آنکھوں میں عجیب سی کیفیت در آئی۔

''آپ اندر آیئے نا!'' چچا نے ان کو ٹھٹکتے دیکھا تو پھر کہا۔
''جی۔!'' انہوں نے اندر قدم بڑھائے۔
سب ان کے پیچھے چل دیے۔
گھر کی عورتوں نے سر پر اچھی طرح چادریں لی ہوئی تھیں اور وہ فیض عالم کو عقیدت سے دیکھتے بے حد خوش ہو رہی تھیں۔ وسیع و عریض برآمدے میں آ کر ایک بار پھر فیض عالم ٹھٹک کر رک گئے اور نظریں گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ گھر کے افراد بھی مؤدب سے ہو کر رک گئے۔ فیض عالم نے آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس اندر کھینچا پھر جھرجھری لے کر فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اب ان کے چہرے پر واضح الجھن دکھائی دی اور ان کی تسبیح گھمانے کی رفتار میں تیزی آئی وہ زیر لب کوئی ورد کرنے لگے۔ چچی اور امی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
''بہت برے اثرات ہیں اس محل پر۔''
آخر وہ سرسراتی آواز میں بولے تو جملہ افراد کے دل نئے سرے سے دھڑک اٹھے۔
''ایک دو نہیں سارا خاندان یہاں آباد ہے۔'' وہ کسی کو مخاطب کیے بغیر گویا ہوئے۔
''جی عالم صاحب اسی وجہ سے ہم سب کا جینا حرام ہو گیا ہے میرا بیٹا تو مرتے مرتے بچا ہے ابھی تک اسپتال داخل ہے۔''
عالیان کی امی کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔
''ہونہہ کیا نام ہے آپ کے بیٹے کا؟'' فیض عالم نے سر ہلا کر پوچھا۔
''عالیان نام ہے۔'' فیض عالم نام سن کر چونک اٹھے۔
''بی بی اللہ بہت بڑا ہے یہ شیطانی طاقتیں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اگر وہ نہ چاہے اس کے نام میں بڑی طاقت ہے وہ غفور و رحیم ہے مشکلوں سے نکالنے والا ہے آپ اس پر توکل کرو۔''
فیض عالم صاحب دھیمے لہجے میں کہنے لگے تو سب نے متفق ہو کر سر ہلایا۔
''اب آپ آرام کیجئے عالم صاحب اتنی دور سے تشریف لائے ہیں۔''
''آپ کا کمرہ تیار ہے۔'' تایا نے آگے بڑھ کر دائیں جانب اشارہ کیا۔
''اس محل میں ایک تہہ خانہ بھی ہے؟'' فیض عالم کے سوال پر تایا ششدر رہ گئے۔
''جی مگر آپ کو کیسے پتا۔؟''
تایا کے سوال پر ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
''ہمیں سب پتہ ہوتا ہے عابد صاحب! آپ میرے رہنے کا انتظام اسی تہہ خانے میں کیجئے۔''
فیض عالم کی بات پر ہر فرد اپنی جگہ چونک اٹھا۔
''لیکن وہ آپ کے شایان شان نہیں۔'' عابد تایا نے جھجک کر کہا۔
''مجھے وہیں قیام کرنا ہے آپ فکر مت کیجئے کھجور کی چھال پر جب آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما سکتے ہیں تو میں تو ان کی امت کا ایک حقیر سا بندہ ہوں۔''

فیض عالم نے نہایت عاجزی سے کہا تو تائی اور چچی نے دانتوں تلے انگلیاں داب لیں۔
”جو حکم بس آپ یہاں کچھ دیر بیٹھ جائیں تب تک تہہ خانے کو آپ کے رہنے کے قابل بنالیا جائے۔“
تایا نے عقیدت سے کہا
”ارے عابد صاحب کوئی ضرورت نہیں تہہ خانے کو سنوارنے کی مجھے بس وہاں لے چلیں۔“
فیض عالم نے ہاتھ اٹھا کرانہیں روکا اور قدم آگے بڑھا دیئے باقی لوگ حتیٰ کہ تایا بھی ان کے پیچھے رہ گئے کیونکہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے تہہ خانے کی طرف ہی جا رہے تھے۔
”لیکن ان کو کیسے پتہ کہ تہہ خانہ کس طرف ہے......؟“
عالیان کی امی حیرت سے چچی سے مخاطب ہوئی جو خود حیران تھیں۔ حاجرہ محل کے مکین تعجب سے قدم اٹھاتے فیض عالم کے پیچھے چلے جا رہے تھے۔

❁............❁............❁

اگلی صبح مجھے نعیم کی زبانی پتا چلا کہ فیضان عالم صاحب ہاجرہ محل میں تشریف لا چکے ہیں تو میں بے صبری سے اپنی صحت یابی کا انتظار کرنے لگا۔ میرے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے اور ٹانگ کا معمولی فریکچر بھی اب تقریباً ٹھیک ہو گیا تھا۔ امید یہی تھی کہ دو دن تک مجھے ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا جائے گا۔
نعیم کی باتوں سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ فیضان عالم صاحب بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے تب ہی تو ہاجرہ محل میں ہونے والے کچھ واقعات کے بارے میں انہیں پہلے سے ہی علم تھا...... محل کے اندر مختلف جگہوں پر ان کا ٹھٹک کر رک جانا، اپنی رہائش کے لیے محل کے کسی کمرے کی بجائے تہہ خانے کو ترجیح دینا اور عجز و انکساری والا رویہ انہیں صحیح معنوں میں ایک نیک بزرگ ہی ثابت کر رہا تھا۔
نعیم اور باقی گھر والوں کے ساتھ ساتھ شہزا بھی ان سے کافی مرعوب ہو چکی تھی۔ فیضان عالم صاحب نے میرے لیے دم والا پانی بھی بھجوایا تھا...... وہ چاہ رہے تھے میں جلد صحت یاب ہو کے محل لوٹ آؤں...... میں کئی واقعات کا عینی شاہد تھا سو انہیں اپنے کچھ معاملات میں میرا ساتھ چاہیے تھا۔ اگلے دن جب ڈاکٹر نے میرا چیک اپ کیا تو حیرت سے بولے
”عالیان صاحب آپ تو حیرت انگیز طور پر بہت جلد صحت یاب ہو گئے ہیں۔ میرے خیال سے اگر آپ کو آج بھی ڈسچارج کر دیا جائے تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا لیکن آپ کو کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ہوں گی۔“
ڈاکٹر کے کہنے پر میں خوشی خوشی گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ یہ دم والے پانی کا اثر تھا یا جانے کوئی اور وجہ میں خود کو بہت فریش محسوس کر رہا تھا...... مجھے کسی قسم کی کوئی کمزوری یا نقاہت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ گھر پہنچتے ہی میں نے کپڑے وغیرہ بدلنے کے بعد سب سے پہلے فیضان عالم صاحب سے ملاقات کی۔ وہ تہہ خانے میں رہائش پذیر تھے ان کے منع کرنے کے باوجود میرے گھر والوں نے تہہ خانے میں ان کے لیے ایک سنگل بیڈ بچھا کر اس کے اوپر بستر لگا دیا تھا۔ اس کے علاوہ تہہ خانہ میں ان کی ضرورت کی چند ایک اشیا کے علاوہ کچھ نہ تھا۔
ان سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں خود کو بہت پُرسکون محسوس کرنے لگا۔ ہاجرہ محل میں ان کی آمد سے ایک

بہت سکون سامحسوس ہونے لگا۔

۞............۞............۞

مجھے ہاسپٹل سے آئے دودن ہو چکے تھے میں نے بھی فیضان عالم صاحب کے ساتھ تہہ خانے میں اپنابستر لگالیا تھا۔یہ انہی کا حکم تھا کہ میں ان کے ساتھ تہہ خانے میں رہوں۔انہوں نے اپنے عمل کا آغاز چاند کی پہلی تاریخ سے کرنا تھا اس لیے اب تک رکے ہوئے تھے اور آج چاند کی پہلی تاریخ تھی رات بارہ بجے سے وہ اپنے عمل کا آغاز کرنے والے تھے۔انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ سب سے پہلے جو عمل کریں گے وہ محل میں موجود ان شیطانی طاقتوں کو اپنے پاس بلانے اور ان سے ماجرہ محل میں رہنے کی وجہ پوچھنے کے بارے میں ہوگا۔

اس عمل کے بارے میں انہوں نے میرے علاوہ اور کسی کو نہیں بتایا تھا۔اس لیے رات کے بارہ بجے میرے اور فیضان صاحب کے علاوہ سب سو چکے تھے۔جیسے ہی رات کے بارہ بجے انہوں نے تہہ خانے کا دروازہ کھول دیا اور ہر طرف روشنیاں گل کر دی گئیں۔

تہہ خانے میں اس وقت صرف چند موم بتیاں ہی جل رہی تھیں۔

تہہ خانے کے وسط میں انہوں نے ایک جائے نماز بچھائی اور خود اس پر بیٹھ کر اونچی آواز میں کچھ پڑھنے لگے۔

ان کے پاس ہی میں بھی بیٹھ گیا۔اس سارے عمل کے دوران میں نے مسلسل کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہنا تھا۔

ایک لمحے کے لیے میری زبان نہیں رکی تھی۔

فیضان صاحب کو اپنا عمل شروع کیے ایک گھنٹا ہو چکا تھا میری زبان خشک ہونے لگی تھی۔جب اچانک تیز تیز ہوائیں چلنے لگیں اور پورے ماحول پہ ایک عجیب پُر اسراریت چھا گئی۔خوف کی ایک لہر میرے اندر بھی اٹھی لیکن میں نے کلمہ طیبہ کا ورد جاری رکھا۔اسی وقت مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی شاید کوئی آ رہا تھا......کوئی شیطانی روح وغیرہ۔

آہستہ آہستہ وہ آہٹ قریب آتی گئی۔

اور پھر تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے میں نے کسی کو دیکھا۔

موم بتیوں کی ہلکی ہلکی روشنی میں میں نے پوری آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو ایک بندہ سفید کفن جیسے لباس میں سر جھکائے فیضان صاحب کے سامنے کھڑا تھا۔اسے دیکھتے ہی میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

''وہ مالی بابا تھے......''

۞............۞............۞

''لڑکی کون ہو تم......؟''

ابھی میری حیرانگیاں نہ تھمی تھیں کہ اسی اثناء مجھے فیضان صاحب کی رعب دار آواز نے تعجب زدہ کیا تھا۔میں نے سامنے کھڑے مالی بابا کے کفن میں لپٹے وجود کو بھنویں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے ان کی آواز پر انہیں دیکھا تھا۔

''لڑکی......!''

میرا پورے کا پورا وجود گویا دھماکوں کی زد میں آیا تھا۔لمحوں میں ہزار بار پلکوں کو جھپکا تھا۔

نا معلوم میرا ذہن وسوچیں کس سمت پرواز کر رہی تھیں۔مگر اب میرا دل بھی پھٹنے کو تھا۔میرے پلٹ کر دیکھنے پر

مالی بابا کہیں نہیں تھے۔

''بتاؤ......!'' اتنے میں فیضان صاحب درشت لہجے میں بولے تھے۔ جس پر میں نے غور کیا تو سر چکرانے لگا۔ وہاں کوئی انجان لڑکی تھی۔ اس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ گویا دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ میں ورطہ حیرت و سراسیمہ ہوا تھا۔ تہہ خانے میں بابرکت کلام کی گونج کے باوجود شاید یہ میرا وہم اور مالی بابا کی مشکوک صورت تھی جو مجھے ایک نقطے کے گرد الجھائے، مجھے ہر پڑاؤ پر شکست دے رہی تھی۔ لیکن اس لمحے مجھے خود کو اس ایک الجھے سوالیہ وہم سے نکال کر اس لڑکی پر محویت ظاہر کرنا ضروری تھی۔

''ایک راز ہوں......ایک سفاک حقیقت......!'' جبھی میری سماعتوں سے بھاری آواز ٹکرائی تھی۔

میں بے یقین ہوا تھا۔

فیضان صاحب مضبوط دل و پختہ حوصلہ انسان تھے۔ وہ نہیں گھبرائے تھے۔

''بھید نہیں وجہ بتاؤ......کیوں اضطراب پھیلا رہی ہو......!'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''بدلہ......بدلہ لوں گی میں......!'' وہ لڑکی بھیانک آواز میں بولی تھی۔

''کس سے بدلہ لوگی......؟'' فیضان عالم اس سے مخاطب تھے۔

اور میں زندگی و موت کے بیچ پھنسا وہ بے بس انسان ثابت ہو چکا تھا جسے لاکھوں امید و سہارے کے باوجود امید کی کرن دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''اس محل کے درودیوار سے، ہر فرد سے......کہیں نہیں جاؤں گی...... ہر روپ میں آؤں گی...... ہر روز آؤں گی......کوئی مجھے قید نہیں کر سکتا...... میں مر کر بھی فنا نہیں ہوئی......اب بھی مجھے کوئی نہیں روک سکتا......۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا......!'' جبکہ اس لڑکی کی آواز شدید ترین ہو چکی تھی۔

ایک الاؤ تھا اس کے لہجے میں۔

''تم اب میرے بس میں ہو......تم اب بے بس ہوگئی ہو......!'' فیضان صاحب کی تحمل سے بھرپور آواز ابھری تھی۔

''میں کسی کے بس میں نہیں...... مجھے آج ابھی یہ شخص نکالے گا یہاں سے......یہ عمل ادھورا رہے گا...... مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔!'' جبکہ دھند میں لپٹا وہ چہرہ میری آنکھوں سے اوجھل ہونے کے باوجود مجھے متحیر کر گیا تھا۔

فیضان صاحب تیز تیز ورد کرنے لگے تھے۔

• اس لڑکی کی طاقت شدت پکڑ رہی تھی۔ اور اگلے ہی لمحے مجھے جانے کیا ہوا تھا کہ میں بری طرح چلایا تھا۔ اور شاید وہی پل تھا جب فیضان صاحب کے ورد میں خلل آیا تھا۔

انہوں نے سلگتی آنکھوں سے مجھے گھورا تھا۔

تہہ خانے کی فضاء یک دم شانت ہوگئی تھی۔

وہ لڑکی میرے ذریعے عمل ناکام بنائے میرے ذہن پر دہشت کے گہرے نشان رقم کیے جا چکی تھی۔

۞......۞......۞

ہاجرہ محل میں واقعات کا تسلسل ایک عجیب سمت اختیار کر چکا تھا اور میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ میرا ذہن ان واقعات کے باعث بہت الجھ گیا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں پہلے جیسی نہ رہی تھیں۔ اس دن میں محل کے Back Yard میں یونہی ٹہلتے ہوئے واقعات کا نئے سرے سے جائزہ لے رہا تھا جب میرا اسیل فون بجا تھا۔

اسکرین پر آہل کمال خان کا نام دیکھ کر میں چونکا تھا، اور فوراً اس کی کال رسیو کی تھی۔

"What's up dude? Where have you disappeared"

''یار کہاں گم ہو؟ لگتا ہے ہاجرہ محل نے گھیر لیا ہے تمہیں اور عشق ہو گیا ہے تمہیں۔''

آہل کمال خان ہم کزنز میں سب سے زیادہ ایڈونچرس تھا، بلا کا شارپ مائنڈ اور بہادر،

Cubadiving، Sky diving، hiking، car racing

اور میوزک اس کا شوق تھے۔ جب ہم یو کے میں تھے تو میں بھی اس کے ہر ایڈونچر میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی قوت برداشت بلا کی تھی اور اعصاب بہت مضبوط تھے، کسی پریشانی میں بھی اس کا دماغ نیوٹن سے آٹھ دس قدم آگے چلتا ہوگا۔ ہمارا ایک کزن دانیال اسے ''دا گائے آف دا آئرن'' کہتا تھا اور وہ تھا بھی ایسا۔

اس کی کال آنا میرے تھکے ہوئے اعصاب کے لئے ایک مہین سی تسلی تھی۔ اتنے عرصے بعد کسی دوست کی آواز جیسے میری ہمتوں کو بڑھا رہا تھا، اس لمحے میں آہل کی آواز سن کر مجھے لگا تھا میں تنہا نہیں ہوں، وہ بہترین دوست تھا میرے بڑے چاچا کا بیٹا۔ میرے سب سے قریب رہا تھا وہ ہمیشہ۔ جب میں نے یہاں آنے کا ارادہ کیا تھا اس نے حمایت کی تھی۔

''تم نے اچھا فیصلہ لیا ہے، وہ ہمارے آباؤ اجداد کی نشانیوں میں سے ایک ہے اور چاہے وہاں نہ رہو مگر ایک بار وہاں کا جائزہ لے کر آؤ۔ ہمارے دادا، پردادا کی روحیں ہم سے شکوہ نہ کریں کہ ان کی اتنی محبت سے بنائی گئی جگہوں کو ہم نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔

"You have to go there ،I will talk to your fiancée and make her understand، I hope she would also be there with you in a few days. She loves you."

تب اس نے شزا کو سمجھایا تھا اور شزا اس کی بات مان بھی گئی تھی۔ آہل بہادر تھا، نڈر اور دلیر تھا۔ ہم سب اسے ہیرو کہتے تھے اور وہ تھا بھی ہیرو۔ انتہائی بے فکر، سمجھدار اور دیکھنے میں لمبا چوڑا اور مضبوط جسامت۔ وہ دیکھنے میں بھی ہیرو لگتا تھا۔ مجھے اس کی آواز سن کر جیسے کوئی پازیٹو انرجی ملی تھی۔

"What happened? Allok there..?"

وہ میری خاموشی بھانپ کر بولا تھا۔

"Yes، every thing is seem so perfec there!"

میں اسے ہاجرہ محل سے جڑا کوئی قصہ بتانا نہیں چاہتا تھا جب وہ بولا تھا۔

''تمہاری آواز سے لگتا ہے تم پریشان ہو، کوئی بات ہو تو بتاؤ یار ارسطو!''

آھل مجھے ارسطو ہی کہتا تھا کیونکہ میں بچپن سے ہی کتابی کیڑا تھا اور آھل میرے برعکس تھا۔

اکنامکس سکول آف لندن سے بزنس ڈگری مکمل کرنے کے بعد ہم نے ایک کمپنی کا آغاز بھی مل کر کیا تھا اور جیسے کہ ہمیں میوزک کا جنوں بھی تھا تو ہم Music gigs بھی مل کر کرتے تھے۔ میں نے ہی اس میوزک بینڈ کو چھوڑا تھا اور تب آھل بھی بزنس پر مور فوکسڈ ہو گیا تھا۔

''ارسطو یار کوئی پریشانی ہو تو کہو ایسے چھپا کیوں رہے ہو؟''

آھل میری خاموشی بھانپ کر بولا تھا۔

''آھل یار کوئی پریشانی نہیں، تم بتاؤ اتنے دنوں بعد کیوں فون کیا؟ کہاں بزی رہے؟'' میں نے خود کو معمول پر لاتے ہوئے گہری سانس لے کر پوچھا تھا۔

''میں نے ایک نئی کمپنی شروع کی تھی اسی میں بزی رہا۔ سوری یار ارسطو تم سے رابطے میں نہیں رہ پایا اینی ہاؤ میں وہاں آ رہا ہوں''

وہ بولا تھا اور میں حیران رہ گیا تھا۔

''تم یہاں آ رہے ہو؟''

''کیوں؟ نہیں آ سکتا؟ ہاجرہ محل میرے دادا پردادا کی نشانی بھی تو ہے؟ اتفاق سے تمہارے دادا پردادا اور میرے دادا پردادا ایک ہی تھے اور میری پردادی کے نام پر ہی تمہارے پردادا نے وہ ہاجرہ محل بنوایا تھا''۔ وہ مذاق کرتے ہوئے ہنسا تھا۔

''یار پردادا ابا کتنی محبت کرتے ہوں گے نا پردادی اماں سے کہ انہوں نے پہاڑوں کا سینہ چیر کر وہ ہاجرہ محل کھڑا کروا دیا۔ میں نے سوچ لیا ہے اگر محبت اتفاقاً کبھی ہو گئی تو ایسا ہی محل بنوا کر اس محبت کے نام کروں گا۔'' آھل کمال خان مسکرایا تھا جب میں بولا تھا۔

''کیوں آ رہے ہو یار آھل؟ یو ہیو ٹو اسٹے دیئر اینڈ فوکس آن بزنس!'' جانے کیوں میں نہیں چاہتا تھا کہ آھل آ کر ان پرابلمز کا حصہ بنے مگر وہ بے فکری سے بولا تھا۔

''تم سے زیادہ ایڈوینچرس ہوں یار ارسطو، سو لیٹ می کم اور دیئر۔ اٹ وڈ بی آ گڈ فن، وہاں قریب ہی کے ٹو کی جو چوٹی ہے نا تمہارے ساتھ مل کر اسے سر کرنا چاہتا ہوں اور ان فیکٹ میں ہی نہیں، دانیال خان بھی میرے ساتھ آنا چاہ رہا ہے''۔ آھل کمال خان بولا تھا اور میں اسے منع نہیں کر سکا تھا۔ کئی لمحوں تک وہ یہاں وہاں کی باتیں کرتا رہا تھا اور مجھ میں جیسے ہمت نہیں تھی کہ اسے ہاجرہ محل کے بارے میں بتاتا مگر یہ ہوا تھا کہ آھل کمال خان سے بات کر کے مجھے جیسے ایک ریلیف ملا تھا اور میں کافی بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔ رات بستر پر آ کر خود کو کچھ پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ کل کیا ہونا تھا میں نہیں جانتا تھا مگر اب آھل اور دانیال میرے ساتھ تھے اور میں اتنا پریشان نہیں تھا، میری ہمت جیسے نئے سرے سے بڑھنے لگی تھی۔

آہل سے بات کرنے کے بعد میں مطمئن ہو گیا تھا۔ اسی لئے کسی کو ان کی آمد کی اطلاع دیئے بناء فیضان عالم شاہ کے پاس آ گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے بلند آواز میں کچھ پڑھ رہے تھے۔ الفاظ نامانوس، اور زبان اجنبی تھی۔ میں خاموشی

سے اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ کافی دیر بعد انہوں نے پڑھنا ختم کیا اور آنکھیں کھولیں۔ وہ بہت برہم تھے کیونکہ میں نے ان کی محنت برباد کر دی تھی۔

مجھے کافی باتیں سنا لینے کے بعد انہوں نے سمجھانا شروع کیا۔

''عالیان! میں جانتا تھا کہ شیطانی ارواح کے مقابلے میں عام انسان ڈر ہی جایا کرتے ہیں۔ پھر بھی میں نے تمہیں ساتھ رکھا تو اس کی ایک وجہ ہے کہ میں تمہارے اندر چند قدرتی خفتہ صلاحیتیں دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں اپنی صلاحیتوں کو کام مثبت طور پر کام میں لاکر یہاں سے ان شیطانوں کا صفایا کرنا ہے۔ دوسری صورت میں وہ شیطان تمہیں اپنے کام کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے زیادہ یہاں کسی کو ان سے خطرہ ہے تو وہ تم اور تمہاری بہن ہے۔ تم چاہو تو اپنی روحانی طاقت بڑھا کر ان سے مقابلہ کرو ورنہ ہاجرہ محل چھوڑ کر دوبارہ اپنی نارمل زندگی میں چلے جاؤ۔ ان کا اثر اس وادی سے باہر نہیں ہے۔''

فیضان عالم صاحب کی طویل گفتگو بظاہر میں نے خاموشی سے سنی تھی لیکن درحقیقت میرے سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔ میں اکیسویں صدی کا مغربی ممالک میں پروردہ جوان تھا اور وہ مجھے میری روحانی طاقت بڑھانے اور بروئے کار لانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ کیا مجھے بھاگ جانا چاہئے۔؟

لیکن یہ بات ضرور تھی مالی کی بیٹی، سفید کفن جیسے لباس والی لڑکی اور حنین اور شزا کی شکل میں آنے والی لڑکی سب کا ٹارگٹ میں ہی تھا۔

میں سوچوں میں الجھا وہاں سے اٹھ گیا۔

۞ .... ۞ .... ۞

ایسی صورت میں مجھے ہر وقت الرٹ رہنے کی ضرورت تھی۔ کسی وقت کوئی بھی افتاد گلے پڑ سکتی تھی میں یہ سب سوچتا ہوا مین گیٹ تک آ گیا، اچانک ایک فقیر صدا لگاتا ہوا گیٹ سے اندر داخل ہوا ''اللہ کے نام پہ کچھ پیسے دے دے بابا'' اس نے اپنا کشکول میرے سامنے کر دیا، وہ ایک مدقوق چہرے والا منحنی سا شخص تھا، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں میں مردہ خوابوں کی داستانیں رقم تھیں۔ میں نے چند روپے جیب سے نکال کر اس کے کشکول میں ڈال دیے۔ فقیر واپس مڑ کر باہر جانے لگا پھر کسی خیال کے تحت رک گیا، مڑ کر پیچھے دیکھا، مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولا

''دریا پار کرنے کے لیے کشتی ضروری امر ہے لیکن منجدھار سے نکلنے کے لیے دعا کا سفینہ چاہیے، میری دعا ہے اللہ تیری مشکلیں آسان کرے بچہ۔''

فقیر نے گودڑی سے کچھ نکالا وہ دھاگے سے بندھی تعویذ نما کوئی چیز تھی وہ اس نے میرے ہاتھ پر رکھ دی، بولا۔

''یہ اپنے دائیں بازو پر باندھ لو تیرا واسطہ شیطانی طاقتوں سے پڑنے والا ہے اس تعویذ کی موجودگی میں وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' یہ کہہ کر فقیر واپس چل دیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔

میں الجھن زدہ سا کھڑا رہ گیا، چند لمحے یوں ہی گزر گئے، میں نے تعویذ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور بازو سے باندھ لیا۔

۞ .... ۞ .... ۞

آج موسم کے تیور خاصے بدلے ہوئے تھے، سر شام ہی کالے سیاہ بادلوں نے بسیرا کر لیا، کچھ دیر بعد ہوا چلی جو تیز ہوتے ہوتے آندھی اور پھر طوفان کی شکل اختیار کر گئی، طوفان اتنا تیز تھا کہ یوں لگتا تھا جیسے ہر چیز کو اُڑا کر لے جائے گا، میں طوفان تھمنے کے انتظار میں چوکیدار کی کوٹھڑی میں بیٹھا رہا، چوکیدار محل کے گرد چکر لگانے گیا تھا اور تا حال واپس نہیں آیا تھا۔ شاید طوفان سے بچنے کے لیے کہیں دبک گیا تھا، رات کا ایک بج چکا تھا، طوفان تھم گیا تھا تاہم بارش کسی وقت بھی ہو سکتی تھی میں کوٹھڑی سے نکلا اور محل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ میں بھیگتا ہوا عمارت تک پہنچ گیا، اچانک گیلری میں ایک سایہ سا لہرایا جو دبے پاؤں چلتا ہوا فیضان عالم صاحب کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا، میں نے جلدی سے خود کو ستون کی اوٹ میں کر لیا، سایہ اب تہہ خانے کے داخلی دروازے تک پہنچ گیا تھا، میں بھی چھپتا چھپاتا اس کے پیچھے چل پڑا۔

تہہ خانے کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا، سایہ اندر داخل ہوا اور سیڑھیاں اترنے لگا، مجھے لگا وہ سایہ کسی عورت کا تھا، میرے ذہن میں سعدیہ کی شبیہہ اُبھر آئی، مگر وہ تو کافی دن سے غائب تھی، میں نے اس خیال کو جھٹک دیا، حنین؟ مگر وہ دھان پان سے لڑکی ہے سایہ قدرے بھاری بھرکم تھا، میں ذہن میں الجھن لیے چلتا ہوا تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا، سایہ تہہ خانے کے پہلے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا اور دروازہ بند کر دیا، میں بھی چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا، میں نے دروازہ کو دھکا نہیں دیا، بلکہ کی ہول سے اندر دیکھنے لگا، فیضان عالم صاحب کروٹ کے بل لیٹے سو رہے تھے، سایہ جس کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی اس نے چادر سے بکل مار رکھی تھی یقیناً کسی عورت کا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ عورت تھی کون؟ چادر میں لپٹے ہونے کی وجہ سے پہچانی نہیں جا رہی تھی صرف ڈیل ڈول سے اس کے سراپے کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس عورت نے آہستگی سے فیضان عالم کا لحاف کھینچا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

''کک۔ کک۔ کون ہو تم۔؟''

وہ کالی چادر میں لپٹے وجود کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے، تاہم جلد ہی خود کو سنبھال لیا، ادھر میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا، کالی چادر والی عورت نے ایک دم سے چادر خود سے الگ کر لی، اس کے جسم پر سوائے چادر کے اور کچھ نہیں تھا، وہ بالکل برہنہ حالت میں فیضان صاحب کے سامنے کھڑی تھی، اس نے ایک نظر مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا، اور بس اسی ایک نظر نے مجھے شرم سے پانی پانی کر دیا، وہ نعیم کی بڑی بہن تھی جسے سب آپا آپا کہتے تھے۔

میں نظر جھکائے بیٹھا رہا، فیضان عالم صاحب با آواز بلند آیت پڑھ رہے تھے ان کی اونچی آواز گھٹتے گھٹتے معدوم ہوتی گئی، میں نے پھر کی ہول سے جھانک کر دیکھا آپا کی ہیت تبدیل ہو رہی تھی، ان کا جسم چھوٹا ہو کر چوہے کی شکل اختیار کر گیا جو پھدکتا ہوا اگلے کمرے میں چلا گیا، میں جلدی سے اٹھا بھاگ کر تہہ خانے سے نکلا اور آپا کے کمرے میں جا کر دم لیا، دروازہ کھول کر دیکھا تو چچی کے ساتھ والے بیڈ پر آپا ذیشان کے ساتھ گہری نیند سو رہی تھیں، میں نے دروازہ بند کیا اپنے کمرے میں آ کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا ''یا خدا یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ بصری واہمہ ہے یا شیطانی طاقتیں میرے گھر والوں کا روپ بدل کر مقابلے پر اتر آئی ہیں؟'' میں نے سوچا، عجیب گورکھ دھندا تھا... متضاد خیالات ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے، خیالات کی یلغار سے بچنے کے لیے میں نے لحاف کھینچا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔

❂........❂........❂

ہاجرہ محل عجب حیرت کدہ بنا ہوا تھا، عجیب وغریب واقعات ہونے کا تسلسل جاری تھا جب آحل کمال خان نے مجھے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی اور میں آحل اور دانیال کو لینے ایئر پورٹ روانہ ہوگیا تھا۔ ایئر پورٹ کا فاصلہ زیادہ تھا اور رات ڈرائیو کرنے میں نکل گئی تھی، ان کی فلائیٹ کا وقت صبح آٹھ بجے کا تھا تب تک میرا ذہن سوچوں سے بے طرح الجھا رہا تھا۔

آحل اور دانیال کو سامنے دیکھ کر مجھے اپنی کھوئی ہوئی انرجی جیسے واپس اپنے وجود میں داخل ہوتی لگی تھی۔

''کیسے ہو تم ٹھیک ہو نا ارسطو؟'' آحل کمال خان نے مجھے دیکھتے ہی کہا تھا۔ میں نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی بات ضرور ہے یار ارسطو، بتاؤ کیا چھپا رہے ہو؟'' وہ ایسے ماننے والا نہیں تھا اور تب میں نے واپسی کے سفر میں جب دانیال ڈرائیو کر رہا تھا میں نے ان کو سب بتا دیا۔ میری بات سن کر دانیال مسکرایا تھا۔

"Are you crazy Arastoo? That's all crape I can't believe it"

دانیال خان نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے فوری طور پر کوئی مخالفت نہیں کی تھی اور تبھی آحل بولا تھا۔

"We have to believe it whether it's weird but Arastoois telling truth."

''یہ معاملہ سنگین ہے اور معمولی نہیں ہے۔ مگر تم نے پہلے آگاہ کیوں نہیں کیا ارسطو؟ کیا یہ بات اتنی معمولی تھی کہ تم اسے خود تک محدود رکھتے؟'' آحل کمال خان نے شکوہ کیا تھا۔ تبھی میں بولا تھا۔

"I just thought that I can sortitoutandit's not such complicated."

مگر معاملات سنگین ہوتے چلے گئے اور ایک کے بعد ایک واقعہ پہلے سے زیادہ الجھا ہوا لگا۔'' میں نے کہا تھا۔

''Yes، it's completed in deed!

''یہ واقعات بہت الجھے ہوئے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہیں نہ کہیں کوئی سرا ضرور ہے اور جلد ہم اس سرے تک پہنچ جائیں گے، ڈونٹ وری۔ اب میں اور دانیال بھی یہاں ہیں تمہارے ساتھ سو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' آحل نے کہا تھا تو مجھے تسلی ہوئی تھی۔

''ان معاملات کی تہہ تک جانا آسان نہیں آحل مگر مجھے یقین ہے وی ول فکس اٹ''۔ دانیال نے کہا تھا۔

ہم ہاجرہ محل پہنچے تھے تو وہاں وہی سکوت تھا۔ آحل کمال خان نے گاڑی سے اتر کر ہاجرہ محل کا بھرپور جائزہ لیا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''لگتا ہے کسی کو عشق ہوگیا ہے ہاجرہ محل کی خوبصورتی سے، دور تک عشق ہی عشق بکھرا ہوا ہے۔'' آحل کی حسِ مزاح کمال کی تھی مگر مجھے یقین تھا وہ اس لمحے کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

''ارسطو پریشان ہے اور تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے یار آحل کمال خان!'' دانیال مسکرایا تھا۔

''ارسطو پریشان ہے مگر عشق فضا میں بکھرا ہوا ہے دانیال، دیکھو ہاجرہ محل کسی سناٹے میں گھرا کیسا پُرفسوں لگ رہا ہے، عجیب شکوہ ہے ہوا میں، تنہا کیوں چھوڑا، جب تنہا چھوڑ دو تو عجیب تو ہوتا ہے نا؟ جو بھی ہے بہت سے الجھاؤ ہیں اور تا حال سارے الجھاؤ بہت دلفریب دکھائی دیتے ہیں۔'' آحل نے مسکراتے ہوئے ہاجرہ محل کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔ میں وہ کیا نہیں دیکھ پا رہا تھا جو آحل کمال خان دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجب گہرائی تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔ مجھے لمحہ بھر کو

گمان گزرا تھا کہیں آحل بھی کسی اثر میں تو نہیں آ گیا تھا؟ مگر ایسا نہیں تھا۔ آحل بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا اور وہ یقیناً کچھ اور دیکھ رہا تھا جو میں یا کوئی اور نہیں دیکھ پایا تھا۔

✿..........✿..........✿

آحل کمال خان نے پائیں باغ میں واک کرتے ہوئے دور تک دیکھا تھا۔ اسے کوئی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ کوئی مدھم آواز تھی جو مکمل طور پر سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ آحل نے اس آواز کا تعاقب کیا تھا، کوئی لڑکی سرخ لباس پہنے خشک پتوں پر دبے قدموں چلتی دکھائی دی تھی جیسے اسے پکڑے یا اپنے دیکھ لئے جانے کا ڈر تھا۔

آحل کمال خان نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس لڑکی کی کلائی کو تھاما تھا اور اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا، مگر اس نے آدھا چہرہ سرخ آنچل میں چھپا لیا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں عجب کیفیت تھی جیسے کوئی روشنی نکھرتی جا رہی ہو اور جوت بجھتے ہوئے اور دلکش ہو رہی ہو۔ کیسا اسرار تھا اس کی آنکھوں میں؟ آحل کمال نے بغور دیکھا تھا اسے۔ وہ لڑکی نگاہ پھیر گئی تھی اور اسی لمحے آحل نے اسے بغور دیکھتے ہوئے سرخ آنچل کو اس کے چہرے سے سرکا دیا تھا۔ وہ جو بھی تھی بہت خوبصورت تھی۔

''کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟ صاف صاف بتاؤ ورنہ ابھی پولیس کو بلا کر اس کے حوالے کر دوں گا۔'' آحل کمال خان نے سخت لہجے میں کہا تھا۔ تبھی لڑکی نے بنا کچھ کہے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

''میں نے پوچھا کون ہو تم؟'' اب کے آحل کمال خان نے سختی سے پوچھا تھا تبھی وہ بولی تھی۔

''پاگل ہیں آپ؟ میں بھٹک کر اس طرف نکل آئی تو مجھے چور سمجھ لیا؟ میں اپنے سوتیلے باپ سے بھاگتی ہوئی یہاں آئی ہوں۔ وہ میری شادی اپنے نالائق بھانجے سے کر دینا چاہتے تھے۔ میں کوئی چور نہیں ہوں نہ کوئی جرم کیا ہے۔ آپ کو یقین نہیں تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔'' اس نے آحل کی سمت دیکھ کر کلائی ایک جھٹکے سے چھڑانا چاہی تھی مگر وہ ناکام رہی تھی تبھی نمی سے بھری آنکھوں سے آحل کی سمت دیکھا تھا پھر اس کی طرف اعتماد سے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"Why don't you believe me? I'm Amriah Wajahat and I'm a doctor ‹if you don't believe then you can google and check details about me. I'm a renown doctor. I really don't know what are you thinking about me but I would request you to let me go !Please!."

اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر جانے کیوں آحل کی گرفت اس کی کلائی پر ڈھیلی پڑ گئی تھی، اس نے امریحہ وجاہت کی کلائی چھوڑ دی تھی اور وہ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی جب آحل نے پوچھا تھا۔

''سنو، کہاں جانا ہے تمہیں؟ شام گہری ہو رہی ہے اور اس وقت آپ کا اکیلے سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا، آپ یہاں قیام کر سکتی ہیں اور صبح آپ جہاں چاہیں گی آپ کو ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔'' آحل کمال خان نے اسے آفر دی تھی اور وہ رک کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''ایک شرط پر میں آپ کے جاؤں گی۔'' امریحہ وجاہت نے کہا۔

''اور وہ کیا شرط ہے۔؟'' آحل نے اس سے سوال کیا

''اگر میرے ڈرائیور آپ بنے تب۔''

''ہاہاہا......او کے ٹھیک ہے میں ڈرائیو کروں گا لیکن جواباً میری بھی ایک شرط ہے۔'' اہل اسے اپنے مدعا کی طرف لے آیا۔

''اور وہ کیا ہے......؟''

''میرے ساتھ پینجر سیٹ پر آپ بیٹھیں گی۔''

''او کے ڈن......'' وہ اس کی بات مان گئی

''ویسے آپ کمال کی چیز ہیں آہل۔'' وہ پینجر سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

آہل اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ڈرائیو کرنے لگا۔ ابھی وہ جنگل کی طرف سے ہوتا ہوا دائیں طرف ہی نکلا تھا جہاں کم بلندی کے پہاڑ شروع ہو جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ راستہ ڈھلوانی ہونا شروع ہو گیا اسی لیے وہ پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ جب کافی دیر تک امرحہ کی طرف سے کوئی بات نہیں ہوئی تو اہل نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑنے کی کوشش کی۔

''کیا کرتی ہو آپ امریحہ......؟'' یہ کہہ کر اس نے امریحہ کی طرف دیکھا اس کا چہرہ کھڑکی کی طرف تھا۔

''کچھ خاص نہیں بس مجھے ایڈونچر کا شوق ہے اور لوگوں کو چونکا دینے کا......''

''ہاہاہا......یہ کیسا شوق ہے؟''

''ویسے کیسے چونکاتی ہو تم لوگوں کو؟'' یہ پوچھتے ہوئے آہل نے اس کی سمت دیکھا تاکہ اس کے تاثرات بھی نوٹ کر سکے

''ایسے......'' اس نے اپنا چہرہ آہل طرف کیا اور وہ جو اس کے تاثرات دیکھنے کے لیے اس کی طرف رخ کر کے ڈرائیو کر رہا تھا اس کا چہرہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

امرحہ کا سارا چہرا جلا ہوا، مسخ شدہ تھا۔ آنکھیں باہر کو اپنے ڈیلوں سے ابل رہی تھیں۔ ہونٹ موٹے بھدے، ہیبت ناک تھے، یہ امریحہ کا نہیں کسی کریہہ، بدشکل عفریت کا چہرہ زیادہ لگ رہا تھا......ڈر کے مارے آہل کے ہاتھ سے سٹیرنگ وہیل چھوٹ گیا اور گاڑی آگے کو نکلے پہاڑ کے ٹکڑے سے ٹکرا گئی......اس کا سر زور سے ڈیش بورڈ کو لگا اور وہ اپنے حواس کھوتا چلا گیا۔

✲.........✲.........✲

''ایسا ہو بھی سکتا ہے......!''

امریحہ وجاہت کے جواب سے پہلے آہل کمال خان نے اب تک میرے سنائے گئے تمام واقعات کا خاکہ ذہن میں کھینچا تھا۔

''نہیں مجھے اپنے حواس کو منتشر نہیں ہونے دینا......امریحہ وجاہت بدروح نہیں ہو سکتی......ہوتی تو کلائی پر میری مضبوط گرفت سے اس کی گہری آنکھیں تر نہ ہوتیں...... مجھے پوزیٹو تھنکنگ کے ساتھ آگے بڑھنا ہے......ذرا سا انتشار بھی ہاجرہ محل کو مزید ہولناک بنا سکتا ہے۔!''

وہ ایک دلیر و نڈر جوان تھا۔ محض ذہنی خاکے اس کے پختہ ارادے کو متزلزل نہیں کر سکتے تھے۔

وہ بکھرے تصورات سے پل بھر میں خود کو باہر لے آیا تھا۔

''ٹھیک ہے مگر میں نہیں چاہتی کہ میری موجودگی کی یہاں کسی کو خبر ہو...... میرا سوتیلا باپ بہت اثر و رسوخ والا آدمی ہے...... وہ مجھے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا ہوگا۔!'' امریحہ وجاہت کے پاس آحل کمال پر بھروسہ کرنے کے علاوہ اور کوئی حل نہ تھا۔

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے شرط رکھی تھی۔

''تمھاری بات قابلِ عمل تو ہے لیکن ایسا یہاں ممکن نہیں ہے امریحہ......!''

ہاجرہ محل میں آئے دن رُونما ہوتے واقعات امریحہ کی موجودگی کے بھید کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اس نے آہستگی سے منع کیا۔

''کیوں۔؟''

''ہے ایک وجہ جو فی الحال تمھیں نہیں بتا سکتا...... تمھیں مجھ پر بھروسہ کرنا ہوگا...... اور میں تمھیں یقین دلاتا ہوں، میں کبھی تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گا......!'' وہ وثوق سے بولا تھا۔

امریحہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی تھی۔ پھر توقف کے بعد اس کی پیروی میں قدم اٹھائے۔

کچھ منٹوں کی مسافت کے بعد وہ دونوں ہاجرہ محل کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔

امریحہ نے ایک توصیفی نظر محل کی شاندار عمارت پر ڈالی تھی۔ ہاجرہ محل بلاشبہ پہاڑیوں کی چھاتی پر بنی قدرتی مناظر کی خوبصورتی میں ایک بے مثال اضافہ تھی۔ آحل کمال نے اسے آگے بڑھنے کو کہا تھا۔ مگر خود اس کے قدم رکے تھے۔

اس نے گردن کو بائیں جانب گھما کر دیکھا تھا۔ جہاں مالی بابا ان دونوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد آنکھیں میچ کر رخ پھیر گئے تھے۔

''آجائے جو وہ جا نہ سکے...... ابھی ہے جیون پہیلی یہاں...... الجھ جائے مگر سلجھا نہ سکے کوئی...... در و دیوار پر رقم عشق ہے...... عشق ایسا کہ حصار کو توڑ سکے نہ کوئی...... یہاں بکھری کہانی...... افسوس پڑھ سکے نہ کوئی......!''

نگران کی زبان نے عجب راگ الاپا تھا۔

جیسے وہ کسی انہونی کا پتہ دینا چاہ رہے ہوں۔ آحل کمال خان کو سخت کوفت نے گھیرا تھا۔ امریحہ وجاہت کے ماتھے پر بھی تعجب و ناگواری نے سلوٹیں پڑی تھیں۔

''مالی بابا...... کیا کہہ رہے آپ...... ڈرا رہے ہیں ہمیں......؟'' جبکہ اگلے ہی پل وہ غصے سے ان کی جانب بڑھا تھا۔

مالی بابا نے اپنی لہو رنگ آنکھیں کھولی تھیں۔

''میری اوقات کہاں کہ آپ کو ڈرا سکوں صاحب......!''

''پھر کیا تھا سب......؟''

''میں نہیں جانتا......!'' مالی بابا نے سرسری کہتے ہوئے قدم دوسری جانب بڑھا دیئے۔ آحل کمال خان امریحہ

کی وجہ سے انہیں روک نہ سکا۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں امریحہ...... تم چلو میں تمھیں سب سے ملواتا ہوں......!'' وہ واپس امریحہ کمال کی جانب مڑا تھا۔ شام کا پہر۔ اپنے تر خواص کے ساتھ ہاجرہ محل کی پُراسراریت کو خواب ناک رنگ میں رنگنے لگا تھا۔

....

آہل کمال امریحہ کو لے کر جیسے ہی اندر داخل ہوا سب آہل کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر چونک گئے۔

''یہ کون ہے۔؟''

سب سے پہلے نعیم نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ نعیم کے پوچھنے پر آہل نے مختصراً سب کو امریحہ کے بارے میں بتادیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ امریحہ تب تک ہاجرہ حویلی میں رہے گی جب تک اس کے لیے کسی اور محفوظ مقام کا بندوبست نہیں کرلیا جاتا۔

''ٹھیک ہے تو پھر امریحہ میرے ساتھ میرے ہی روم میں آجائے۔ اس طرح امریحہ کو بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوگا اور میری تنہائی بھی دور ہوجائے گی۔''

شزا نے آگے بڑھ کر امریحہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو باقی سب بھی اس کے فیصلے سے متفق نظر آنے لگے۔ یوں امریحہ کے لیے شزا کے کمرے میں جگہ بنادی گئی۔ شزا امریحہ کو لے کر بالائی منزل کی طرف بڑھنے لگی تاکہ اسے کمرہ وغیرہ دکھا سکے۔

راہداری سے گزرتے ہوئے اچانک شزا نے محسوس کیا کہ امریحہ کا ہاتھ دھیرے دھیرے کانپ رہا ہے۔

اس نے چونک کر امریحہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئی اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں ایک ہی نقطے پہ ساکت تھیں۔ شزا نے گھبرا کر اس کے تعاقب میں دیکھا تو خوف سے اس کی بھی چیخ نکل گئی۔۔ سامنے ہی امریحہ کی ہم شکل آدھے جلے ہوئے چہرے والی بدصورت لڑکی کھڑی تھی۔

چیخ کی آواز سن کر میں اور فیضان صاحب تہہ خانے سے بھاگتے ہوئے آئے۔

لیکن ہمارے آتے ہی وہ لڑکی فوراً غائب ہوگئی۔ شزا اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی لیکن امریحہ ابھی تک خوف زدہ تھی۔ میرے کہنے پر وہ امریحہ کو تسلی دیتے ہوئے اپنے روم میں لے گئی اور مختصراً محل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں بتا کر اپنے اعصاب پُرسکون رکھنے کی تاکید کی۔

دوسری طرف فیضان صاحب میرے ساتھ واپس تہہ خانے جاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولے۔

''آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گی یہ...... حویلی کے ہر فرد کے روپ میں آئے گی...... اپنا بدلہ لے کر رہے گی......''

جبکہ میں تو ان کی خود کلامی سن کر ہی پریشان ہوگیا اور آہل کے ساتھ مل کر اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے ایک نئے لائحہ عمل کے بارے میں سوچنے لگا۔

....

میں پریشانی میں ٹہلتا حاجرہ محل کے ہال کمرے آٹھہرا اور اس وقت بالکل تنہا کھڑا اپنی الجھنوں کا سرا ڈھونڈ رہا

تھا۔

پرانے طرز کا یہ ہال کمرہ میرے دادا پردادا کے دور میں بہت اہمیت کا حامل رہا ہوگا محل کے چھوٹے بڑے فیصلے یہیں انجام پاتے ہوں گے۔ میں نے اونچی چھت اور روشن دانوں کو دیکھ کر سوچا۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے یہاں مہمان بن کر کروفر سے بیٹھتے ہوں گے۔ پھر میں نے رنگین کھڑکیوں سے چھن چھن کر آتی دھوپ پر نظر دوڑائی

یہ ہال کمرہ محل کے وسط میں ایستادہ تھا دیواروں پر چاروں طرف میرے بزرگوں کی تصویریں قد آور فریموں میں آویزاں تھیں۔ میں اپنے دادا کی تصویر کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

ریشمی لباس پہنے گلے میں مالا ڈالے ایک ہاتھ اپنی چھڑی پر رکھے وہ تمکنت سے شاہی کرسی پر براجمان تھے۔ فراخ پیشانی، ذہانت سے بھرپور آنکھیں بڑی بڑی مڑی ہوئی مونچھیں اور بھرے بھرے ہونٹ، میں محویت سے ان کو دیکھنے لگا۔

یکایک مجھے محسوس ہوا ان کے گھنی مونچھوں تلے لب مسکرائے ہوں۔

میں چونک اٹھا پھر ایک قدم آگے بڑھ کر غور کیا۔ تصویر ساکت تھی۔

میں اپنے وہم پر مسکرا دیا۔

''تو عالیان صاحب اب آپ ایک سائیکی کیس بن چکے ہو۔'' دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

امریکہ کا پروردہ ایک سو کالڈ ایجوکیٹڈ بندہ حاجرہ محل میں آ کر پاگل ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے سر جھٹک کر پھر سے تصویر پر نگاہیں گاڑ دیں تاکہ اپنا وہم زائل کر سکوں۔ دفعتاً دادا کی ذہانت سے بھری آنکھوں نے جنبش کی اور ان کی پلکیں کسی زندہ انسان کی طرح جھپکنے لگیں۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا یکایک ان کی آنکھیں گہری سرخ ہوگئیں اور ان میں لہو سا تیرنے لگا پھر وہ خون دھیرے دھیرے لڑھکتا ان کے گالوں پر پھسلنے لگا، گالوں سے گردن پر اور پھر ان کی مالا کو بھگوتا ان کے ریشمی کپڑوں پر بہنے لگا۔

میں ہونقوں کی طرح منہ کھول کر یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

دھیرے دھیرے خون کی رفتار میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اب وہ دادا کے پیروں سے بہتا فریم سے نکل آیا تھا۔

سانپ کی طرح بل کھاتا لہو کا آبشار میرے پیروں سے آ ٹکرایا۔ میں اچھل کر دور ہٹا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا لیکن اس گاڑھے سیال سے پھسل کر منہ کے بل زمین پر جا گرا میرا چہرہ خون میں لت پت ہوگیا تھا۔ میرے ہونٹ اس غلیظ لہو کو زبان تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوئے۔ ایسا گندہ ذائقہ میں نے اب تک کی زندگی میں نہ چکھا تھا۔ بے اختیار مجھے ابکائیاں آنے لگیں۔

میں نے نعیم کو پکارنا چاہا لیکن اس گندے سیال نے میرے لب چپکا دیئے تھے کوشش کے باوجود زبان نہ کھلتی تھی۔

میں نے زور لگا کر اٹھنا چاہا مگر ناکام رہا خون کا تالاب سارے ہال کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔

حیرت کی بات تھی کہ ہال کے دروازے سے یہ باہر نہیں نکل رہا تھا۔ میں بار بار اٹھنے کی کوشش میں پھسل کر گر پڑتا تھا۔

کافی دیر اسی کشمکش میں گزار کر آخر میرے حوصلے جواب دے گئے تھے۔

''یا خدایا میری مدد کر۔'' میں نے بے بسی سے دل میں پکارا۔

۞............۞............۞

''ارسطو......ارسطو......کہاں ہو......؟''

دفعتاً میری سماعتوں سے مانوس آواز ٹکرائی تھی۔ جس نے میری بند ہوتی آنکھوں کو جبراً کھولنے پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ میں اس لمحے مکمل بے اختیار ہو چکا تھا۔

''ارسطو......!''

جبھی وہ مانوس آواز مجھے پہلے سے قریب گونجتی محسوس ہوئی تھی۔ میرے غور کرنے پر وہ آواز مجھے اٹھنے کی تقویت دے گئی تھی۔ میں اٹھ بیٹھا تھا۔

آنکھوں سے غنودگی و خمار اُتر چکا تھا۔ دروازے کے قریب گونجتی آصل کمال خان کی آواز مجھے حوصلہ دینے میں مددگار ثابت ہوئی تھی۔ میں نے ایک پُرخوف نظر کمرے میں ڈالی تھی۔ جہاں آناً فاناً گاڑھا سرخ سیال مقناطیسی کشش کے زیرِ اثر واپس فریم میں جا سمویا تھا۔ میرے جسم پر لگے خون کے دھبے غائب ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے چہرے کو چھو کر دیکھا میرے ہاتھ چہرے کو چھونے کے باوجود اس گندے بدذائقہ خون سے پاک تھے۔

میری سانسیں بحال ہو چکی تھیں۔ میں اگلے لمحے اپنی ٹانگوں پر کھڑا تھا۔

''ارسطو......'' آصل کمال خان ہال کے داخلی دروازے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے خود کو سرعت سے نارمل کر لیا تھا کہ جیسے ابھی یہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو......ساتھ ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

آصل کمال خان مجھے یوں دیکھ کر چونک گیا تھا۔

''یہاں کیا کر رہے تھے ارسطو......؟''

''کچھ خاص نہیں......بس ان یادگار تصویروں کو دیکھنے آیا تھا......آؤ تم بھی دیکھو......ہمارے آباؤ اجداد کی شاندار شخصیت کو......سبھی جمال و جلال سے مزین کمال کی شخصیت رکھتے ہیں۔ کتنا غرور ہے ان سب کی آنکھوں میں۔ جیسے کسی جنگ میں فتح یاب کوئی جنگجو ہو......چہرہ پر ایک شکن نہیں......نہ آنکھوں میں تلخی......نہ خوف......نہ ڈر......!'' میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری الجھی آنکھوں میں جھانک کر مجھ سے کچھ اگلوائے۔

میں اسے دادا پردادا کی تصویروں کے سامنے لے گیا تھا۔

''واقعی......!'' آصل کمال خان کی گہری آنکھوں میں ستائش نکھر کے سامنے آئی تھی۔

''کچھ تو بہت خاص ہے ان میں......ان کی تصویریں بھی گویا زبان کو بیان کی قائل ہیں......یوں لگتا ہے جیسے یہ کچھ کہنا چاہ رہی ہوں......!''

میں ابھی اسے واپس چلنے کا کہنا ہی چاہ رہا تھا۔

مگر اس سے پہلے وہ محویت سے دادا جان کی تصویر کو دیکھ کر عجیب الجھے انداز میں بولا تھا۔

''ایک داستان رقم ہے دادا جان کے چہرے پر......تم بھی دیکھو ارسطو......تمھیں نہیں لگتا ان کے لبوں پر الفاظ

منجمد ہیں......کوئی راز مچل رہا ہے......!''

آھل کمال خان مجھے حیرانگیوں کے حوالے کرنے لگا تھا۔

اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں جو میں نے خون کی آبشاریں بہتی دیکھی تھیں وہ آھل کمال خان نہ دیکھ لے......

میں اسے وہ سب نہیں دیکھنے دینا چاہتا ہے۔

''آھل......ابھی چلو یہاں سے......ہم بعد میں یہاں آئیں گے......!''

میری بات پر وہ حیرت سے میری جانب مڑا اس کے چہرے پر الجھن صاف نظر آ رہی تھی۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ یہ جان نہ جائے کہ میں اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں اسی لیے میں خود ہی جلدی سے اس ہال کمرے سے باہر نکل آیا۔ آہل بھی میرے پیچھے پیچھے باہر آ گیا اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں گم ہے۔ اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا لیکن پھر بھی میں سمجھ سکتا تھا اس وقت اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ ہم دونوں ہال کمرے سے نکل کر راہداری میں سے ہوتے ہوئے بالائی منزل کی طرف جا رہے تھے جب آہل ٹھٹک کر رک گیا۔

''ارسطو......!وہ دیکھو سلطانہ چچی۔'' اس نے کچن کی طرف جاتی سلطانہ چچی کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے اچنبھے سے آہل کی طرف دیکھا۔ سلطانہ چچی کا کچن کی طرف جانا کوئی ایسی غیر معمولی بات نہ تھی وہ کھانے پکانے کی بے حد شوقین تھیں اور اکثر کچن میں انواع واقسام کے پکوان پکاتی نظر آتیں۔ میں نے ایک بار پھر دیکھا تو اب کی بار میرا ماتھا بھی ٹھنکا۔ سلطانہ چچی کے ہاتھ میں گوشت کا ایک شاپر تھا۔

اصل میں چچی کے بارے میں گھر کا ہر ایک فرد یہ بات جانتا تھا کہ وہ ہر قسم کے گوشت سے الرجک ہیں۔

وہ ہر وہ کھانا بنانا پسند کرتی تھیں جس میں کسی قسم کا کوئی گوشت استعمال ہوتا تھا۔ کبھی مجبوری میں انہیں گوشت سے بنی کوئی ڈش بنانا بھی پڑتی تو ان کی حالت خراب ہو جاتی۔ گوشت کی ہلکی سی باس بھی ان کے نتھنوں سے ٹکرا جاتی تو انہیں ابکائیاں آنے لگتیں۔ آہل کے اشارہ کرنے پر میں وہاں سے کچن کی کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا تاکہ جان سکوں کہ کچن میں ہو کیا رہا ہے۔

کچن کی کھڑکی میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس سے کچن کا منظر واضح نہ سہی لیکن تھوڑا بہت نظر آ رہا تھا۔

کچن کے اندر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اندر چچی گوشت کو بھونتے ہوئے مسلسل اس میں سے بوٹیاں نکال نکال کر کھا رہی تھیں۔ آدھا گوشت تو وہ خود چٹ کر گئیں جبکہ باقی کا گوشت بھون کے ایک برتن میں ڈالا اور کچن کے کسی کونے میں چھپا کے رکھ دیا۔ میں فوراً وہاں سے آہل کے پاس آیا جو ابھی تک اسی جگہ کھڑا آس پاس کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا تاکہ اگر کوئی کچن کی طرف آنے لگے تو مجھے خبردار کر دے۔

میں نے آہل کو سارا قصہ سنایا

جسے سن کر وہ بھی بہت حیران ہوا پھر ہم نے چچی سلطانہ پر کڑی نظر رکھنا شروع کر دی۔

اس سے اگلے ہی دن جب رات کے کھانے کے بعد ہم دونوں بالائی منزل پہ اپنے اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے (فیضان عالم صاحب نے اس دن کے بعد مجھے تہہ خانے میں سونے سے منع کر دیا تھا) تو ہم نے دیکھا سلطانہ چچی تہہ خانے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جا رہی ہیں۔

ہم نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور بنا کوئی آہٹ کیے ان کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ چچی نے کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا ان کے ہاتھ میں کوئی شاپر بھی تھا۔ اندر جا کر وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگیں۔ آہل اور میں ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

تہہ خانے کے دروازے پر پہنچ کر ہم وہیں رک گئے اور اندر سے چچی اور فیضان عالم صاحب کی باتوں کی آواز سن کر ہم دونوں حیرت گنگ رہ گئے۔

"یہ بالکل تازہ گوشت ہے جو میں نے اپنے خاص ملازم سے منگوایا ہے......" سلطانہ چچی بولی تھیں۔

"آہا سلطانہ بیگم! آج تو دل خوش کر دیا آپ نے۔"

چچی کی بات کے جواب میں فیضان صاحب کی آواز سنائی دی تھی۔

"بس عالم صاحب اب کام مکاؤ جلدی۔" چچی نہ جانے کس کام کو نپٹانے کی بات کر رہی تھیں۔

"کیوں نہیں بی بی۔ اب دیکھنا میرے کمالات۔" جواباً عالم صاحب کا قہقہہ گونجا۔

پھر چچی کے قدموں کی آواز آنے لگی تو ہم دونوں وہاں سے تیز تیز چلتے باہر آ گئے۔

"یہ سلطانہ چچی راز دارانہ طریقے سے گوشت عالم صاحب کو کیوں پہنچا رہی تھیں؟" آہل نے الجھن سے مجھے دیکھا۔

"نہیں معلوم یہ کیا ماجرا ہے۔" میں نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا

"یار اس محل میں آ کر خاندان کا ہر فرد پُراسرار کیوں ہوتا جا رہا ہے؟" آہل جھنجھلایا

"جو باتیں ناقابلِ یقین ہیں وہ ہو رہی ہیں اب سلطانہ چچی کی گوشت سے رغبت ہی دیکھ لو۔" آہل نے پُرسوچ انداز میں خود کلامی کی جبکہ میں ذہنی اذیت کی گرفت میں آ چکا تھا۔

"آہل میرا ذہن بھی یہاں آ کر ناکارہ سا ہوتا جا رہا ہے۔" میں نے بے بسی سے اسے دیکھا

"یار تُو Chill کر۔ شکل دیکھی ہے اپنی ہر وقت بارہ بجاتی ہے چل بھاڑ میں ڈال سب باتوں کو۔"

آہل نے میرے گلے میں بازو ڈال کر مجھے بھرپور تسلی دی۔ وہ فطرتاً نڈر اور حالات کا مقابلہ کرنے والا شخص تھا میری طرح کسی چیز کو زیادہ دیر سر پر سوار نہ کرتا تھا۔

۞.........۞.........۞

آہل باتھ روم سے نہا کر نکلا تو اس کے ہونٹوں پر انگریزی گانے کی دُھن سیٹی کی صورت مچل رہی تھی۔ اپنے گھنے بالوں کو تولیے سے رگڑتا وہ بہت فریش ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا اس کا کسرتی جسم آئینے کو شرما رہا تھا۔ ہیئر برش پھیر کر اس نے بلوٹی شرٹ پہنی پھر بدستور گنگناتا کمرے سے باہر نکلا تھا۔ سامنے سے میں اُسے آتا دکھائی دیا

"ارسطو یار بڑی عمر ہے تیری ابھی تیرے کمرے میں آ رہا تھا۔" آہل پُرجوش سا بولا۔

میں نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔

"تیرا کچھ نہیں بن سکتا۔" آہل نے منہ بنا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک اٹھا

''کیا کہا؟''

''میں نے کہا۔ سرکار! محل کی الجھنیں پریشانیاں اپنی جگہ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں دنیا کی خوشیاں اپنے اوپر حرام کرلی جائیں۔ چل نعیم سے مل کر شکار وکار کا پروگرام بنائیں۔ یاد ہے ماضی میں ہمیشہ ہم سب یار ایسے ہی ایڈونچرز کرتے رہے ہیں''

آصل نے مجھے بغور دیکھ کر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

آصل جب سے پاکستان آیا تھا مجھے کو بے حد پریشان دیکھا تھا میں کچھ چھپانے کی کوشش میں بھی تھا مگر آصل کی زیرک نگاہی در پردہ واقعات کی کھوج لگا چکی تھی۔ بہر حال اپنے جگری یار کا یہ اضطراب اس سے دیکھا نہ گیا۔ میں ان چند مہینوں میں برسوں کا مریض دکھائی دیتا تھا میری آنکھوں کے گرد حلقے میری اس کی بے خوابی کی چغلی کھاتے تھے، پیلا مدقوق چہرا خوف زدہ سا وجود۔ آصل چاہتا تھا کہ اس محل کے عجیب وغریب ماحول سے نکل کر میں کچھ سیر تفریح کرلوں تو میری صحت پر مثبت تبدیلی رُونما ہو۔ آصل کی بات پر میں نے خالی نظروں سے اسے دیکھا

''یار یہ تو آج کل اتنا ''رسپانس لیس'' کیوں ہوتا جارہا ہے؟؟'' آصل بدمزہ ہو کر بولا۔

''چل نعیم کے ساتھ مل کر شکار کے پروگرام کو حتمی شکل دیں۔''

پھر آصل میرے شانے پر بازو پھیلا کر کچھ دور نعیم کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دونوں دروازے کے آگے آکر کھڑے ہوئے۔

''چیئر اپ یار۔''

آصل نے میرا کا شانہ دبا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

ہم دونوں اندر داخل ہوئے نعیم کا بیڈ خالی تھا اور وہ بائیں ہاتھ اسٹڈی ٹیبل کے سامنے سر جھکائے بیٹھا غالباً کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ آصل نے آنکھوں میں شرارت سمو کر میرے لبوں پر انگلی رکھی اور دبے قدموں نعیم کی طرف بڑھا۔ ارادہ اس کو زوردار طریقے سے ڈرانے کا تھا۔ آصل نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کیے اور نعیم کی پشت پر جھکا اور ہاؤ کرنے کے ارادے سے چیخنا چاہا لیکن آواز اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔

اس کی آنکھوں میں شرارت کی جگہ استعجاب آٹھہرا۔

نعیم ایک لینڈ اسکیپ پیپر ٹیبل پر بچھائے اس پر چھوٹے سے چاقو کی مدد سے کراس کے نشانات بنا رہا تھا......

اور چاقو جس لال روشنائی میں ڈوبا ہوا تھا وہ اور کہیں سے نہیں بلکہ نعیم کی کلائی سے بھری جارہی تھی۔

آصل کو چند لمحوں کے لئے سکتہ سا ہو گیا تھا۔

''نعیم......کیا کر رہے ہو تم......؟''

اس کی کلائی خون سے تر تھی۔ ہم دونوں سراسیمگی اس کے قریب ہوئے تھے۔ آصل کمال خان نے اس کے ہاتھ سے چاقو لے کر پٹخا تھا۔ نعیم ہم دونوں کو سامنے پا کر گویا بے بس ہوا تھا۔

''میں بھی مر جاؤں گا......۔ آج میری گردن کی جگہ وار کلائی پر ہوا ہے...... وہ کسی کو نہیں چھوڑیں گے......!'' اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

لہجے میں خوف وہراس کی لہر تھی۔ آواز کپکپاہٹ کا شکار تھی۔

''کون...... کس کی بات کرر ہے ہو تم نعیم......؟''

میں اپنے ساتھ ہوئے حادثات کے بعد نعیم کو کرب میں دیکھ کر بیقرار ہوا تھا۔

''میں نہیں جانتا......!'' اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

چہرہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

''ٹھیک ہے مگر تم...... یوں کیوں بیٹھے ہو...... اٹھو میں تمہاری بینڈیج کرتا ہوں.... کتنا خون بہہ چکا ہے......!'' میں نے پھرتی سے الماری کی طرف بڑھ کر فرسٹ ایڈ باکس نکالا تھا۔

''میرا دل بہت گھبرا رہا ہے عالیان......!'' میں اس کے سامنے دوزانو بیٹھا خون صاف کرنے کے بعد بینڈیج کرر ہا تھا جب نعیم بیچارگی سے بولا تھا۔

''ہوا کیا تھا نعیم......؟'' جواباً میرے جواب دینے سے قبل آحل کمال نے سنجیدگی سے بات بدل کر اسے سوالیہ دیکھا تھا۔

نعیم نے اس کے سپاٹ سوال پر بغور اسے دیکھا تھا۔

''میں بیڈ پر لیٹا تھا...... مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ مجھے لگا عالیان یا تم ہو گے۔ میں اٹھ کر دروازے تک گیا۔ مگر مجھے میری پشت پر کسی نے زوردار دھکا دیا۔ میں لڑکھڑایا...... لیکن میرے سنبھلنے سے قبل ہی اس شخص نے مجھ پر چاقو سے وار کیا۔ وار اتنا شدید تھا کہ چاقو میری کلائی میں ہی اٹک گیا۔ میں نے شدید درد کے باوجود پلٹ کر اس شخص کو دیکھنا چاہا مگر وہ اس کھڑکی سے چھلانگ لگا چکا تھا۔ افسوس میں اسے دیکھ نہ سکا...... لیکن تکلیف بہت زیادہ تھی...... میرے منہ سے دردناک چیخ سن کر آپا بھی کمرے میں چلی آئی تھیں...... مجھے دیکھ کر وہ بہت گھبرا گئی تھیں۔ بہت رو رہی تھیں...... میں اپنی وجہ سے انہیں پریشان اور روتا دیکھ کر بے بس ہو چکا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ کسی اور کو پتہ چلے...... آپا کچن میں میرے لیے پین کلر لینے گئی ہوئی ہیں...... بس ابھی آتی ہی ہوں گی......!'' نعیم نے درد کی شدت کے باوجود اٹک اٹک کر بتایا تھا۔

ان دونوں کے لیے اس وقت کسی کا کھلے عام نعیم کے کمرے میں آنا اور اس پر چاقو کا بدترین وار کرنا حیران کن تھا۔

''لیکن تم چاقو سے نشان کس لیے بنا رہے تھے......؟'' آحل نے ذہن میں الجھتی اس کی پہلی طمانیت بھری جھلک کے بارے میں پوچھا تھا۔

''درد برداشت نہیں ہو رہا تھا...... تکلیف کم کرنے کے لئے غبار نکال رہا تھا...... خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے ہر حالات کا مقابلہ کرنا ہے...... ایسی چھوٹی موٹی چوٹوں سے ڈرنا نہیں چاہتا آحل......!''

وہ لہجے کو مضبوط کرنے کی کوشش میں آحل کمال کی آنکھوں میں بغور دیکھتا وثوق سے بولا۔

اسی لمحے ثوبیہ آپا کمرے میں ٹرے لیے داخل ہوئی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ نعیم کے ساتھ ہم دونوں کو دیکھ کر چونکی تھیں۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو......؟" آپا نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا
"کچھ نہیں بس وہ ایک پروگرام ترتیب دیا تھا، نعیم کو اس میں شامل کرنے کے لیے یہی کہنے آئے تھے لیکن اسے یہاں زخمی دیکھا تو بینڈ تیج کرنے کے لیے رک گئے۔"
آھل کمال نے سوچتی ہوئی نظروں سے آپا کو دیکھ کر جواب دیا......
"ہاں...... ہاں میں بھی بس ابھی اس کے پٹی ہی کرنے والی تھی یہ بس شربت لے کر آئی تھی اس کے لیے تاکہ خون نکلنے سے جو بلڈ لاس ہوا ہے اس ویک نیس کو دور کرنے کے لیے۔" انہوں نے لال رنگ کے شربت کی طرف اشارہ کر کے جیسے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔
"اوہ...... میں ٹیبلٹ تو کچن ہی میں بھول کر آگئی، ابھی لے کر آتی ہوں۔" آپا نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے جیسے خود کو سرزنش کی اور جانے سے پہلے عجیب نظروں سے نعیم کو دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔
آھل کمال نعیم اور آپا دونوں کی وضاحتوں سے مطمئن نہیں ہوا تھا لیکن اس نے کسی پر کچھ جتا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ ان دونوں کی باتوں پر یقین نہیں کر پا رہا...... ادھر میں اس سب صورتِ حال سے کچھ بے چین لگ رہا تھا۔
"چل یار عالیان چلتے ہیں، نعیم کو اس وقت آرام کی ضرورت ہے...... اچھا نعیم تم اب آرام کرو ہم بعد میں آ جائیں گے"...... آھل نے جلدی سے عالیان کا ہاتھ پکڑا اور نعیم کے روم سے باہر آ گیا۔
"مجھے تو دونوں میں سے کسی کی بات پر یقین نہیں آیا۔" میں نے باہر نکل کر کہا۔
"ہمم"...... آھل نے پُرسوچ نظروں سے ہنکارہ بھرا۔
"عالیان تم روم میں چلو، میں بس ایک کام کر کے ابھی آیا۔" آھل عجلت سے کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
آھل بہت آہستگی سے قدم اٹھاتے ہوئے کچن کی طرف آیا اور ایک چھوٹے سے سوراخ سے کچن کے اندر کا منظر دیکھا...... تو اچنبھے سے اس کی تیوریاں سکڑ گئیں...... آپا بیگم اِدھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھتی ہوئی وہی لال شربت اب سینک میں بہا رہی تھیں......... آھل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر وہ یہ شربت واقعی نعیم کے لیے لائی تھیں تو ان کے سامنے اسے پینے کو کیوں نہیں دیا اور اب وہ اسی شربت کو ضائع بھی کر چکی تھیں......
آھل اس گتھی کو سلجھانا چاہتا تھا لیکن یہ اور الجھتی ہی جا رہی تھی۔

✿..........✿..........✿

یہ سب کچھ بہت عجیب تھا اور آھل کمال خان اس حقیقت کی تہہ تک پہنچتے ہوئے الجھنے لگا تھا۔ وہ مائینڈ اور موڈ تبدیل کرنے کو باہر نکلا تھا جہاں اسے ڈاکٹر امریحہ وجاہت دکھائی دی تھی۔
"آپ کو اس علاقے سے عشق ہو گیا یا یہ علاقہ آپ کو جانے نہیں دے رہا؟" آھل مسکرایا تھا اور وہ بھی مسکرائی تھی۔
"میں جانا چاہتی تھی مگر میری جاب یہاں ہاسپٹل میں لگ گئی تھی اور میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میں ایسے

areas rural کے لئے کام کروں میری NGO's کا پروجیکٹ بھی یہی ہے سو میں یہاں رک گئی۔'' وہ پُرسکون انداز سے مسکرائی تھی اور تبھی میں نے پوچھا تھا۔

''اور تمہارے سوتیلے ڈیڈ؟''

''ان کے لیے جو ضروری تھا وہ میں نے ان کو دے دیا۔'' وہ بے فکری سے مسکرائی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ اور امریحہ مسکرادی تھی۔

''انھیں میری تمام جائداد چاہئے تھی، خبر ہوئی می بھی ان کے ساتھ ملی ہوئی تھیں، بہت افسوس ہوا مگر پھر reality ماننا پڑی کہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقت روپیہ پیسہ اور جائداد ہے اور رشتے کچھ نہیں سو میں نے سب دے کر اپنی آزادی ان سے لی، دکھ ہوا مگر میں اب مطمئن ہوں۔'' امریحہ وجاہت مسکرائی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی جسے چھپانے کے لئے وہ کھل کر مسکرادی تھی۔

آہل کمال خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''جان کر افسوس ہوا مگر تم ایک خوبصورت اور بہادر لڑکی ہو تم نے بالکل ٹھیک کیا وہ رشتے کسی کام کے نہیں تھے سو ان کو رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔'' آہل نے اس کی ہمت بڑھائی تھی۔

اس شام وہ کافی لمحوں تک ساتھ رہے تھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے تھے۔

امریحہ واقعی بہادر اور ہمت والی لڑکی تھی۔ آہل سے سب شیئر کرنے کے بعد جیسے وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔

آہل کو وہ لڑکی اچھی لگی تھی۔ امریحہ وجاہت کو بھی آہل کمال میں دلچسپی محسوس ہورہی تھی۔ حاجرہ محل میں اسی کشش کی وجہ سے وہ رہائش پذیر تھی ورنہ کسی اور جگہ رہنا اس کے لئے مسئلہ نہ تھا۔ لیکن یہاں کئی لوگوں کے رویے بہت عجیب تھے جن میں سرِ فہرست سلطانہ چچی اور ان کی بیٹی جو آپا کے نام سے پہچانی جاتی امریحہ کو بالکل پسند نہ کرتی تھیں۔ امریحہ وجہ جاننے سے قاصر تھی۔

ابھی بھی وہ نک سک سے تیار ہوکر ہاسپٹل جانے کے لئے نکل رہی تھی کہ آہل سے ملاقات اور باتیں یاد کرکے آپ ہی آپ مسکرادی۔

''آہل کی باتیں بھی کتنی دلچسپ ہوتی ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے آہل کو سوچتی باغ کی طویل روش پر چلی جارہی تھی کہ کسی سے بری طرح ٹکراگئی۔ سامنے حاجرہ محل کا ملازم بوکھلایا کھڑا تھا اس تصادم میں ملازم کے ہاتھ سے ایک شاپر چھوٹ کر زمین پر جاگرا تھا۔

یہ کچھ دوائیں تھیں جو چھناکے سے ٹوٹی تھیں اور اب ان کا سیال شاپر سے ابل کر زمین پر پھیل رہا تھا۔

''اوہ۔ یہ کیا ہوا؟'' امریحہ نے بے اختیار زمین پر اکڑوں بیٹھ کر شاپر کو اٹھالیا

''نہیں بی بی جی! آپ چھوڑیں میں اٹھالوں گا۔'' ملازم گھبرا کر شاپر پر جھپٹنے لگا۔

''ہٹو پرے مجھے دیکھنے دو کتنی دوائیں ضائع ہوگئیں۔'' امریحہ نے اسے ڈپٹ دیا پھر شاپر کھول کر ٹوٹی ہوئی سیرپ وغیرہ کی شیشیاں نکالنے لگی۔ ان میں کچھ ٹیبلٹس کے پیکٹ بھی تھے جو دواؤں کے سیال سے بھیگ گئے تھے۔ امریحہ

پیکٹس سے ٹیبلٹس کو نکالنے لگی تا کہ اندر تک وہ خراب نہ ہوں۔

دفعتاً وہ ٹیبلٹس کا نام پڑھ کر چونکی پھر دوسرا پیکٹ اٹھایا اور صاف کر کے اس کا نام پڑھا تو اس کی آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

''یہ دوائیں کس نے منگوائی ہیں۔؟'' امریحہ نے سخت نظروں سے ملازم کو دیکھا۔

''وہ۔وہ'' ملازم نے تھوک نگلی۔

''بتاؤ مجھے یہ اتنی خطرناک دوائیں کس نے کہا تمہیں لے کر آنے کے لئے؟'' وہ اب اٹھ کھڑی ہوئی اور ملازم سے کڑے انداز میں پوچھا۔

''بی بی جی! وہ میں۔'' ملازم سخت بے بس نظر آیا۔امریحہ کی الجھن بڑھ گئی۔

''سچ بتاؤ ورنہ انجام برا ہوگا۔'' امریحہ کی دھمکی نے اثر دکھایا۔

ملازم نے لرزتے ہوئے لب کھولے تھے کہ اتنے میں آپا کی گرجدار آواز سنائی دی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں۔؟'' ملازم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریحہ کے ہاتھ سے شاپر جھپٹ لیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔امریحہ نے بے بسی اور غصے کی ملی جلی کیفیات سے،موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگتے ملازم کو دیکھا اور آپا کی طرف پلٹی۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں اور یہ تم ملازم کو کیوں ڈانٹ رہی تھی۔مہمان ہو اس گھر میں مہمان بن کر ہی رہو......؟''

آپا نے قریب آتے ہی امریحہ پہ غصیلے لہجے میں تنقید کی تو ایک لمحے کے لیے وہ آپا کے ردعمل پہ حیران ہوئی دوسرے ہی پل اس کی خوبصورت آنکھوں میں موتی چمکنے لگے اور وہ جذباتی لہجے میں بولی۔

''آپا...... میں جانتی ہوں ہاجرہ محل میں، میں ایک مہمان کی حیثیت سے ہی رہ رہی ہوں اور جلد یا بہ دیر میں نے یہاں سے چلے ہی جانا ہے لیکن ان چند دنوں میں آپ سب کے پیار محبت اور اپنائیت کے پُرخلوص اظہار نے مجھے آپ کا احسان مند کر دیا ہے۔میں کبھی بھی یہ نہیں چاہوں گی کہ ہاجرہ محل کے کسی فرد کے ساتھ کچھ برا ہو......لیکن آپ یقین کریں ابھی ابھی میں نے ملازم کے ہاتھ میں Ativan، diazepam اور xanax کی ٹیبلیٹس دیکھی ہیں۔اور میرے خیال سے اس گھر میں کسی کو یہ ٹیبلیٹس استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے......

یہ ٹیبلیٹس غنودگی کا باعث بنتی ہیں دماغی صلاحیتوں کو متاثر کر کے نیند کو ختم کر دیتی ہیں اور سب سے بڑی بات ان کو استعمال کرنے والا ان کا عادی ہو جاتا ہے......''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب اپنی ڈاکٹری ہم پہ نہ جھاڑو...... ہم پوچھتے ہیں ملازم سے......''

آپا یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں. جبکہ امریحہ وہاں کھڑی آپا کے اتنے نارمل ری ایکشن پہ حیران و پریشان رہ گئی۔

''میرے خیال سے مجھے ان میڈیسنز کے بارے میں آنل سے بات کرنا ہوگی اور پتا چلانا ہوگا کہ یہ میڈیسن ہاجرہ محل میں کون استعمال کر رہا ہے۔؟؟'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی اور ہاسپٹل جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔

آہل جو ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے باہر لان جانے کا ارادہ رکھتا تھا شہزا کے کمرے کی طرف جاتے نعیم کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ یہ نعیم صبح صبح شہزا کے روم میں کیا کرنے جا رہا ہے ..اس نے مشکوک انداز میں سوچا......

آہل کی جگہ اگر اس وقت وہاں میں ہوتا تو اس بات کو بہت عام انداز میں لیتا لیکن یہ آہل کمال تھا جو ہر ایک بات کو بہت باریک بینی سے سوچا کرتا تھا۔اس وقت آہل کے دماغ میں نہ جانے کیا سمایا کہ وہ نعیم کے پیچھے پیچھے شہزا کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا...... اور دروازے پر پہنچ کر دروازے سے کان لگا کر اندر سے آنے والی شہزا اور نعیم کی باتوں پہ غور کرنے لگا لیکن کافی کوشش کے باوجود وہ کچھ نہ سن سکا تو وہاں سے ہٹ گیا......

✿..........✿..........✿

''یار ارسطو...... تجھے ہو کیا گیا ہے؟ اتنا سُست سُست رہتا ہے آج کل تو...... اگر ہاجرہ محل میں ہونے والے واقعات تمہاری پریشانی کا باعث بن رہے ہیں تو پریشان مت ہوا کر و یار آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فیضان صاحب کو بھی ہم نے اس سے اگلے دن فارغ کر دیا تھا...... سلطانہ چچی بھی ہمارے اس دن کے سوالات و تفتیش سے تنگ ہو کر فی الحال شہر چلی گئی ہیں۔ باقی سب بھی ٹھیک جا رہا ہے...... پھر آخر تمہاری اس سُستی اور غائب دماغی کی کیا وجہ ہے......؟؟''

آہل نے ہال کمرے میں اپنے ساتھ صوفے پہ بیٹھے مجھے غائب دماغی سے سامنے لگی تصویر کو تکتے ہوئے دیکھا تو فکر مندی سے پوچھا۔

میں نے آہل کے فکر مند لہجے پر ایک لمحے کو تو چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہوں میں یار بس تیری طرح آئرن مین نہیں ہوں''

''ٹھیک ہے یار اب آئرن مین نہ سہی لیکن اتنا لیزی تو تو بھی کبھی نہیں تھا۔''

''میں تھکنے لگا ہوں آہل......!''

آہل کمال خان کی بات پر میں نے تھکاوٹ سے بھرپور مگر سنجیدہ لہجے میں یو کہا۔ آہل نے بغور جانچتی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں...... لیکن یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے نہ کوئی الجھا بھنور کہ تم اس تھکاوٹ سے نکل نہ سکو...... قصور تمہارا اپنا ہے۔ جب سے آئے ہو محل کی چار دیواری میں خود کو قید کر کے بیٹھے ہو...... آس پاس اتنے حسین، زندگی کا احساس دلاتے خوشنما نظارے ہیں کہ کوئی خود کو ان کے حصار سے باہر نہ نکال سکے......!'' آہل مجھے ایک ہی مخصوص کیفیت میں دیکھ کر مزید گھن چکر میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

وہ ایسا بالکل بھی نہ تھا۔

زندگی سے قریب...... زندگی کو اس کی تمام تر خوبصورتی سے جینے والا ایک بھرپور لڑکا تھا۔ جس کے گرد محبت و قہقہوں کے حصار رہتے تھے۔ جو الجھنوں سے بے فکر...... رہتا اور چاہتوں کے سنگ جینے کا عادی تھا۔

''میں اب بھی ایک حصار میں قید ہوں......!'' میں بجھے لہجے میں بولا۔

"تم سوچتے بہت ہو شاید اس لیے......!" آحل سمجھدار تھا۔ واضح کہا۔

"سوچ کوئی روپ نہیں رکھتی...... اور میری آنکھیں کئی بھیانک روپ دیکھ چکی ہیں......!" میں سخت کوفت کا شکار بہت کرب جھیل رہا تھا۔

"اور اگر میں کہوں کہ وہ تمھارا وہم بھی ہو سکتا ہے تو......؟" آحل کمال نے سوالیہ اسے دیکھا۔

میں نے کندھے اچکائے۔

"وہم نہیں ہو سکتا...... اور اب تو میرا ذہن اس بدروح کے الفاظ میں جکڑا ہے...... نہ جانے وہ کون سے بدلے کی بات کر رہی تھی......!"

بلیوں کے مرنے کا معمہ حل نہیں ہو سکا تھا۔ بدروح کا انتقام بھی سوالیہ لٹک رہا تھا۔

آحل کو میری یہ بات احمقانہ لگنے کے باوجود چپ رہنے پر مجبور کر گئی تھی۔ مجھ جیسے بندے کا روح کے چکر میں پڑنا نا قابلِ یقین تھا۔ کچھ ہی دیر میں نعیم بھی ہماری کی طرف آ نکلا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے نعیم......؟" میں نے اس کے بیٹھتے ہی اس کی کلائی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اب درد کم ہے......!"

"بس پھر آئندہ دھیان رکھنا......!" آحل نے تاکید کی۔

اس نے مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا خیال ہے گائز...... کرکٹ کھیلیں...... کافی عرصہ ہو گیا۔ ایک ساتھ کھیلے......!" آحل نے ہم دونوں کی سستی ڈیٹینشن دور کرنے کے لیے لہجے میں بھرپور انرجی سمو دی تھی۔

جس پر ہم دونوں نے ہامی بھری تھی۔

ہاجرہ محل کی فضاؤں میں بوریت واسرار اس کی خوبصورتی کو ماند کر رہا تھا۔ جس سے فرار کی راہ نکالنا از حد ضروری تھا۔

"ٹھیک ہے...... تم دونوں بھی تیاری پکڑو میں دانیال اور باقی سب کو بلا کر لاتا ہوں...... آج بہت مزا آنے والا ہے......!" ہم دونوں کی ہاں کے ساتھ ہی آحل کمال خان خوشی و جوش سے بولا تھا۔

"یاد ہے تمہیں آحل، آخری دفعہ ہم سب کا کرکٹ میچ ہوا تو تم نے کتنا تھکایا تھا ہم سب کو۔ کتنی مشکل سے آؤٹ ہوئے تھے ...... ایسے ہی تو میں تمہیں آئرن مین نہیں کہتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے آحل سے کہا......

پرانی یادیں ایک دم کسی تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح ثابت ہوئیں میرے اعصاب پر، وہ جو بے وجہ سی تھکاوٹ اور پژمردگی محسوس کر رہا تھا، ایک دم وہ کہیں دور بھاگ گئی۔

"ٹھیک ہے آحل چلو آج پچھلی دفعہ کا بدلہ اتار ہی لیا جائے۔" میں نے احل کے کندھے پر ہاتھ مار کے کہا۔

"کیوں نعیم ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں......؟ آج اس سے بدلہ چکانے کا دن ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے نعیم کو بھی گفتگو میں گھسیٹا جو پتہ نہیں اپنی کس سوچ میں گم تھا اپنا نام سن کر ایک دم چونکا۔

"ہاں...... ہاں بالکل۔"

ابھی ہم تینوں یہی باتیں کر رہے تھے کہ سامنے سے سہیل چاچو آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

''کیوں بھئی ینگ مین...... کیا باتیں ہو رہی ہیں...... ؟ بڑی رونق لگا رکھی ہے سب ہی ادھر ہیں۔''

سہیل چاچو نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''جی چاچو...... آہل کرکٹ میچ پلان کر رہا ہے ابھی...... آج ہم اسے آؤٹ کر کے ہی دم لیں گے۔''

میں نے خوشگواریت سے کہا۔

''ارے واہ...... یہ تو بہت اچھا ہے...... کافی دن سے کوئی ایکٹیویٹی نہیں ہوئی نہ دیکھی...... بھئی ہم بھی یہ میچ دیکھیں گے...... بلکہ بھئی اگر کوئی پلیئر کم پڑتا ہے تو ہمیں بھی کھلا لو۔'' سہیل چاچو نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

''میں بھی کھیلوں گا...... میرے پاس تو بیٹ اور بال بھی ہے''...... ذیشان نے خوشی سے اچھلتے ہوئے

کہا۔

''ٹھیک ہے...... پھر ایسا کرو آہل اور عالیان تم مالی بابا سے جا کر کہو کہ وہ لان کو ذرا صاف کر دیں اور اگر لان میں گھاس زیادہ ہو تو اس کی کٹنگ بھی کروا دینا تم اپنی نگرانی میں۔''

سہیل چاچو نے وہاں سے اٹھتے ہوئے آہل اور مجھے ہدایات دیں

''مالی بابا گاؤں سے واپس آ گئے کیا سہیل چاچو؟'' میں نے چونک کر استفسار کیا۔

مالی بابا اپنے کسی عزیز کی وفات پر بیوی بچوں کے ساتھ چند دن کے لیے گاؤں گئے ہوئے تھے۔

''ہاں کل ہی واپسی ہوئی ہے اس کی...... شاید کچھ طبیعت خراب تھی ہلکا سا بخار، اسی لیے آج نظر نہیں آ رہا...... میری طرف سے مالی بابا کا حال بھی معلوم کر لینا۔''

چاچو نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے مزید کہا۔

''چلو جوانو پھر تیار ہو جاؤ کرکٹ میچ کے لیے...... ذرا آج دو دو ہاتھ ہو جائیں۔'' آہل جوش سے بولا۔

''پہلے مالی بابا سے تو کام کروا لیں لان کا...... پھر کر لینا دو دو ہاتھ۔''

عالیان نے جواباً کہا اور آہل کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا پھر مالی بابا کو بلانے کے لیے ان کے کوارٹر کا رخ کیا۔

۞..........۞..........۞

میں اور آہل اپنی دھن میں باتیں کرتے مالی بابا کو بلانے کے لیے کوارٹر کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک آہل ٹھٹک کر رک گیا...... اس کے یوں رکنے پر میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا...... سامنے کا منظر اسے بھی چونکانے کے لیے کافی تھا...... سامنے شزا مالی بابا کے کوارٹر کے عقب میں زمین پر بیٹھی کچھ کر رہی تھی اس کی ہم دونوں کی پشت تھی جس کی وجہ سے اسے ہم دونوں کی آمد کا پتہ نہیں چلا......

''تم یہاں کیا کر رہی ہو شزا؟''

آہل نے اس کے سر پر پہنچ کر اچانک اس سے سوال کیا...... شزا آواز پر ایک دم گھبرا کر اچھلی......

''میں...... میں...... تم لوگ کیا کر رہے ہو ادھر؟'' شزا نے جواب دیتے دیتے خود ہی ہم سے سوال کر لیا۔

''ہم مالی بابا کو بلانے آئے تھے شزا'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں ادھر ذرا واک کرنے آئی تھی ...... سامنے کوارٹر کے عقب میں پھول دیکھے تو ان کا گلدستہ بنانے کے لیے ابھی انہیں توڑنے زمین پر بیٹھی ہی تھی کہ تم نے اچانک آ کر مجھے ڈرا دیا۔''

شزا نے خفگی سے کہتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ جبکہ آہل خاموشی سے جانچتی نظروں سے شزا کے چہرے کا ایک ایک تاثر نوٹ کر رہا تھا۔

''اچھا تو یہ گلدستہ تم میرے لیے بنا رہی تھی۔'' میں نے شوخی سے کہتے ہوئے شزا کو چھیڑا۔

''منہ دھو رکھو ...... بہت خوش فہم ہو تم۔'' شزا نے جان بوجھ کر مجھے تنگ کیا ......

''تم دونوں باتیں کرو میں ذرا مالی بابا کو بلا کر لاتا ہوں۔''

جیسے ہی اس نے دروازہ ناک کرنے کے لیے اس پر ہاتھ رکھا تو دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔

آہل کا ارادہ بغیر اجازت اندر جانے کا نہیں تھا مگر کچھ سوچ کر دبے قدموں وہ دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

اندر کسی ذی روح کا کوئی وجود نظر نہیں آتا تھا۔

ہر طرف گہری خاموشی تھی، آہل سامنے والے کمرے کی سیدھ میں چلتا آگے گیا تو ایک کمرے سے ہلکی سی کھٹ پٹ کی آواز آ رہی تھی وہ اسی نیم وا دروازے کی طرف بڑھا تو سامنے مالی بابا ایک دو صندوق کھولے ...... پریشانی سے کوئی چیز تلاش کر رہے تھے ...... کبھی وہ ایک صندوق الٹ پلٹ کرتے تو کبھی دوسرے صندوق کی چیزیں ادھر اُدھر کر رہے تھے جیسے انہیں کچھ مل نہ رہا ہو جو وہ ڈھونڈنا چاہ رہے تھے۔

آہل نے پہلے سوچا کہ وہ انہیں آواز دے لے لیکن پھر وہ دوبارہ مین دروازے کی طرف واپس لوٹ گیا اور دوازے کو کھول کر اس نے ہیں کھڑے کھڑے مالی بابا کو آوازیں دینا شروع کر دیں جیسے وہ ابھی دروازہ کھول کے اندر آیا ہے۔

اپنے نام کی پکار سن کر مالی بابا فوراً باہر آئے تو ان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑی ہوئی تھیں۔

''آپ ...... آپ آہل صاحب یہاں۔؟''

''ہاں ...... مالی بابا میں آپ کو بلانے آیا تھا لان میں کچھ کام ہے ...... دروازہ کھلا ہوا تھا تو ابھی اندر چلا آیا۔''

آہل نے لہجہ نارمل رکھتے ہوئے جواب دیا

''اچھا اچھا ...... میں بس ابھی آتا ہوں ......''

....

میچ سے قبل انتظامات نعیم، دانیال اور میں نے کرنے کا ذمہ اٹھا لیا تھا۔ جبکہ آہل موقع ملتے ہی امریحہ وجاہت کے پاس آیا تھا۔

''امریحہ...... مجھے تمھاری ہیلپ چاہیئے!''

بہت سوچنے کے بعد آہل کمال خان حتمی فیصلہ تک رسائی کے بعد امریحہ وجاہت کے سامنے تھا۔ وہ اسے ضروری بات کا کہہ کر ہاجرہ محل سے پندرہ منٹ کی واک پر مصنوعی جھیل کے پاس لے آیا تھا۔ جہاں ان دونوں کے علاوہ اور

کوئی نہیں تھا۔

آحل کمال خان کی بات پر امریحہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''امریحہ......اب تک تم محل کی صورت حال کے بارے میں کچھ نہ کچھ جان گئی ہو۔ میں حیران ہوں کہ سب کیسے آنکھوں پر ہاتھ رکھے صرف وہ تماشہ دیکھ رہے ہیں جو انہیں دکھانے کی کامیاب کوشش کی جارہی ہے۔'' وہ بولا تھا۔

''بالکل آحل...... یہ میرے لیے بھی بہت اچنبھے کی بات ہے۔'' امریحہ وجاہت شروع دن سے ہاجرہ محل کے درودیوار پر دانستہ طاری دحشت سے کئی وسوسوں کا شکار تھی۔ اس دن ملازم کے ہاتھوں نشہ آور ادویات اور پھر بڑی آپا کا رویہ اسے ہاجرہ محل کے مکینوں کے لیے تجسس کے حوالے کر چکا تھا۔

اسے ہر ایک چہرہ......نقاب پوش لگتا، جیسے کوئی بھید چھپائے بہروپیا بنا ہو۔

''مجھے سو فیصد یقین ہے امریحہ کہ اس شاندار محل میں کوئی بھوت پریت یا آسیب کا چکر نہیں ہے...... مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی یہاں ہم لوگوں کے واپس آنے سے ناخوش ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم ہاجرہ محل سے واپس چلے جائیں......کوئی تو ہے جو ان بھول بھلیوں کی اوٹ میں بھیانک کھیل رچا رہا ہے......؟'' وہ اصلیت سے ناواقف ظاہری واقعات کو جھٹلا رہا تھا۔

اس کے دماغ میں انکار تھا۔ جستجو تھی حقیقت جان لینے کی۔

آنکھوں دیکھا سب، مشکوک تھا۔ سب فریب تھا۔

اسے اصل چہرہ اور اس چہرے کے پیچھے چھپی اس سوچ و وجہ کی تلاش تھی جو ہر گھڑی کو الجھا رہی تھی۔

اور اس وقت واحد امریحہ وجاہت ہی تھی جو اس کی مدد کر سکتی تھی۔

''کون ہو سکتا ہے وہ......؟'' امریحہ خود پر کیے اس کے احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے اس کا ساتھ دینے کو تیار تھی۔

''مے بی نعیم......!''

آحل کمال خان نے بے ساختہ جواب دیا تھا۔

''نعیم......؟؟؟'' جس پر امریحہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

آحل نے لب بھینچے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''آحل مگر وہ کیسے......؟''

''اس دن نعیم نے بازو پر لگے زخم کو خود پر کسی کے حملے کی وجہ بتایا مگر جب ہم اس کو بلانے گئے تھے تب وہ بہت پُرسکون، طمانیت سے بیٹھا اسی چاقو سے کراس کے نشان لگا رہا تھا......اور یہی نہیں جب عالیان اس کے بازو پر بینڈ یج کر رہا تھا تب میں نے اس کے بازو پر ویسے ہی مزید کٹ کے نشان دیکھے تھے...... جو پرانے تھے...... میں نہیں جانتا کہ وہ نشان کب اور کیسے اس کے بازو پر آئے نہ میں نے اب تک اس سے پوچھا مگر اس کے بعد سے وہ مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے ......حالانکہ یو کے میں وہ کبھی ایسا نہیں تھا......!''

آحل کمال خان نے وضاحت سے بتایا تھا۔

امریحہ سن کر شاکڈ تھی۔

''میرا اس پر شک ٹھیک ہے یا محض میرا وہم...... مگر میں بات کی اصل تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ ہاجرہ محل مجھے بہت عزیز ہے...... میرا دل ہاجرہ محل کے درودیوار میں دھڑکتا ہے...... یو کے میں مجھے کبھی ایسا فیل نہیں ہوا لیکن ہاجرہ محل آنے کے بعد میری انسیت عروج پر پہنچ چکی ہے......!'' وہ کہہ رہا تھا۔

سچ بھی یہی تھا۔

ہاجرہ محل بہت خاص تھا۔

بہت مانوس، دل کے بے حد نزدیک......

''ہاجرہ محل کسی کو بھی اپنے سحر میں مدہوش کر سکتا ہے......!'' امریحہ نے اپنی کیفیت کو بھی زبان دی تھی۔

ہاجرہ محل کی خوبصورت و پُرکشش عمارت اس کی ستائش کو سمیٹ چکی تھی۔ آھل کمال خان اس کی بات پر مسکرایا تھا۔

''مگر آھل...... اگر اس سب کے پیچھے نعیم ہے تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے......!'' آھل کی خاموشی پر امریحہ نے پوچھا تھا۔

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا مگر...... شاید وہ رضا انکل کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو......!'' آھل نے اندازاً جواب دیا تھا۔

''رضا انکل کون ہیں...... ان کی وجہ سے کیوں......؟''

''رضا انکل نعیم کے ڈیڈ تھے...... سات سال پہلے جب ہم سب یو کے میں تھے اور رضا انکل یہاں ہاجرہ محل میں تب تہہ خانے والے کمرے میں کسی نے ان کو قتل کر دیا تھا...... ان کا قتل بہت بری طرح کیا گیا تھا...... تلوار سے ان پر بے شمار وار کیے گئے تھے...... ان کا قتل تمام خاندان والوں کے لیے صدمہ تھا...... مگر کوئی کوشش کے باوجود نہیں جان سکا کہ ان کے قتل کے پیچھے کیا راز ہے...... انہیں کس وجہ سے بے رحمی سے قتل کیا گیا تھا......'' آھل کمال خان کا لہجہ اداسی سے پُر تھا۔

ان کا دکھ آج بھی سب کے دلوں میں زندہ تھا۔

''سو سیڈ......!'' امریحہ نے لب بھینچے تھے۔

اس کے پاس جواباً کہنے کو کچھ نہ تھا۔

کئی پل دونوں کے بیچ خاموشی سے گزرے تھے۔

''لیکن اگر کسی کو ان کے قتل کی وجہ نہیں پتہ تو نعیم کس لیے باقی سب سے بدلہ لے گا...... کوئی نہیں جانتا کہ قتل کس نے کیا تھا......؟'' توقف کے بعد امریحہ نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''اسی وجہ کا پتہ لگانا ضروری ہے امریحہ...... اس کام کے لیے مجھے تمہاری مدد چاہیے......!'' آھل نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آھل میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گی۔!'' امریحہ نے اسے جواباً یقین دلایا تھا۔

آحل کمال کے لبوں پر اس پیاری لڑکی کے جواب سے مسکراہٹ بکھری تھی جو جانے انجانے میں آنکھوں سے راستے دل تک رسائی لے چکی تھی۔

''آحل ایک بات تم سے ڈسکس کرنا تھی......'' اچانک امریحہ کو کچھ یاد آیا۔

''ہاں کہو۔'' آحل ہمہ تن گوش ہوا۔

''پرسوں میں صبح ہاسپٹل کے لئے نکل رہی تھی تو محل کے ایک ملازم سے ٹکرا گئی اس کے ہاتھوں میں میڈیسنز کا شاپر تھا جو وہ اندر محل میں لے کر آ رہا تھا، میں نے وہ ادویات چیک کیں تو وہ عام دوائیں نہ تھیں۔ ایسی دوائیں جو مستند سائیکاٹرسٹ اپنے مریضوں کو تجویز کرتے ہیں۔ اسٹریس یا انگزائٹی وغیرہ کے لئے۔ اب گھر کے افراد میں سے تو کوئی ذہنی مریض نہیں ہے پھر وہ کس کے لئے لائی گئی تھیں۔؟'' امریحہ نے تشویش سے بتایا تو آحل پوری جان سے چونک اٹھا۔

''کیا۔؟ پھر تم نے نہیں پوچھا یہ کس کے لئے لائے ہو۔؟''

''میں نے پوچھا تو وہ گھبرا گیا اس کے منہ سے تو کچھ نہیں نکل رہا تھا...... میں نے ڈانٹا تو بتانے پر کچھ آمادہ ہوا لیکن اسی وقت آپا آ گئیں اور وہ موقع پا کر بلکہ میرے ہاتھوں سے شاپر جھپٹ کر بھاگ کھڑا ہوا۔'' امریحہ نے افسوس سے کہا۔

''ارے تو اسے روکتی نا اس کی مجال کیسے ہوئی ایسے بی ہیو کرنے کی؟'' آحل نے بے چین ہو کر کہا۔

''میں نے آپا کو بتایا تو انہوں نے بہت لائٹ لیا بلکہ مجھے چار باتیں سنا دیں'' امریحہ کو وہ منظر یاد آیا تو آنکھیں بھر سی آئیں۔

''کیوں لیا آپا نے اتنا لائٹ اتنی بڑی بات کو۔؟'' آحل نے خشمگیں ہو کر امریحہ کو دیکھا۔

''مجھے بتاؤ کون تھا وہ ملازم۔؟'' امریحہ سے پوچھا تو اس نے کندھے اچکائے۔

''آحل اس محل میں آٹھ دس ملازم تو ہیں پھر سب کی یونیفارم بھی ایک جیسی ہے مجھے کیا پتہ وہ کون سا تھا؟''

امریحہ کچھ شرمندہ ہوئی۔

''اچھا اس کی شکل کیسی تھی۔؟'' آحل نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

''مونچھیں تھیں سانولا سا تھا لگ بھگ پچیس سال کا۔'' امریحہ نے ذہن پر زور دیا۔

''آپا سے پوچھ لو۔'' امریحہ نے آحل کو مشورہ دیا۔

جس پر آحل نے نفی میں سر ہلایا۔

''امریحہ، آپا اتنی بڑی بات کو سرسری لے رہی تھیں تو اس سے تم کیا سمجھتی ہو۔؟'' آحل نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

''کیا مطلب۔؟'' امریحہ الجھی۔

''مطلب صاف ہے کہ صرف نعیم ہی نہیں آپا بھی اس کھیل میں شامل ہیں۔'' آحل نے پُرسوچ انداز میں کہا تھا۔

۞......۞......۞

آحل نے فریج کھول کرانرجی ڈرنک کا کین نکال کر دانیال کی طرف اچھالا تھا۔ دانیال کین کو کیچ کرتا ہو مسکرایا تھا۔

''یار یہ سارے گھر کے لوگ Alfred Hitchcock کے پُراسرار کیریکٹرنہیں بن گئے؟ یا مسٹری تھیٹر پلے کرر ہے ہیں؟'' وہ مسکرایا تھا اور آحل کمال خان فریج سے سیب نکال کر کھاتے ہوئے اس کی طرف آ گیا تھا۔

''مجھے ہر فرد ڈرامہ کوئین لگ رہا ہے، جب تک یہ لوگ یو کے میں تھے سب ٹھیک تھے یہ ہاجرہ محل میں آ کران سب کو کیا ہو گیا؟'' دانیال نے اسے دیکھا تھا وہ پُرسکون انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''ہاجرہ محل میں بھوت ہیں جن کو ہاجرہ محل کی خوبصورتی بھا گئی ہے یہ ان ہی بھوتوں کی کرامات لگتی ہیں۔'' آحل کمال خان مسکرایا تھا۔

''آحل تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو؟ تمہیں لگتا ہے یہ سب کوئی بھوت کر رہا ہے؟'' دانیال نے پوچھا تھا اور آحل مسکرا دیا تھا۔

''یو کے میں تھا تو یقین نہیں تھا مگر اب کچھ کہہ نہیں سکتا یہاں تو ہر شے پُراسرار لگ رہی ہے۔'' آحل مسکرایا تھا۔

"Exactly I would like to be as her lock a be to like would' I

Exactly anyisthereدانیال ہنسا تھا۔

''ارسطو کو دیکھا تم نے؟ اس کا یقین ہر بات پر بڑھنے لگا ہے۔ وہ ہر وہ شے دیکھ رہا ہے جو کوئی اور اسے دکھا رہا ہے مگر اسے وہ دکھائی نہیں دے رہا جو درحقیقت اسے دیکھنا چاہئے۔ آئی کانٹ بلیو یہ وہ ارسطو ہے۔'' آحل افسوس سے بولا تھا۔ دانیال نے انرجی ڈرنک کے سپ لیتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

''He is not in a good state of mind، like it's not stable mind''

وہ ایسا نہیں تھا۔ کہیں اس نے drugs لینا تو شروع نہیں کر دیں؟'' دانیال نے پوچھا تھا۔ آحل نے سر انکار میں ہلایا تھا۔

''نہیں ارسطو ایسا نہیں کر سکتا اسے میں جانتا ہوں مگر کچھ تو ہے اینی وے۔ اس کا سرا کہیں تو ہے اور یہ جن بھوت کا کوئی چکر بالکل نہیں ہے۔'' آحل اتنے وثوق سے بولا تھا کہ دانیال کو سر ہلانا پڑا تھا۔

یکدم کھٹکا ہوا تھا۔ دانیال اور آحل نے گردن موڑ کر دیکھا تھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

آحل کمال خان نے جتاتی نظروں سے دانیال کی طرف دیکھا تھا۔

''یہاں در و دیوار کو بھی کان، ناک، آنکھ لگی ہوئی ہیں۔ عجیب جگہ ہے یار آحل بندہ بات بھی نہیں کر سکتا۔'' دانیال اکتا کر بولا تھا۔ آحل جانے کیا سوچنے لگا تھا۔

❂..........❂..........❂

ابتداء میں ہی ایک سرا ان کے ہاتھ با آسانی آ گا تھا۔ گویا گتھی سلجھنے لگی ہو......

''یہ کام مشکل ہو سکتا ہے امریحہ...... لیکن ہمیں بہت تحمل سے جانچ کرنی ہو گی۔ نعیم اور آپا کا رویہ مجھے کئی دنوں سے عجیب محسوس ہو رہا تھا مگر اب یہ میڈیسنز والی بات ناقابلِ یقین ہے...... کون ان کے نشانے پر ہے میں نہیں جانتا، لیکن

اس میڈیسن کا بے دریغ استعمال اس شخص کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے......!'' آحل کمال خان سخت پریشان تھا۔ فکرمند بھی ہوا۔

''امریحہ فی الحال یہ بات کسی کو مت بتانا...... ورنہ آپا چوکنا ہو جائیں گی۔ شاید وہی یہ سب کر رہی ہوں۔''

آحل نے امریحہ کو بھی خبردار کیا۔

ساتھ ہی دونوں نے قدم بھی واپسی کے لیے آگے بڑھائے تھے۔

''آحل......!''

جبھی امریحہ نے کسی سوچ کے تحت اسے پکارہ۔

''ہوں؟''

''جس دن میں تمھارے ساتھ ہاجرہ محل آئی تھی اس دن مالی بابا نے بھی بہت عجیب باتیں کی تھیں......شاید وہ اس سب کے بارے میں جانتے ہوں......رضا انکل کے قتل کے راز کو بھی...... وجہ کو بھی......اور قاتل کو بھی......اسی لیے ہو سکتا ہے وہ سب کے لیے فکرمند ہوں۔ چاہتے ہوں کہ آپ سب یہاں نہ رہیں۔ کہیں وہ شخص آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اس لیے......!''

امریحہ وجاہت نے یاد آتے ہی کہا۔

''نہیں امریحہ...... اکیلے مالی بابا اتنا بڑا پلان نہیں بنا سکتے۔ وہ زیادہ تر محل کے بیرونی حصے میں ہی ہوتے ہیں...... یا یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی اور یا پھر نعیم اور آپا مل کر یہ سب کر رہے ہوں...... یہ بھی ممکن ہے وہ رضا انکل کے قتل کا راز جانتے ہوں اور انہوں نے ہی نعیم اور آپا کو بتایا ہو......؟''

آحل کمال خان بھی الجھا تھا۔

مالی بابا کی طرف شک ایک مضبوط رخ لیے ہوئے تھا۔

بہت سے سوال......ان سے جواب اگلوا سکتے تھے۔

''میں کوشش کروں گی کہ کم از کم آپا کی ایکٹیویٹیز نوٹ کر سکوں......!'' امریحہ خود کو تیار کر چکی تھی۔

''ہوں......نعیم تو ویسے بھی عالیان اور میرے ساتھ ہوتا ہے۔ اس پر نظر رکھنی بھی آسان ہے مگر اب مالی بابا کے لیے بھی کچھ سوچنا ہوگا......!'' وہ بھی پُرسوچ بولا تھا۔

آہستگی سے چلتے وہ دونوں ہاجرہ محل کے مین گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔

''بس ایک بار کرکٹ میچ ہو جائے۔ عالیان بھی مینٹلی تھوڑا سیٹ ہو پھر کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔'' سامنے سے آتے دانیال اور سہیل چاچو پر نظر پڑتے ہی آحل نے کہا تھا۔

امریحہ وجاہت نے جواباً سر کو جنبش دی تھی ساتھ ہی محل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ جبکہ آحل کمال خان ان دونوں کے پاس چلا گیا تھا جو کل صبح کھیلے جانے والے میچ کے بارے میں ہی باتیں ڈسکس کر رہے تھے۔ کیونکہ آحل کمال خان نے دانستہ میچ کی ریکارڈنگ کا پلان کیا تھا تاکہ اس دوران کوئی موقعے کا فائدہ اٹھا کر کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

✿......✿......✿

اگلے دن موسم بے حد خوشگوار تھا۔ آسمان گہرے سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہاجرہ محل کی خوبصورت و دلکش عمارت کسی مغرور بادشاہ کی طرح گردن اکڑائے کھڑی تھی۔ ہاجرہ محل میں آج عام دنوں کی نسبت کافی چہل پہل تھی...... کچن میں خانساماں مختلف قسم کے لذیذ و اشتہا انگیز پکوانوں کی تیاری میں مصروف تھے۔ مالی بابا نے لان کو کاٹ چھانٹ کر کے اس کی شکل ہی بدل دی تھی۔ آج تو میں بھی خود کو کافی تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ وجہ شاید یہ تھی کہ رات میں آنل کے کمرے میں سویا تھا اور ہم نے مل کر سارا وقت ماضی کی خوبصورت یادوں کو سوچتے اور انہیں دہراتے گزارا تھا۔

لان میں کرکٹ میچ کا آغاز ہونے جا رہا تھا۔ دو ٹیمیں بنائی گئیں تھیں۔

آنل، دانیال اور نعیم کے علاوہ شزا امریحہ سہیل چاچو اور ذیشان بھی اس کرکٹ میچ کا حصہ تھے۔ میچ کا آغاز ہو چکا تھا...... ہاجرہ محل کے بڑے ہال کمرے میں لگا گھڑیال اس وقت دن کے دس بجا رہا تھا لیکن بادلوں کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے شام کا ٹائم ہو۔

آنل کمال نے بیٹ ہاتھ میں پکڑا تو سہیل چاچو کسی نوجوان کی طرح آگے بڑھ کر باؤلنگ کرانے لگے۔

اسی لمحے امریحہ نے چپکے سے ایک ویڈیو کیم پہ ٹائمنگ سیٹ کر کے ایک سائیڈ پہ ایسے رکھ دیا کہ کسی کی نظر اس پہ نہ پڑے اور لان میں ہونے والے کرکٹ میچ کو محفوظ کر لیا جائے........ ویڈیو بنانے کا مقصد یہ تھا کہ لان میں اس وقت ہاجرہ محل کے سارے مکین موجود تھے اور اس طرح سے سب کی نقل و حرکت کو ریکارڈ کر کے بعد میں تسلی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

ربیعہ چچی مسلسل سہیل چاچو کے لیے نعرے لگا رہی تھیں......سب کا جوش و خروش قابلِ دید تھا۔

شزا اور امریحہ نے اپنی باری پر سب کو خوب ہنسایا۔

''دیکھیں عالیان بھیا شزا آپی سے تو اچھا میں پکڑ لیتا ہوں بیٹ کو۔''

شزا کو بیٹ پکڑے دیکھ کر ذیشان نے مسکراتے ہوئے اس پہ چوٹ کی تو عالیان ذیشان کی شرارت سمجھ کر مسکرا دیا......

تقریباً دو تین گھنٹے میچ جاری رہا اس کے بعد سب کو بھوک ستانے لگی۔

''آنل کے ہاجرہ محل میں آنے سے تو یوں محسوس ہو رہا ہے ساری بلائیں ٹل گئی ہیں۔'' میچ کے بعد وہ سب ہاجرہ محل کے بڑے ہال کمرے میں بیٹھے کھانے کا انتظار کر رہے تھے جب ربیعہ چچی بولیں۔

''بالکل اور آج کے اس خوبصورت میچ کا سارا کریڈٹ آنل کو جاتا ہے۔ اسی نے یہ سارا انتظام سنبھالا اور اسی کے کہنے پہ آج خانساماں سب کی پسند کا کھانا بنا رہے ہیں ورنہ تو ہاجرہ محل میں ہونے والے پے در پے واقعات نے جیسے ہم سب کے احساسات پہ اک برف سی جما دی تھی...... کسی چیز کے لیے دل ہی نہیں کرتا تھا......''

چچا سہیل اداس لہجے میں بولے تو عالیان نے آگے بڑھ کر اپنے سب سے آئیڈیل چاچو کو تسلی دی......

''چاچو آپ دیکھیے گا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا......آنل ہے ناں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے آنل کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا اٹھا۔

جب کہ ان سب سے قدرے فاصلے پہ بیٹھے نعیم کی آنکھوں میں ایک عجیب وحشت سی ٹپک رہی تھی۔

''یار تم بھی کچھ بولو۔ کیا تم نے آج کا میچ انجوائے نہیں کیا...... ؟؟''
سب کی داد وصول کرتے آہل کی نظر ان سے قدرے فاصلے پر سنگل صوفے پر بیٹھے نعیم پر پڑی تو اس نے پوچھا......

''نعیم ہاجرہ محل میں ایسا کوئی بھی ایونٹ انجوائے نہیں کر سکتا۔ اسے ہاجرہ محل سے نفرت ہے۔'' اس سے پہلے کہ نعیم کچھ بولتا شزا ذومعانی انداز میں بولی۔

شزا کی بات پر ایک لمحے کے لیے تو نعیم کے چہرے کا رنگ اُڑا پھر وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں میں نے آج بہت انجوائے کیا۔''

جبکہ آہل کمال نے شزا کے ذومعانی انداز پہ نعیم کے چہرے کی پھیکی پڑتی رنگت کو بہت غور سے دیکھا۔

عالیان نے شزا کی بات کو مذاق پہ محمول کرتے ہوئے اس پہ کسی بھی طرح کا کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

اسی وقت ملازم نے کھانا پک جانے کی اطلاع دی تو ایک بار پھر سب لوگ ماحول کے تناؤ کو نظرانداز کر کے کھانا کھانے چل دیے۔

کھانا ایک خوشگوار ماحول میں کھایا گیا..... کھانے کے بعد سب آرام کی غرض سے اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے......

آہل نے امریحہ کو اشارا کیا تو وہ سب سے آنکھ بچا کے اور شزا سے کوئی بہانہ کر کے ویڈیو کیم ہاتھ میں لیے آہل کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

✿.......... ✿........ ✿

امریحہ کے کمرے میں آتے ہی آہل نے دروازہ لاک کر دیا۔ پھر آہل نے وڈیو کیم کو کمرے میں رکھی LED سے کنیکٹ کر لیا تا کہ بڑی اسکرین پر ہر منظر واضح نظر آئے۔

پھر صوفہ پر امریحہ سے کچھ فاصلے پر آ بیٹھا دونوں دلچسپی سے ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

میچ کی شروعات ہو چکی تھی سہیل چچا مشاقی سے بالنگ میں مصروف تھے ان کی گیند نے یکے بعد دیگرے عالیان اور دانیال کو آؤٹ کروا دیا تھا۔

''یار یہ سہیل چچا تو زبردست باؤلر ہیں آج پتہ چلا۔'' آہل کی میچ والی پُرجوش کیفیت لوٹ آئی تھی۔

''ایسے ہی تو میں ان کو ایڈمائر نہیں کرتا ہر بات میں پرفیکٹ ہیں میرے چاچو...... جینئس مین آئی لو یو۔''

آہل نے ہاتھ لبوں پر رکھ کر ہوا میں کِس اچھالی۔

''واقعی اس عمر میں ان کا اسٹیمنا قابلِ داد ہے۔'' امریحہ نے بھی تائید میں سر ہلایا۔

پھر دونوں نے آنکھیں اسکرین پر مرکوز کر دیں۔ کافی دیر گزر گئی سب کچھ ویسا ہی دکھتا رہا جیسا اس وقت تھا۔

''سب کچھ معمول کے مطابق ہے امریحہ۔'' آہل نے اکتا کر کہا۔

امریحہ بھی مایوس ہوئی یکا یک امریحہ کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ اچھل پڑی۔

''آہل۔ آہل! تھوڑا پیچھے کر کے pause کرو۔'' آہل نے ریموٹ سے ریورس کیا۔

''بس بس یہیں روک دو......'' امریحہ نے پُر جوش ہو کر آحل کا ریموٹ والا ہاتھ تھاما۔

''وہ دیکھو ذیشان کے پیچھے وہی ہے محل کا ملازم جو اس دن مجھ سے ٹکرایا تھا۔''

امریحہ نے آحل کو کہا تو آحل نے زوم کر کے کونے میں کھڑے ذیشان کے پیچھے ہاتھ باندھے ملازم کو بغور دیکھا۔

''ہمم ......تو یہ ہے وہ!'' آحل نے اس کی اسکرین شوٹ لے لی۔

''ہاں یہی ہے۔'' امریحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم بے فکر ہو جاؤ امریحہ اب اس بندے سے حقیقت اگلوانا میرا کام ہے۔'' آحل نے عزم سے کہا۔

اتنے میں دروازے پر کھٹکا سا ہوا وہ دونوں چونک اٹھے۔ آحل نے آگے بڑھ کر ٹی وی آف کر دیا۔

✿..........✿..........✿

دستک پر آحل نے اٹھتے ہوئے امریحہ کو ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا تھا۔ امریحہ نے اشارے سے ہی جواب دیا۔ تب تک وہ دروازے تک پہنچ کر دروازہ کھول چکا تھا۔

سامنے آپا کھڑی تھیں۔

آحل کمال خان انہیں اپنے کمرے کے سامنے موجود پا کر حیران و سوالیہ ہوا تھا۔

''آحل تم نے نعیم کو دیکھا ہے...... مجھے اس سے ضروری بات کرنی تھی۔ نظر نہیں آ رہا......؟'' آپا نے براہِ راست نعیم کے بارے میں پوچھا تھا۔

''نہیں آپا...... میں تو نہیں دیکھا۔ شاید وہ دانیال یا عالیان کے ساتھ ہو۔ آپ ان سے پوچھ لیں!'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو جواباً وہ چپ چاپ واپس پلٹ گئیں۔

آحل ان کے خاموش ری ایکشن کو نظر انداز کرتا کندھے جھٹک کر دروازہ لاک کر کے واپس آیا اور دوبارہ ٹی۔ وی آن کیا......اور وہیں سے ویڈیو پلے کی۔

سبھی کا ہنسی مذاق اور میچ کے دوران ہوئی مستیوں کو رقم کرتے پل یادگار بن رہے تھے۔ ایک گھنٹے کے دورانیہ میں سب نارمل تھا۔ دانیال، عالیان اور سہیل چاچو فل موڈ میں تھے۔ آحل کے ساتھ آوٹ نہ ہونے پر بحث میں پڑ کر آرام بھی کر رہے تھے مگر ان سے کچھ فاصلے پر کیمرے کی آنکھ نے نعیم کی الجھی جھلک کو کیپچر کیا تھا۔

''اب دھیان سے دیکھنا امریحہ......!''

نعیم کا اتفاقاً کیمرے کے سامنے آنا اور بے دھیانی سے اسی جگہ ساکت رہنا آحل کو بالکل عجیب نہیں لگا تھا۔ کیونکہ میچ کے دوران اور بعد میں بھی وہ نعیم کی غیر دلچسپی کو محسوس کر چکا تھا۔

امریحہ کو فوکسڈ رہنے کو کہا۔

کیمرہ نعیم پر کلیئرلی فوکسڈ تھا۔ وہ کئی لمحے ایک ہی پوزیشن میں کھڑا رہا تھا۔ اسے شاید ارد گرد کسی کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا تھا۔ جو عقب سے اس کا نام پکارے جانے کے باوجود وہ عجیب محویت کے خول میں منجمد ایک قدم بھی دائیں بائیں نہیں ہوا تھا۔

لیکن کچھ دیر گزرنے کے بعد اس نے اپنے اطراف نظر دوڑا کر گویا طمانیت چاہی تھی۔ کسی کو خود پر متوجہ نہ پا کر وہ دھیرے دھیرے اپنے بازو پر سے شرٹ اوپر کیے توقف کے بعد بازو پر لگے نشانوں پر متغیر سا ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔

ویڈیو کے دوران آحل نے امریحہ کی طرف دیکھا تھا۔

جبکہ امریحہ کی آنکھیں اسی دوران حیرت و بے یقینی سے پھیلی تھیں۔ آحل نے اس کی آنکھوں کا تعاقب کیا تو وہ بھی ششدرہ گیا تھا۔

شزاٗ نعیم کے بالکل قریب کھڑی...... عجلت میں اس سے سرگوشیانہ کچھ کہتی اس کی شرٹ کو واپس کلائی تک لے آئی تھی۔ جبکہ نعیم شزاٗ کے اس عمل سے سر جھٹک کر گویا خیال سے حواس میں آیا تھا۔

باقی سب گیم میں ہنوز مگن تھے۔

تھوڑی دیر تک نعیم بھی خود کو سنبھالنے کی کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جس پر شزاٗ نے بھرپور مسکراہٹ سے اس کا ہاتھ تھام کر پھر سے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔ اس کے بعد پہلے شزاٗ اور پھر نعیم دونوں دوسری جانب گئے تھے جہاں دادو سمیت باقی سب اب آرام کے لیے بیٹھے تھے۔

آحل نے کچھ لمحوں کے لیے ویڈیو pause کی تھی۔

''کیا تھا یہ سب......؟'' امریحہ نے اپنی حیرت کو زبان دی تھی۔

نعیم کا مشکوک انداز اور پھر شزاٗ کی اس سے قربت کئی سوال کھڑے کر گئی تھی۔

آحل شزا کو لے کر شاکڈ ہوا تھا۔

''تو کیا شزاٗ بھی نعیم کے ساتھ......!'' زیر لب بڑبڑاتا وہ بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔

بات تھی ہی ناقابلِ یقین...... عالیان سے اس کی دیوانہ وار محبت...... جسے وہ جتانے میں کبھی جھجک و ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی تھی اس پوری وڈیو میں ایک بار بھی نہیں دیکھی تھی۔ نہ اس نے دکھانے کی کوشش کی تھی۔

''ایسا ہو سکتا ہے......؟'' آحل ہنوز بے یقین سا امریحہ کو دیکھ رہا تھا۔

''ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی......!''

''لیکن شزاٗ کا نعیم کے ساتھ رویہ...... شک کی گنجائش نہیں چھوڑ رہا......؟'' آحل پُرسوچ انداز میں بولا تھا۔

''وجہ میں نہیں جانتا...... کوئی بھی نہیں جانتا مگر جو ہو رہا ہے وہ غلط۔ بہت غلط ہو رہا ہے......!'' وہ افسوس سے سر جھٹک کر لب بھینچ گیا تھا۔

عالیان کے لیے بھی دل دکھا تھا۔

''اب شزاٗ پر بھی شک کا دائرہ بن رہا ہے...... اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا......؟'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''لیکن شزاٗ یہاں باقی سب سے بعد میں آئی تھی۔!'' امریحہ نے کہا۔

''لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں آنے کے بعد کسی وجہ سے نعیم کا ساتھ دینے پر مجبور ہوئی ہو......'' آحل نے شک ظاہر کیا۔

اگلے کئی لمحے دونوں خاموش رہے۔

''امریحہ پلیز تم شزا پر بھی نظر رکھنا......ہم اس کے ذریعے کسی اہم کڑی تک پہنچ سکتے ہیں......!'' پھر آحل نے کہا۔

''او کے۔''

اس نے مسکرا کر ہامی بھری۔

آحل نے باقی کی مووی بھی پلے کی لیکن اس کے بعد مزید کچھ بھی ایسا نہ تھا سو کیمرہ الماری میں سنبھال کر وہ دونوں باہر چلے گئے تھے۔

۞............۞............۞

آحل شزا کی نعیم سے متعلق پیش قدمی کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا، تاہم شزا کا نعیم کی طرف جھکاؤ اچنبھے میں ڈالنے والی بات تھی، وہ امریحہ کو شزا پر نظر رکھنے کا کہہ چکا تھا اور جانتا تھا کہ امریحہ آئندہ چند روز میں جو دیکھے گی بلاکم و کاست بتا دے گی، اس طرف سے اطمینان حاصل ہوا تھا، لیکن ایک خیال اس کے احساس پر کوڑے کی طرح لگتا تھا، عالیان کے سامنے دیوانگی کا مظاہرہ کرنے والی لڑکی نعیم کی ذات میں دلچسپی کیوں لے رہی تھی؟ ممکن ہے دلچسپی کی وجہ کچھ اور ہو لیکن تاڑنے والے قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں، وہ اس ''رابطے'' کو وہ نام دے سکتے ہیں جو عالیان کی زندگی کو تہ و بالا کر سکتا ہے... ایسے کئی سوالات کے سانپ پھن اٹھائے کھڑے تھے، آحل نے فی الوقت ان خیالات سے چھٹکارا پانے کے لیے نیند کو ترجیح دی اور سو گیا۔

۞............۞............۞

آپا نے گھڑی میں وقت دیکھا اور موبائل فون اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگی، رابطہ ہونے پر ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے کچھ کہا گیا جس کے جواب میں آپا نے کہا۔

''جی بہت شکریہ، بس میں ایک گھنٹے تک پہنچ رہی ہوں، جی جی مارگلہ ہلز دامنِ کوہ سے اوپر واقع ہوٹل کے لان میں، میں آپ کی منتظر ہوں، او کے......''

کال ڈراپ کر کے گاڑی کی چابی اٹھائی اور پرس جھلاتی ہوئی باہر نکل کر مالی کے کوارٹر کی طرف بڑھ گئی۔

چند منٹ بعد سفید رنگ کی ہائی روف میں آپا اور مالی پُر پیچ پہاڑی سڑک پر اسلام آباد کی طرف جا رہے تھے، اس نے مری، تریٹ کمپنی باغ اور بھارہ کہو والے راستے کا انتخاب کیا تھا، اگر وہ ٹھنڈیانی، ایبٹ آباد اور ہری پور، حسن ابدال والا راستہ منتخب کرتی تو بہت لیٹ ہو جاتی، اس نے مختصر راستے کو ترجیح دی کیوں کہ وہ کسی قسم کی تاخیر کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، اسلام آباد کشمیر ہائی وے پر پہنچ کر اس نے پشاور موڑ سے گاڑی ایف ایٹ کی طرف موڑ لی چند منٹ بعد دامنِ کوہ سے پہلے اس نے گاڑی روک کر متعلقہ شخص کو کال کر کے کنفرم کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی، منال ہوٹل کے سبزہ زار کی ٹیبل نمبر بارہ کی ایک کرسی پر کالے رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک شخص سر پر سولہ ہیٹ پہنے اس کا منتظر تھا، آپا نے مالی کو گاڑی میں بٹھایا اور چلتی ہوئی اس شخص کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس شخص نے ایک بیگ سے چند پیکٹ نکالے اور آپا کو دیے جو اس نے جلدی سے اپنے پرس میں رکھ لیے، آپا نے پرس سے ہزار ہزار کے چند نوٹ نکال کر اس شخص کو دیے جو وہ پینٹ کی جیب میں ڈال کر اٹھا اور ایک طرف کو چل دیا،

پانے کافی کا آرڈر دے کر مالی کو بلایا دونوں کافی پینے لگے......اس وقت آپا اتنی ایکسائٹڈ تھی کہ یہ بھول گئی کہ ایک ملازم کے ساتھ بیٹھی کافی پی رہی تھی، عام طور پر کسی ملازم کو اس کے سامنے بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کجا یہ کہ وہ ایک مدقوق بھرے والے ملازم کے ساتھ بیٹھی بھاپ اڑاتی کافی کے مزے لے رہی تھی، کافی پینے کے بعد اس نے بل ادا کیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی، وہ گاڑی کی چابی جھلاتی اپنی دھن میں جا رہی تھی کہ اچانک کوئی اس سے ٹکرا گیا، اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آحل امریحہ کا ہاتھ پکڑے معنی خیز نظروں سے آپا کو دیکھ رہا تھا۔

آپا ان دونوں کو سامنے پا کر بری طرح ہڑبڑاہٹ کا شکار ہوئی تھیں۔ چہرے پر پھیلی طمانیت بھری مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہو چکی تھی۔ جبکہ مالی بابا صورتِ حال کی کشیدگی کا اندازہ لگائے چند قدم پیچھے ہو چکے تھے۔

''تم دونوں اس وقت یہاں......؟''

آپا کی زبان سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ ادا ہوئے تھے۔

''کون تھا وہ شخص آپا......اور کیا خریدا تھا آپ نے اس سے......؟'' آحل کمال خان نے درشتگی سے ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''وہ......وہ......کوئی نہیں تھا......میں نے کچھ نہیں لیا اس......اس سے......؟'' اتنے واضح سوال پر آپا کے ہوش متزلزل ہوئے تھے۔

ان سے جواب ہی نہ بن سکا۔

''میں نے خود اپنی آنکھوں سے سب دیکھا ہے آپا......پلیز کچھ بھی چھپانے کی کوشش مت کریں......اس دن امریحہ نے بھی نشہ آور میڈیسنز کے بارے میں آپ سے پوچھا تھا۔ اسی دن کے بعد سے میری نظر آپ پر تھی۔ اور آج آپ نے پھر ایک پیکٹ لیا ہے۔... مجھے وہ چیک کرنا ہے۔ پلیز آپ خود ہی مجھے وہ نکال کر دے دیں ورنہ میں......!''

وہ سنجیدگی و تفصیل سے کہتا بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔

اور آپا رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر بے بس ہو چکی تھیں۔ جبھی بنائے کچھ بولے بیگ سے وہ پیکٹ نکال کر آحل کے ہاتھ میں تھما دیا۔ آحل نے امریحہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے چیک کیا۔

''آحل یہ انہی میڈیسنز سے ملتا جلتا محلول ہے......بلکہ ان کی نسبت جلد دماغ پر اثر انداز ہو کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کر سکتا ہے......!''

امریحہ نے حیرت سے بھرپور انکشاف کیا تھا۔ آحل نے کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ بے یقینی سے آپا کو دیکھا تھا۔ جو کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی تھیں۔ مگر اخیر میں امریحہ کی بات نے انہیں بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''میں اس کی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتی آحل......!'' وہ خائف سی بولی تھیں۔

''جھوٹ مت بولیں آپا......!'' وہ برہم ہوا تھا۔

''یہ جھوٹ نہیں ہے آحل......تم مالی بابا سے پوچھ لو......!'' وہ نادم سی اپنی صفائی میں بولی تھیں۔

جس پر آحل نے سوالیہ نظروں سے مالی بابا کو دیکھا تھا۔

''صاحب......بی بی صاحبہ ٹھیک کہہ رہی ہیں......!'' انہوں نے تصدیق کر دی تھی۔ آحل نے حیرانگی ظاہر کی

تھی۔

''میں نہیں جانتی کون کس لیے ان میڈیسنز کا استعمال کر رہا ہے لیکن مجھے شروع دن سے ذیشان کے نام پر بلیک میل کیا جا رہا ہے اگر میں نے یہ میڈیسنز محل کے اندر نہ پہنچائیں تو وہ میرے بیٹے کو جان سے مار دیں گے......!'' آپا نے بے بس ہو کر روتے ہوئے ایک نیا انکشاف کیا تھا۔

آحل دنگ رہ گیا تھا۔

''کون کروا رہا ہے آپ سے یہ سب......؟'' امریحہ نے مزید پوچھا تھا۔

''میں نہیں جانتی میری کبھی کسی سے بات نہیں ہوئی...... ہر بار ڈلیوری سے پہلے مجھے ایک چٹ ملتی جس پر دھمکی سمیت جگہ کا بتا دیا جاتا......اور خاص طور پر کہا جاتا کہ مالی بابا کو ساتھ لے کر جاؤں......تا کہ کسی کو شک نہ ہو......!'' وہ مکمل بات بتا چکی تھیں۔

اور ثبوت کے طور پر بیگ سے بے ترتیبی سی کئی چھوٹی چھوٹی پرچیاں نکال کر آحل کمال خان کے ہاتھ میں تھمائی تھیں۔

جنہیں پڑھنے کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات بری طرح بدلے تھے۔

آپا سچ کہہ رہی تھیں۔

انہیں کوئی اور دانستہ ٹیڑھی میڑھی رائٹنگ میں لکھ کر بلیک میل کر رہا تھا تا کہ کوئی اس تک پہنچ نہ سکے۔

''آپا پلیز آپ روئیں مت......ہم مل کر کوئی حل نکالتے ہیں......فی الحال آپ آئیں۔ ہمیں جلدی محل واپس جانا ہوگا۔ اور یہ پیکٹ بھی اپنے پاس رکھیں۔ تا کہ کوئی ابھی ذیشان کو نقصان نہ پہنچا سکے......آگے کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ لیں گے......!'' آحل نے کہا۔

آپا مالی بابا کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہو گئی تھیں۔

جبکہ آحل امریحہ وجاہت کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر فکرمندی سے بولا تھا۔

''یہ بہت سیریس بات ہے......آپا پر شک بھی بیکار نکلا......آگے جانے مزید کیا کیا ہونا باقی ہے......؟''

''سب ٹھیک ہوگا آحل......!'' امریحہ نے اسے تسلی دی تھی۔ آحل نے گاڑی میں سڑک پر ڈال دی تھی۔

✿............✿............✿

یہ اسی دن کا واقعہ ہے۔

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ سب ہاجرہ محل کے ہال کمرے میں بیٹھے شطرنج کھیل رہے تھے جب اچانک عالیان کو باہر سے کچھ عجیب درد بھری آوازیں سنائی دینے لگی......وہ آحل کو اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل آیا جو بری طرح شطرنج کھیلنے میں مگن تھا، عالیان کے اشارے پہ نعیم اور دانیال سے معذرت کرتے ہوئے باہر نکل آیا......

''کیا ہوا عالیان۔؟ تم باہر کیوں آ گئے......؟''

''آحل......کیا تمہیں سسکیوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں......؟'' آحل کے پوچھنے پہ عالیان نے سوال کیا۔

''یار کیا تم ذہنی طور پر اتنے ڈسٹرب ہو چکے ہو کہ تمہیں باہر ہوا سے سرسراتے پتوں کی اور سسکیوں کی آواز میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا۔؟ پھر بھی تمہاری تسلی کی خاطر باہر چل کر دیکھ لیتے ہیں ابھی پتا چل جائے گا......''

عالیان کو جواب دیتے ہوئے وہ باہر نکل آیا......محل کے بیرونی حصے میں آتے ہی وہ بھی ایک دم چونک گیا۔

جسے وہ عالیان کا وہم سمجھ رہا تھا وہ وہم نہیں حقیقت تھی۔

ہاجرہ محل کے پچھواڑے سے واقعی کچھ عجیب وغریب درد بھری آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ دونوں احتیاط سے چلتے ہوئے ہاجرہ محل کے پچھواڑے میں آ گئے۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے انہیں وہ آوازیں زیادہ واضح سنائی دینے لگیں۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی لڑکی بہت تکلیف میں چلاتے ہوئے مدد مانگ رہی ہے۔ایک درخت کے پاس پہنچ کر وہ دونوں رک گئے......آواز اسی درخت سے آ رہی تھی......لیکن اندھیرے کی وجہ سے انہیں کچھ واضح دکھائی نہ دیا......

''میرے خیال سے اسی درخت میں کوئی گڑبڑ ہے ہمیں لائٹ جلا کر دیکھنا چاہیے......عالیان تم جاؤ محل سے کوئی ٹارچ لائٹ لے آؤ۔ ہری اپ۔''

''لیکن آہل تم یہاں اکیلے کوئی تمہیں نقصان......''

"oohh Aalyan...!don't be coward"...

عالیان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی آہل جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا تو عالیان تیزی سے ہاجرہ محل کی طرف چلا گیا......

عالیان کے جانے کے بعد آہل آس پاس کا جائزہ لینے لگا لیکن وہ آوازیں اسی درخت سے ہی آ رہی تھیں۔

اسی لمحے سفید چادر میں لپٹے دو مردانہ ہاتھوں نے آہل پر حملہ کیا اور اسے گھسیٹ کر نشیبی حصے کی طرف لے جانے لگے۔ایک لمحے کے لیے تو آہل کو بھی کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا پورا زور لگا کر خود کو ان ہاتھوں کی قید سے چھڑانے کی کوشش کی...... لیکن ان دو ہاتھوں نے آہل کے دائیں بازو پہ کسی نوکیلی چیز کا وار کر کے اس کی خود کو چھڑانے کی کوشش کو ناکام بنا ڈالا۔

اسی وقت عالیان بھاگتا ہوا وہاں آیا تو ان ہاتھوں نے آہل کو چھوڑ کر جنگل کی طرف دوڑ لگا دی.......

عالیان وہاں پہنچا تو آہل کو نیچے گرا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''کیا ہوا آہل اور یہ تمہارے بازو پہ خون کیسا ہے......؟؟''

''نتھنگ......کسی نے مجھ پہ حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں آتا دیکھ کر بھاگ گیا ہے......لاؤ تم ٹارچ مجھے دو۔''

آہل نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا اور ٹارچ لے کر درخت کی طرف بڑھ گیا جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں

اب وہ آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔

لیکن پھر بھی آہل ٹارچ کی روشنی سے اس درخت کا جائزہ لینے لگا۔
دفعتاً اسے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر درخت کے ایک مضبوط تنے پہ رکھا نظر آیا۔ پاس رکھی ایک لمبی لکڑی کی مدد سے اس نے وہ ٹیپ ریکارڈر نیچے اتارا۔
بٹن دباتے ہی ان دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی...... وہ دردبھری آوازیں اس ٹیپ ریکارڈر سے آ رہی تھیں۔
(کسی نے سازش کے تحت انہیں وہاں بلانے کے لیے یہ ٹیپ ریکارڈر وہاں رکھا تھا)

✿............✿............✿

سب کچھ جیسے بہت بڑی مسٹری تھا، ہم سب بہت الجھ رہے تھے شاید اسی لئے ذہنوں کو تھوڑا ریلکس کرنے اور دھیان بٹانے کو ہی آہل کمال خان نے hiking کا پلان بنایا تھا، دانیال، آہل اور میں hiking کرنے نکلے تھے مگر میں جلد تھکن محسوس کرنے لگا تھا تو وہ سلسلہ موقوف کر کے وہاں سے لانگ ڈرائیو پر نکل گئے تھے۔
''تم ٹھیک ہو ارسطو؟'' آہل کمال خان نے جوس کا کین میری طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔ میں نے کین سے جوس کا سپ لیتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ آہل مجھے بغور دیکھنے لگا تھا۔
''ارسطو اتنی جلد کیسے تھکنے لگے تم؟ یہاں آ کر اتنے سست ہو گئے ہو تم؟'' آہل میرے تھکنے پر حیران ہوا تھا۔ اور بولا تھا۔
''ارسطو تم یہاں آ کر کچھ عجیب ہو گئے ہو۔

I just can't be lieve that it's you!Istill remember the time while a year ago we went Poland and you plan ned for hiking.

کتنا خطرناک پہاڑوں کا سلسلہ تھا وہ اور تم حیران کن رہے تھے۔ hiking کرنا شروع سے تمہیں exciting لگتا تھا۔ میں حیران ہوں آج تم اتنی جلدی کیسے تھک گئے؟ تمہیں نہیں لگتا یہاں آ کر تمہاری صلاحیتوں اور صحت پر اثر پڑا ہے اور یہ کوئی گڈ سائن نہیں۔'' آہل جیسے مجھے جتانا چاہتا تھا کہ میں متاثر ہو رہا ہوں۔
''ہاں ایسا ہے مگر شاید یہ ہاجرہ محل میں ایک تسلسل سے ہونے والے واقعات کے باعث ہے میں الجھ رہا ہوں آہل۔ یہ صورت حال بہت پیچیدہ ہے۔'' میں بہت الجھا ہوا بولا تھا اور دانیال ڈرائیونگ کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔
''یار ارسطو، ابھی تو شزا آس پاس ہے تو تمہاری عقل کام نہیں کر رہی سوچو شزا دور ہوتی تو تم کیا کرتے؟'' دانیال نے غالباً میرا موڈ بحال کرنے کو کہا تھا اور میں مسکرا دیا تھا۔ تبھی آہل کمال خان بولا تھا۔
''ارسطو تم اثر زیادہ لے رہے ہو۔

I want you to keep your eyes open and try to see what you are not seeing.

''تم اتنے بے خوف بندے ہو اور کہاں اب ایسے جن بھوتوں کی باتوں پر بھروسہ کرنے لگے ہو، مانا یہ سب چیزیں exist کرتی ہیں مگر یار یہ ہاجرہ محل ہے اور یہاں کی خوبصورتی سب کو دیوانہ بنا رہی ہے۔ تمہیں سب کے ہوش اُڑے دکھائی نہیں دے رہے؟'' آہل مسکرایا تھا اور دانیال ہنسا تھا۔

''یہاں آ کر ہر کوئی مسٹری تھیٹر بن گیا ہے وہ ایسے pretend کر رہے ہیں جیسے ہاجرہ محل میں Alfred Hitchco کی کوئی مووی شوٹ ہو رہی ہے، سمجھ نہیں آ رہی یہ سب پاگل ہو گئے ہیں یا پاگل بنا رہے ہیں؟''

دانیال کے کہنے پر میں چونکا تھا۔

''تم دونوں کو کیا لگتا ہے یہ کوئی نفسیاتی کشمکش ہے؟ کوئی گیم پلے کر رہا ہے؟''

"Some body using just tricks or playing game?."

میں حیران ہوا تھا۔

آھل مسکرا دیا تھا۔

''یار ارسطو، اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں تمہاری سمجھ میں اتنی دیر سے آنے لگی ہیں، کم آن یار تم عالیان خان ہو جو ایک tycoon ہے وہ جو لوگوں کے رویوں کو سمجھنے کے لئے بہت ماہر رہا ہے۔

I would must say Arastoo

You have to open eyes and don't see what others are making you t see, they might are showing you another side of the coin but you have to s the side which is hidden and not showing itself yet.

Come one use your brain!

آھل نے مجھے اکسایا تھا جیسے اور میں اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

✿..........✿..........✿

ہائیکنگ سے واپسی پر سب بہت حد تک فریش مائنڈ لے کر لوٹے تھے بس عالیان پر وہی سستی طاری تھی جو اس کی شخصیت کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔ محل آتے آتے رات ہو چلی تھی سو نعیم اور دانیال اپنے کمروں میں سونے چلے گئے، عالیان تو ویسے ہی تھکا ہوا تھا لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی ذہن شش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا آھل کی باتیں اس کا اطمینان دلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔

وہ کچھ بے چین سا آھل کے روم کی طرف چلا آیا روم کا دروازہ کھلا تھا۔

وہ اندر آیا تو دیکھا کہ آھل اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا ہاتھوں میں ٹیپ ریکارڈر اور ایک کیسٹ تھی جو غالباً اسی کے اندر سے نکالی تھی۔

''تجھے بھی نیند نہیں آ رہی یار۔؟'' عالیان اس کے برابر آ بیٹھا۔

آھل نے اس کو دیکھ کر نفی میں سر ہلایا

"which game playing be hindall these things."

وہ کیسٹ کو بغور دیکھتا بڑبڑایا

عالیان خاموش رہا وہ خود بے حد الجھا ہوا تھا ذہن تفریح کر کے کچھ بہتر ہوتا تو یہ عجیب واقعات پھر سے اسے ناکارہ سا کر دیتے۔ اتنے میں دستک دے کر شہزا اندر چلی آئی۔

عالیان تم آھل کے روم میں ہو اور میں یہ دودھ کا گلاس لے کر تمہارے روم میں گئی دیکھا تو وہ خالی تھا۔
شزا نے مسکرا کر عالیان کو دودھ کا گلاس پیش کیا۔
آھل کی پُرسوچ نگاہیں غیر ارادی طور پر گلاس کی طرف اٹھیں پھر وہ ارادتاً گلاس کو غور سے دیکھنے لگا۔
دودھ کی سفیدی میں تیرتا ملگجا سا ہرا رنگ۔
''عالیان رکو......''
آھل نے عالیان کے منہ تک جاتا گلاس جھپٹ لیا پھر ناک کے قریب لے جا کر سونگھا ایک عجیب سا احساس ہوا۔
دوسری طرف شزا اور عالیان حیرت زدہ اسے دیکھ رہے تھے۔
''یہ دودھ کا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے۔؟'' آھل نے کڑے انداز میں شزا کو مخاطب کیا۔
'' I dont know''شزا نے ناگواری سے کندھے اچکائے۔
''اس دودھ کو ٹیسٹ کروانا ہوگا۔'' آھل کی بات پر عالیان چونک اٹھا۔
''لو اب تم isi کے جانشین بن کر مجھ پر بھی شک کر رہے ہو۔'' شزا کو غصہ آ گیا۔
''میں uk سے یہاں اس لئے نہیں آئی کہ اپنی انسلٹ کرواؤں مسٹر سو کالڈ آھل کے ہاتھوں۔؟''
شزا کو بھڑکنے میں دیر نہ لگی تھی۔
''Go to hell'' وہ پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی تو عالیان فوراً اس کے پیچھے دوڑا۔
جبکہ آھل دودھ کا گلاس لے کر امریحہ کے روم کی طرف بڑھا۔
دو تین بار دستک سے دروازہ کھلا امریحہ نیند سے بھری آنکھیں لے کر حیرت سے آھل کو دیکھنے لگی۔
''سوری امریحہ تمہیں ڈسٹرب کیا۔'' آھل کچھ شرمندہ سا بولا۔
''نہیں آؤ۔'' امریحہ نے سائیڈ پر ہو کر جگہ چھوڑی آھل اندر آ گیا
''امریحہ یہ دودھ شزا عالیان کو پلانے لائی تھی مجھے اس میں کچھ گڑ بڑ لگی دیکھو اس کا رنگ کیسا ہے۔''
آھل نے جلدی سے مدعا بیان کیا امریحہ نے گلاس لے کر بغور دیکھا پھر سونگھا۔
''تم صحیح کہہ رہے ہو آھل یہ عام دودھ نہیں۔'' امریحہ نے پریشانی سے کہا۔
''اب اس کو لیبارٹری ٹیسٹ کروائیں تاکہ صحیح پتہ چلے۔'' آھل نے پوچھا تو امریحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
''ٹھیک ہے میں کل صبح ہاسپٹل لے کر جاؤں گی وہیں لیبارٹری سے چیک ہو جائے گا پھر شام تک رپورٹ مل جائے گی۔''
امریحہ نے گلاس ٹیبل پر رکھا۔
''تھینک یو امریحہ! تم بہت ساتھ دے رہی ہو میرا۔'' آھل نے اس کے حسین چہرے کو پیار سے دیکھا۔
''بس اب اتنا احسان مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں خود تمہاری ممنون ہوں کہ تم نے مجھے حاجرہ محل میں رہنے کو جگہ دی۔''

۞.........۞.........۞

اگلے دن شام کو امریحہ نے اسے بتایا کہ دودھ میں ایسی ادویات کا پاؤڈر استعمال کیا گیا تھا جن سے انسانی اعصاب آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

وہ مالی کے کوارٹر کی طرف بڑھ گیا، وہ مالی سے اپنے مخصوص انداز میں اگلوا سکتا تھا کہ اس خطرناک ڈور کا سرا کس کے ہاتھ میں ہے، دستک کے جواب میں مالی کی بیوی رقیہ نے دروازہ کھولا۔

''جی بابو جی؟'' اس نے دروازے کے پیچھے سے پوچھا۔

''مالی بابا کہاں ہیں۔؟''

''وہ تو نہیں ہیں۔''

''کہاں گئے۔؟''

''معلوم نہیں جی صبح بیگم سلطانہ صاحبہ کا پیغام آیا تھا وہاں نا گئے ہوں۔'' رقیہ نے کہا۔

آحل پُرسوچ انداز میں سر ہلاتا واپس مڑ گیا، بیگم سلطانہ نے بلوایا تھا، اس کا مطلب ہے، کچھ نیا ہونے والا ہے، وہ واہموں اور اندیشوں کے ہجوم میں گھرا چلا جارہا تھا، اچانک ایک نسوانی چیخ شزا کے کمرے سے سنائی دی آحل کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا، چیخ شزا کی نہیں تھی، لیکن پھر کس کی تھی؟ آحل کے ذہن میں سوال پیدا ہوا، یکبارگی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اچانک شزا کے کمرے کا دروازہ کھلا، شعلوں لپٹا ایک وجود باہر نکل کر سوئمنگ پول کی طرف بڑھنے لگا اور جب تک آحل اس تک پہنچتا شعلوں میں لپٹا وجود چھپاک سے سوئمنگ پول میں گرا اور گہرائی میں اتر گیا، یہ سب اتنا آنا فانا ہوا تھا کہ آحل پہچان نہ سکا کون ہے، اس کی نظریں بے اختیار شزا کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں شزا وہاں کھڑی سوئمنگ پول کی طرف دیکھ رہی تھی اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

گھر کے باقی افراد بھی چیخوں کی آواز سن کر آ گئے تھے۔ لڑکوں نے سوئمنگ پول میں سے اس عورت کو باہر نکالا تھا۔ پانی نے آگ تو بجھا دی تھی مگر وہ عورت اچھی خاصی جل چکی تھی۔ اسے جلدی جلدی مقامی ہسپتال منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

شام تک آحل اور عالیان ہوسپٹل سے واپس آ گئے تھے۔ دونوں پہلے شزا کے پاس ہی گئے تھے۔ تب اس نے بتایا تھا کہ وہ عورت اس کے کمرے کی صفائی کرنے آئی تھی مگر نجانے کیسے وہ آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔ عالیان نے شزا کی گھبراہٹ و خوف کے کو کم کرنے کے لیے اسے تسلی دی تھی جبکہ آحل، امریحہ وجاہت کی تصدیق کے بعد اس لمحے شزا کی بات سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

اس کے دماغ میں شک کی لہر شدت سے آٹھی تھی۔

''شزا نعیم کے ساتھ مل کر سب پر خوف و ہراس طاری کرنا چاہتی ہے...... یا نعیم کے علاوہ...... یہ بات معمولی نہیں ہے......!'' اندر ہی اندر خود سے مخاطب وہ اٹھ کر باہر چلا آیا تھا۔

۞..........۞..........۞

اگلا دن سب کے لیے طمانیت بھرا تھا۔ اس عورت کی صحت میں بہتری آئی تھی۔ اور دوسری طرف حنین بھی بالآخر سب کی محنت و محبت سے صدمے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اور امی بابا کے علاوہ رفعت پھوپھو، ان کی

بٹی۔ ملیحہ اور بیٹا محریب بھی حنین کے ساتھ واپس ہاجرہ محل آئے تھے۔

ہاجرہ محل میں موجود ہر فرد حنین کی ریکوری پر بہت خوش تھا۔ اور اسی خوشی میں سہیل چاچو اور عالیان نے محل میں ایک پارٹی کا پلان بنایا تھا۔ جس پر سبھی کی رضامندی کے بعد شام کے ڈھلتے پہر محل کے وسیع و عریض لان میں سب اکٹھے تھے۔ باتوں مسکراہٹوں نے فضاء میں سے تلخ بھیانک اثرات کو زائل کر دیا تھا۔

وقت خوبصورتی سمیٹے گزر رہا تھا۔

پھر رفتہ رفتہ پارٹی اختتام کو پہنچی تو ایک بڑی سی ٹیبل کے گرد لان میں پرانی باتوں، اور حسین یادگاروں کو سب ایک دوسرے سے شیئر کرنے لگے۔

دادو، عابد خان (عالیان کے والد) سہیل چاچو، روبینہ چچی، آپا، شزا، امریحہ اور آحل باقی سب کے جانے کے بعد بھی وہیں۔ بیٹھے رہے۔ اس دوران روبینہ چچی کوئی بات کر رہی تھیں۔ جبھی بات کے دوران انہوں نے اچانک افتاد پر ایک اونچی خوفناک چیخ فضاء میں بلند کی تھی۔ آحل انہی کو دیکھ رہا تھا۔ جب ان کے بالکل سامنے سے ایک مردہ سرکٹی بلی ہوا میں شدت سے آگے بڑھتی ان کی گود میں زور سے آ کر گری تھی۔ گردن سے بہتے خون کے دھبے ان کے چہرے اور کپڑوں پر بھی پڑے تھے۔ باقی سب بھی ہراساں ہوئے تھے۔ جبکہ اسی لمحے آحل کمال خان نے برق رفتاری سے دسری سمت دیکھا تھا جہاں بلی پھینکنے کے بعد ایک انجان لڑکی اب بھاگنے کی تیاری میں تھی۔

آحل سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا مگر اس کے اُٹھنے، آواز لگانے اور بھاگنے تک وہ لڑکی فرار ہو چکی تھی۔

آحل نے کافی دیر تک اسے ڈھونڈا مگر ندارد...... اسے لگا اس نے اس انجان لڑکی کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر اس لمحے اسے یاد نہیں آیا تھا۔ وہ ناکام واپس پلٹا...... روبینہ چچی کو محل کے اندر لے جا چکے تھے۔ امریحہ آحل کے پاس رکی ہوئی تھی۔

''امریحہ...... کچھ تو گڑبڑ ہونے والی ہے......!''

آحل کا دماغ گھوم رہا تھا۔ بہت ذہن پر زور دینے کے بعد بھی وہ یاد کرنے میں ناکام ہو چکا تھا۔

''لیکن......!''

وہ بھی عجب کشمکش کا شکار ہو چکی تھی۔

''مجھے کچھ بھی کر کے اس لڑکی تک پہنچنا ہے۔ وہ جو کوئی بھی تھی۔ ہاجرہ محل کے لئے خطرہ بن سکتی ہے...... میں نے اسے دیکھا ہے۔ کہاں......؟ یاد نہیں آ رہا...... مگر یاد آنا ضروری ہے......!'' وہ سخت عجلت و کوفت کا شکار بنا الجھا ہوا تھا۔

کوئی راہ...... کوئی کلیو...... کچھ بھی نہیں تھا۔

ذہن بھی ماؤف ہو چلا تھا۔

ہاجرہ محل کے باقی تمام مکین ایک بار پھر خوف و ہراس کا شکار ہو چکے تھے۔ روبینہ چچی تو سنبھلنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ رو رو کر طبیعت مزید خراب کر لی تھی۔ سہیل چاچو سمیت، دادو، تائی جان، چاچی جان، تایا ابو...... سب کے سب دلاسے دے دے ہمت ہارنے لگے تھے۔ مگر انہوں نے ایک ہی رٹ لگائی تھی کہ انہیں شہر جانا ہے...... وہ اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتی تھیں۔

ہاجرہ محل پر دہشت کے سائے ایک بار پھر منڈلانے لگے تھے۔

آحل نے عالیان اور دانیال سے بھی اس معاملے میں رائے لی۔ وہ دونوں صرف فکرمندی ہی ظاہر کر سکے۔ نعیم سے البتہ ڈسکس نہیں کیا تھا۔ مگر ذہن میں اٹکی سوئی اس انجان لڑکی میں تمام شکوک وشبہات کا نیا پُر سوچ رخ دے گئی تھی۔

امریحہ اس کے ساتھ تھی۔ مگر بندھے ہاتھوں کے ساتھ......

''میں کسی کی ایک بار دیکھی سرسری جھلک بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ پھر جانے کیوں وہ لڑکی میرے دھیان سے اوجھل ایک پہیلی بنتی جا رہی ہے۔!'' ایک دن مزید گزرنے کے بعد وہ اکتانے لگا۔

امریحہ وجاہت اس کی مشکل کو ابھی پہیلی نہیں بننے دینا چاہتی تھی۔

''وہ محل کی ملازمہ بھی ہو سکتی ہے......!''

''ملازمہ ہوتی تو کھلے عام اتنا بڑا رسک نہ لیتی......!''

''ہوں...... یا وہ کسی ملازم کی بیٹی بھی ہو سکتی ہے......!''

آحل خاموش رہا۔

''ورنہ کوئی عام بندہ کبھی بھٹک کر بھی اس محل کے اندر نہیں آیا......!'' امریحہ نے کہا۔

''رائیٹ......!'' اب کے آحل نے شاید کچھ پک کیا تھا امریحہ وجاہت کی بات سے جبھی سر کو جنبش دی۔

''رائیٹ امریحہ...... رائیٹ...... اینڈ پوسیبلی وہ اس دن بھاگ کر سرونٹ رومز میں چھپ گئی ہوگی۔ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اتنی آسانی اتنی جلدی سے بھاگ سکتی......!'' پہیلی کا پہلا حصہ سلجھنے لگا تھا۔

اس کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔

''تو کیا اب سب ملازمین سے پوچھنا پڑے گا......؟''

''نہیں امریحہ......!'' وہ بولا۔

''ہم کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے...... محض شک کی بنیاد پر سب کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتے۔ سب برسوں سے یہاں ہاجرہ محل میں کام کر رہے ہیں...... ان کی عزتِ نفس مجروح نہیں کر سکتے......'' وہ صاف بولا۔

''پھر......؟''

''مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا ہوگا۔ امریحہ ویسے تو کبھی سب ملازم اکٹھے نہیں ہوتے کوئی خاص موقع ہو تبھی سب ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ اور ہاجرہ محل میں ایسا ایک دن کچھ دن پہلے ہی گزرا ہے...... یاد ہے کرکٹ میچ والے دن سب کے سب موجود تھے۔ اور ہم نے اس میچ کی ریکارڈنگ بھی کی تھی...... وہ لڑکی یقیناً اس دن ضرور ویڈیو میں آئی ہوگی۔ ہمیں ابھی وہ ویڈیو چیک کرنی ہوگی۔!'' وہ ایک دم یاد آنے پر بولا تھا۔

دونوں کچھ ہی دیر میں آحل کے روم میں آ چکے تھے۔ کمرہ لاک کر کے ایک بار پھر وہ تحمل وتجسس سے ویڈیو دیکھ رہے تھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ میں وہ لڑکی آحل کمال خان کو کہیں بھی نہیں دکھی تھی مگر جب نعیم اور شزا پر کیمرہ فوکسڈ ہوا تھا تب آحل کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں۔ اسے وہ لڑکی بالآخر نظر آ گئی تھی۔

وہ بالکل نعیم کے عقب میں دائیں جانب ایک بڑے درخت کی اوٹ سے سب کو دیکھ رہی تھی...... چھپنے کی

کوشش کررہی تھی......اس کے چہرے کے تاثرات غیر واضح تھے۔مگر دائیں بائیں گھومتا اس کا سرا سے مشکوک ظاہر کر گئے تھے۔کیمرہ کی آنکھ سے وہ بچ نہیں سکی تھی۔

''یہی ہے وہ لڑکی......!''

آحل نے وڈیو pause کی۔امریحہ نے غور سے دیکھا۔جب تک آحل نے موبائل سے اس کی پکچر کلک کر لی تھی۔

''اس دن ہم نے نوٹس ڈ نہیں کیا.....کر لیتے تو شاید اسے پکڑ بھی لیتے......!''امریحہ بولی۔

''امریحہ مجھے یقین ہے وہ وہاں کسی کے کہنے پر ہی آئی ہوگی۔مگر کچھ بھی نہیں کر سکی کیونکہ سب ایک ساتھ تھے۔ مگر اس کے ساتھ کون ہوگا۔نعیم تو شزا کے ساتھ تھا.....یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپا نے اسے وہاں رہنے کو کہا ہو......!''آحل گنجلک سوچوں میں الجھا تھا۔

''پھر ہم اس کے بارے میں کس سے پوچھیں......جس کے لیے وہ کام کررہی ہو یہ نہ ہو کہ ہم اسی سے اس کے بارے میں پوچھیں......!''امریحہ بھی پریشان ہوئی۔

''ہوں......ہم ذیشان سے پوچھ سکتے ہیں۔اگر وہ کسی ملازم کی کچھ لگتی ہوئی تو ذیشان اسے پہچان لے گا...... میں اسے منع کر دوں گا کہ کسی کو بتائے مت......!''آحل نے کہا۔

''یہ ٹھیک رہے گا......!''

وہ دونوں کیمرہ واپس الماری میں رکھ کر محل کے اندرونی حصے سے باہر آ گئے تھے۔تھوڑی دیر میں آحل نے ذیشان کو بھی ڈھونڈ لیا تھا۔اسے موبائل سے تصویر دکھائی......پوچھا......

''یہ تو بھوت ہے......!''جسے دیکھ کر وہ بری طرح گھبرایا تھا۔

''بھوت......؟''وہ دونوں شدید متحیر ہوئے تھے۔

''کون بھوت......مطلب کس کا بھوت ہے......؟''آحل نے البتہ لمحے میں حیرت کو ایک طرف رکھا۔ذیشان کے چہرے پر ڈر بھی نمایاں ہو چکا تھا۔

''سعدیہ کا......!''ڈر ڈر کے بتایا۔

''کون سعدیہ......؟''وہ خاصہ حیران ہوا۔

''مالی بابا کی بیٹی......جو مر گئی تھی۔درخت سے لٹک کر......!''ذیشان نے انکشاف کیا تھا۔

وہ دونوں دنگ رہ گئے تھے۔

بات ناقابلِ یقین تھی۔

آحل نے ذیشان کو چپ رہنے کا کہہ کر بھیج دیا۔

''اوہ تو یہ وہ سعدیہ ہے.....عالیان بتا رہا تھا کہ وہ پاگل تھی۔کسی نے اس کو قتل کیا،اور پھر اس کی لاش بھی قبر سے غائب کروائی......پولیس انوسٹی گیشن کے لیے بھی آئی......جہاں قاتل کا عالیان کو مارنے کی بات بھی کھلی مگر ایک بات میری سمجھ سے اب باہر ہے......اگر پولیس انوسٹی گیشن کے لیے آئی تو کیس آگے کیوں نہ بڑھا......پولیس دوبارہ محل میں

بھی نہیں آئی......نہ اس کی غائب لاش کو ہائی لائیٹ کیا گیا......!''

آھل کمال خان صحیح معنوں میں الجھن کا شکار ہو چکا تھا۔

امریحہ وجاہت کے لیے بھی بات غیر یقینی و چونکا دینے والی تھی۔

''امریحہ ایک بات تو کلیئر ہو گئی ہے......!'' توقف بعد وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

''کیا......؟''

''محل میں موجود کوئی ہے جو سعدیہ کو کٹھ پتلی بنا کر اپنا کھیل کامیابی سے آگے بڑھا رہا ہے۔ نہ وہ پاگل تھی، نہ اس کا قتل ہوا تھا......بس اس کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ تاکہ سب اسے بھوت سمجھ کر اصل ماسٹر مائینڈ تک نہ پہنچ سکیں......!''

آھل نے اندازے کی سمت کو تفتیش کا روپ دے دیا تھا۔

''اب ہمیں اپنا مائینڈ شارپ رکھنا ہو گا۔ کلیئرلی دیکھنا ہو گا......کسی ایک پر فوکس کرنے کے بجائے سب کی ایکٹیوٹیز کا جائزہ لینا ہو گا......!''

وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

امریحہ بھی شاکڈ سی، پہیلی کے مزید الجھتے پڑاؤ کی اگلی چال کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکی تھی۔

☆..........☆..........☆

آہل خان اپنے کمرے میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا جب عالیان اس کے کمرے میں چلا آیا۔

''کیا سوچ رہے ہو آہل......؟؟''

''آہاں......کچھ خاص نہیں بس ہاجرہ محل میں ہونے والے ان عجیب و غریب واقعات کے بارے میں سوچ رہا ہوں......سمجھ نہیں آ رہی کہ ان سب کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے......؟؟ ویسے یہ جو کوئی بھی ہے میں جلد از جلد پتا کرا ہی لوں گا تم بتاؤ تم نے دوبارہ شزا سے دودھ لے کر تو نہیں پیا......؟؟''

''نہیں اب میں دودھ نہیں پیتا۔

لیکن آہل تم لوگ شزا پہ خوامخواہ شک کر رہے ہو وہ میرے لیے بہت مخلص ہے وہ کبھی بھی مجھے نقصان پہنچانے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔''

''کم آن یار......ہم نے شزا پہ کوئی شک نہیں کیا......ہاجرہ محل کے حالات ہی ایسے ہو گئے ہیں کہ ہمیں سب پہ نظر رکھنا ہو گی۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو آہل اور اب تو حنین بھی واپس آ گئی ہے یہاں اب دوبارہ ہم کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لے سکتے۔''

عالیان بولا تو آہل اچانک خاموش ہو گیا......

''کیا ہوا آہل......؟ تم حنین کے ذکر پہ یوں خاموش کیوں ہو گئے ہو......؟؟''

''تمہیں یاد ہے عالیان جب میں یو کے میں تھا اور حنین کے ساتھ وہ بھیانک حادثہ ہوا تھا تب تم نے ہی مجھے کال کر کے بتایا تھا کہ اس وادی کے ڈاکٹرز نے حنین کو لاعلاج قرار دے کے اس کا علاج نہیں کیا......لیکن جونہی تم لوگوں

نے اسے حویلی سے دور شہر بھجوایا تو کچھ ہی عرصے کی مناسب دیکھ بھال اور علاج سے حنین کی طبیعت سنبھل گئی اور اب وہ واپس حویلی آنے کے لیے بھی تیار ہو گئی...... تمہیں نہیں لگتا کہ ڈاکٹر اشفاق نے تم سے جھوٹ بولا تھا...... دراصل وہ یہ چاہتے ہی نہیں تھے کہ حنین صحت یاب ہو جبکہ اس کا علاج ممکن تھا......؟؟"

"لیکن آہل یہ سب میں نے کیوں نہیں سوچا۔؟ اگر اس وقت میں ان سب باتوں کے بارے میں سوچ لیتا تو سب کو اتنی تکالیف نہ اٹھانا پڑتیں۔ ڈاکٹر اشفاق فارن کوالیفائڈ ایک قابل ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے یقیناً کسی کے کہنے پہ یہ سب کیا جو اس وقت میں جان نہیں پایا" عالیان تھکے تھکے لہجے میں بولا

"ڈونٹ وری عالیان...... تم شاید نہیں جانتے کہ تمہیں وہ میڈیسنز دینے کا مقصد ہی یہی تھا کہ تم حالات اور واقعات پہ زیادہ غور و فکر نہ کر سکو اور تمہیں جو جیسا دکھایا اور بتایا جائے تم اسے مان لو...... اب دھیرے دھیرے ہم مل کر ساری گتھیاں سلجھا لیں گے...... ایوری تھنگ ول بی فائن ایٹ دا اینڈ...... سو یو ڈونٹ وری!"

آہل کے تسلی دینے پہ عالیان کو کچھ حوصلہ ملا تو وہ مسکرا دیا......

✿............✿............✿

اس سے اگلے دن جب امریحہ ہاسپٹل جانے کے لیے تیار ہو کر باہر آئی تو اس نے سعدیہ کو محل کے پچھواڑے میں جاتے دیکھا......

اس نے آہل کو اطلاع دینے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے خود ہی اس کا پیچھا کرنے کا ارادہ کیا۔

دفعتاً سعدیہ نے پیچھے مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا اور اپنے ہاتھ میں موجود تھیلے کو مضبوطی سے پکڑ کر محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگی۔ امریحہ نے ایک فاصلہ رکھ کے اس کا پیچھا کرنا شروع کیا...... تھوڑا سا آگے جا کر وہ رک گئی تو امریحہ جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی............

سعدیہ نے ایک بار پھر محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور اپنے تھیلے سے کچھ نکالنے لگی......

امریحہ نے جو یہ منظر دیکھا تو حیرت سے دنگ رہ گئی...... وہ اپنے تھیلے سے سر کٹی بلی اور ایک عورت کی خون بھری قمیص نکال رہی تھی......

سر کٹی بلی اس نے ایک طرف اچھال دی اور خون سے بھری قمیص ایک درخت سے لٹکانے کے بعد تیزی سے واپس ہاجرہ محل کی طرف بڑھ گئی......

امریحہ کچھ دیر تو وہاں سے ہل ہی نہ سکی پھر اپنی ہمت مجتمع کرتے ہوئے وہاں سے محل کی طرف بھاگی...

سعدیہ کی حرکت سے وہ بہت حیران و پریشان تھی...... اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر وہ کس کے کہنے پہ یہ کر رہی ہے اور وہ بھی دن کی روشنی میں۔

ہاسپٹل جانے کا ارادہ کینسل کرتے ہوئے وہ واپس محل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگی......

جب اس نے نعیم کو برآمدے کے پلر کے پیچھے کھڑے ہو کر کسی سے فون پہ بات کرتے سنا......

"ارے صاحب آپ پریشان نہ ہو۔ جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا ہی ہو رہا ہے...... میں نے کافی ملازم اپنے کنٹرول میں کر لیا ہے......" نعیم کی امریحہ کی طرف پشت تھی......

لیکن امریحہ کے لیے پہلے سعدیہ اور پھر نعیم کو مشکوک حالت میں دیکھنا بہت غیر متوقع تھا
اب تک وہ صرف شک کی بنیاد پر نعیم اور سعدیہ پہ نظر رکھنا چاہ رہے تھے لیکن امریحہ کو لگا اب ان لوگوں پہ نظر رکھے بنا کوئی چارہ نہیں تھا.......

وہ اندر برآمدے میں آئی پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی آئی تھی آحل اس وقت یقیناً اپنے کمرے میں ہوگا۔

وہ سوچتے ہوئے اس کے روم کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ کافی دیر ناک کرنے کے بعد امریحہ نے لاک گھمایا تو وہ بند تھا۔

اس کا مطلب اندر آحل موجود ہے۔ پھر وہ دروازہ کیوں نہیں کھول رہا
امریحہ پریشان ہو اٹھی۔
''آحل۔ آحل''
اس نے تشویش سے دروازہ پیٹ ڈالا۔ برابر والے کمرے سے عالیان نکل آیا
''کیا ہوا امریحہ۔؟'' عالیان نے پوچھا
''عالیان دروازہ لاک ہے پھر آحل کھول کیوں نہیں کھول رہا؟'' امریحہ حد درجہ پریشان تھی
عالیان نے آگے بڑھ کر لاک گھمایا پھر دروازہ بجانے لگا
''اس دروازے کی چابی ہے تمہارے پاس۔؟'' امریحہ کو اچانک خیال آیا
''میں دیکھتا ہوں۔''
عالیان اپنے روم میں چلا گیا پھر تھوڑی دیر بعد ایک چابیوں کا گچھا ہاتھوں میں لئے واپس آیا
کی ہول میں چابیاں ڈال کر جب تک چیک کرتا رہا امریحہ کے لبوں پر آحل کی سلامتی کی دعا رہی۔
آخر پانچویں چابی پر کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔
دونوں بے تابی سے اندر داخل ہوئے سامنے بیڈ خالی تھا۔
باتھ روم سے دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا تھا عالیان دوڑ کر گیا اور باتھ روم کی کنڈی کھولی۔
آحل دروازہ کھول کر باہر آیا
''آحل تم باتھ روم میں بند کیسے ہوئے؟'' امریحہ نے قریب آکر پوچھا
''یار میں تو صبح اٹھ کر باتھ روم گیا شاور لیا پھر دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو بند تھا نجانے کس اسٹوپڈ نے مجھے باتھ روم میں پھنسا دیا۔'' آحل غصے سے بولا
''ایک گھنٹے سے بند ہوں پھر تمہاری آواز سنی روم کا دروازہ بجانے کی۔''
''ہاں میں آئی تھی تم سے کچھ کہنے مگر۔'' امریحہ کہہ کر خاموش ہو گئی
''روم کا لاک تو میں نے رات کو بند کیا تھا صبح اٹھ کر ابھی کھولا نہیں تھا۔'' آحل نے بتایا پھر چونک اٹھا
''جب کمرہ بند تھا تو باتھ روم کی کنڈی کس نے آکر چڑھائی۔؟'' وہ امریحہ اور عالیان کو سوالیہ انداز میں دیکھنے

لگا۔

''بند کمرے کے اندر کون آ سکتا ہے؟'' عالیان نے الجھ کر پوچھا۔

''کوئی جن بھوت!'' عالیان کے چہرے سے پریشانی جھلکی

''افوہ عالیان تم پھر سے لوز مائنڈ ہو رہے ہو۔'' آحل بدمزہ ہوا۔

''یار چابی سے دروازہ کھول کر جیسے تم آئے ہو ویسے کوئی اور نہیں آ سکتا۔؟''

آحل نے کہا تو عالیان نے نفی میں سر ہلایا

''یار حاجرہ محل کے بالائی دروازوں کی ساری چابیاں میرے پاس ہیں مجھے سہیل چاچو نے تاکید سے دی تھیں کہ ملازموں کی پہنچ سے دور رکھوں۔'' عالیان کی بات پر آحل چند لمحے خاموش ہو گیا۔

''آحل یار پہلے دن سے میں سمجھ گیا ہوں کہ محل پر کسی جن یا بدروح کا سایا ہے تو جھٹلا رہا تھا مجھے اب دیکھ لیا نا خود ہی!''

عالیان نے جیسے اپنی باتوں کو سند دی تھی۔ آحل نے بے بسی سے اس سے دیکھا۔

''یار ایک تو تیرا یہ کمزور عقیدہ۔''

''مت مانو کہتے رہو سازش جب پانی سر سے اونچا ہوگا تب پتہ چلے گا۔''

عالیان ناراضی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

آحل نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر امریحہ کو دیکھا تھا۔

✿..........✿.......✿

البتہ چچی نے اس واقعے کو ذہن پر سوار کر لیا تھا۔ سہیل خان، عابد خان اور دادو نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ خود کو کسی خطرے میں ڈالنے کی بالکل روادار نہیں تھیں...... ایک ہی رٹ لگائے کسی کی بھی کچھ سننے سے پہلے انہوں نے گویا اپنی سماعتیں ناکارہ کر دی تھیں۔ ناچار سب کو ہار ماننی پڑی۔ طے پایا کہ روبینہ چچی اپنے دونوں بچوں اور دادو کو ناسازی طبع کے باعث شہر والے بنگلے میں دانیال اور محریب کے ساتھ بھیجا جائے گا کیوں کہ سہیل چاچو نے تو بیگم کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''میں اس مشکل وقت میں بچوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ محل میں پہلے سے اتنا تناؤ ہے۔ میرا یہاں ہونا ضروری ہے......!''

چچی ان کی بات سے ناراض بھی ہوئی کہ انہوں نے بیگم کے بجائے باقی سب کو ترجیح دی مگر سہیل خان نے توجہ دینی ضروری نہ سمجھی۔ آحل اور عالیان نے ان کے فیصلے اور سپورٹو نیچر کو بہت سراہا تھا۔

اگلے دن ان سب کو شہر کے لیے روانہ کیا گیا۔ باقی سب پریشان تو تھے مگر فرار کسی مسئلے کا حل نہیں تھا۔ حاجرہ محل میں رہ کر خوف و ہراس کی پھیلتی بھیانک شاخوں کی جڑ تک پہنچ کر انہیں نیست و نابود کرنا ضروری تھا ورنہ حاجرہ محل سے جڑی ان کے آباؤ اجداد کی سنہری یادیں و محبت کی مہکاریں گھٹن کا شکار ہو کر دھیرے دھیرے فضاؤں کی آمیزش سے دھندلی چادر کی اوٹ میں دفن ہو سکتی تھیں۔

آھل کمال خان نے عالیان کو نعیم اور شہزا سے دور کرنے کے لیے اسے زیادہ وقت دینے کو ترجیح دی جس سے مثبت اثرات نمایاں ہوئے۔ عالیان نے سوچنے و پرکھنے کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا شروع کیا تھا۔

''ہمیں مالی بابا سے ایک بار پھر بات کرنی ہوگی.....سعدیہ کے بارے میں بھی اور سلطانہ چچی کے بارے میں ہی..... مالی بابا کا ہر واقعہ سے تعلق اب یقینی لگتا ہے۔ آپا کے ساتھ بھی ان کی موجودگی اس شخص کے ساتھ کنکشن ظاہر کرتی ہے جو آپا کو بلیک میل کرتا رہا ہے.....شاید وہ آگے بھی کوئی حربہ آزمائے.....!''

وہ تفصیل سے بولا تھا۔

آھل نے مصنوعی حیرانگی مگر مسکراتے دیکھا تھا۔

وہ اس کو وہم و تصوراتی دنیا سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

''ارسطو.....آج میں بہت خوش ہوں۔'' تشکر سے اس نے عالیان کو گلے لگایا تھا۔

وہ مسکرایا تھا۔

توقف کے بعد وہ دونوں مالی بابا کے پورشن کی طرف گئے تھے۔ جہاں مالی بابا انہیں ایک کیاری کے پاس نظر آئے تھے۔

''مالی بابا.....؟'' قریب پہنچ کر عالیان نے انہیں آواز دی تھی۔ ان کی محویت ٹوٹی۔ پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا۔

ان گزرے دنوں میں مالی بابا کے رویے میں اتنا بدلاؤ ضرور آیا تھا کہ وہ کسی کی بھی آمد پر اب حیران ہونے یا گھبراہٹ کا شکار ہوئے بغیر گہری نظروں سے چہرے کے تاثرات سپاٹ کر لیتے.....اعتماد سے مقابل کے سامنے کھڑے ہوتے۔

''اس دن آپ شہر کیوں گئے تھے۔؟''

''کام تھا.....!'' مختصراً جواب دیا۔

''کس سے.....؟'' آھل نے پوچھا۔

''اپنے کام سے گیا تھا.....!'' انہوں نے الفاظ پر زور دیا۔

''اچھا.....؟'' آھل نے معنی خیزی سے انہیں دیکھا۔ وہ جو چھپانا چاہ رہے تھے وہ بات تو ان کی بیوی نے اسی دن بتا دی تھی۔

''اچھا سلطانہ چچی سے ''آپ کا کام'' کون سا تھا؟'' طنزیہ استفسار کیا۔

مالی بابا کے تاثرات ساکت تھے کہ گویا وہ اس سوال کے لیے پہلے سے تیار ہوں۔

''میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں.....انہوں نے شہر والے بنگلے میں کام کا کہا تھا اسی کے بارے میں پوچھنے گیا تھا.....؟'' وجہ بتائی۔

وہ دونوں اب تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''آپ یہاں سے کیوں جانا چاہتے ہیں۔؟'' عالیان نے اپنی حیرت کو زبان دی۔

''یہاں اب ہمارے لیا بچا ہی کیا ہے.....؟'' جس پر الٹا انہوں نے مدھم سے لہجہ میں سوال کیا۔

''آپ کی بیٹی سعدیہ......!'' آھل کمال خان نے دوٹوک جواب دیا۔

''مردہ بیٹی کا دکھ کمزور دل برداشت نہیں کر سکتا صاحب......وہ بیچاری خود تو چلی گئی اور ہمیں......!'' وہ سنجیدگی سے بات ادھوری چھوڑ کر نظریں جھکا گئے۔

ڈر تھا کہ کہیں وہ دونوں نم آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔

''وہ مری نہیں ہے......زندہ ہے......!'' آھل نے بنا وقت ضائع کیے انہیں اطلاح دی۔ اسے اتنا تو یقین تھا کہ مالی بابا سب جانتے ہوئے انجان بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

''میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے دفنایا تھا۔!'' انہیں آھل کی بات ناگوار گزری تھی۔ لرزتی آواز میں بولے۔

''اور میں نے خود اسے اپنی آنکھوں سے محل میں دیکھا ہے......!'' جبکہ آھل نے مضبوط آواز میں ٹھوس لہجے میں کہا۔

''اس کی لاش درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ سب نے دیکھا۔ پولیس بھی آئی پوچھ تاچھ کے لئے......اس بیچاری کی موت کو معمہ مت بناؤ صاحب......ہم غریب بار بار قسمت سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے......ہمیں آزمائش میں مت ڈالو آپ لوگ......اسی لیے میں شہر جانا چاہتا ہوں......مری ہوئی بیٹی کا روگ یہاں چین نہیں لینے دیتا......!'' اب کہ مالی بابا اکتا کر بولے تھے۔

زخم بھی جیسے ہرے ہوئے تھے۔

آھل کو مگر وہ سب تماشہ ہی لگا تھا۔

''مجھے ایک بات بتائیں...... پولیس والے صرف ایک بار ہی کیوں آئے......سعدیہ کا کیس آگے کیوں نہیں بڑھا۔ اس کی خالی قبر کو نظرانداز کیوں کیا گیا......کیا دفنانے کے بعد ایک بار بھی آپ قبرستان نہیں گئے......!'' آھل پوچھے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔

چھپن چھپائی کا کھیل بہت طویل ہو چکا تھا۔

اب آنکھوں سے کالی پٹی اتار کر کالی گھٹاؤں پر سے تلخی اور پُراسراریت کی اندھی چادر کو دور پھینکنا از حد ضروری تھا۔

عشق کی داستان اکثر ادھوری رہ جاتی ہے۔ مگر کردار کھل سامنے ضرور آتے ہیں چاہے حق پر ہوں یا باطل کا لبادہ کیوں نہ اوڑھے ہوئے ہوں۔

''یہ محل بہت سے راز سینے میں دفنائے ہوئے ہے صاحب......کوئی بھید نہیں جانتا۔ کوئی کچھ نہیں جانتا۔ یہاں کیا ہوا تھا۔ کیا ہو رہا ہے اور آگے کیا ہوگا......اور جہاں تک بات میری بیٹی کے قتل اور پولیس کی ہے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ فریاد بھی نہیں......رضا خان صاحب کے قاتل بھی آج تک گرفت میں نہیں آئے۔ پولیس نے کبھی ان کے کیس کی تحقیق بھی آگے نہیں بڑھائی تو میری بیٹی کی فکر کون کرے گا......وہ زندہ ہے یا نہیں کسی کو اس سے کیا مطلب ہو سکتا ہے......؟''

مالی بابا کا ضبط اس لمحے گویا ٹوٹ سا گیا تھا۔ وہ رنجور ہوئے تھے۔ کرب سے گزرے تھے۔ مگر اس دوران رضا خان کے قتل کی ادھوری تفتیش کا انکشاف ان دونوں کو ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا۔

''مالی بابا کیا آپ رضا انکل کے قتل کے بارے میں کچھ جانتے ہیں......؟'' عالیان نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''نہیں...... غریب لوگ امیروں کے راز نہیں جانتے...... جان لیں تو انہیں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے......!'' انہوں نے روکھے سے لہجے میں جواب دیا۔

لب و لہجے میں تلخی بھی نمایاں تھی۔

وہ دونوں خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔ مالی بابا اپنی بات مکمل کر کے انہیں کئی سوالوں کے حوالے کیے چکے تھے۔ وہ دونوں ایک اور الجھتا سرا ہاتھ میں پکڑے واپس محل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

۞...... ۞...... ۞

''مالی بابا یقیناً ہاجرہ محل کے ہر راز سے واقف ہیں لیکن وہ مجبور ہیں بتانا بھی چاہیں تو نہیں بتا سکتے...... کوئی ہے جو مالی بابا کو بلیک میل کر کے ان سے یہ سب کام کروا رہا ہے...... کوئی ایسا جو یہ نہیں چاہتا کہ ہاجرہ محل میں کوئی ہے......''

آہل خان پُرسوچ لہجے میں بولا......

''لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ہاجرہ محل میں ایسا کون سا راز چھپا ہے جس کے ظاہر ہونے سے وہ خوف زدہ ہے...... اور اسی خوف کے پیشِ نظر ہی وہ یہاں سے سب کو بھگانا چاہتا ہے۔'' عالیان نے بولتے بولتے ایک پُرسوچ نظر آہل پر ڈالی۔

آہل کی نظریں اس وقت کھڑکی کی طرف تھیں...... عالیان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو چونک گیا

وہ دونوں اس وقت ہال کمرے میں بیٹھے تھے اور ہال کمرے سے وہ کھڑکی جو ہاجرہ محل کے بیرونی احاطے کی طرف کھلتی تھی وہاں کوئی سایہ سا لہرایا تھا۔

آہل نے آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا وہاں سے سعدیہ کو ملازموں کے رہائشی حصے کی طرف جاتے دیکھا......

''دیکھو عالیان یہ لوگ سعدیہ کو مرا ہوا بتا رہے ہیں اس کے باوجود سعدیہ کی تقریباً ہر جگہ موجودگی سے یہ ہمیں خوف زدہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں ہم بھوت پریت یا آسیب کا چکر سمجھ کر خود ہی پیچھے ہٹ جائیں...... لیکن ہم ان کی ایک ایک کوشش کو ناکام بنا دیں گے...... یہ میرا خود سے وعدہ ہے کہ جب تک میں ہاجرہ محل کے مکینوں کو نقصان پہنچانے والی ہر طاقت کا خاتمہ نہیں کر لیتا میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا......''

آہل خان ایک عزم سے بولا تو عالیان نے بھی اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے اپنے ساتھ کا یقین دلایا۔

۞...... ۞...... ۞

آہل خان اور عالیان دونوں ہال کمرے سے بالائی منزل کی طرف جا رہے تھے جب امریحہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی ان کے پاس آئی۔

''آہل...... وہ میں نے ابھی ابھی سلطانہ چچی کو تہہ خانے والے کمرے میں جاتے دیکھا ہے۔''

''اوہو...... لیکن تہہ خانے والے کمرے کے تالے کی چابی تو میرے پاس ہے پھر سلطانہ چچی وہاں کیا جاسکتی ہیں؟''

عالیان حیران ہوتے ہوئے بولا۔

''لیکن عالیان یقین کرو میں نے خود ان کو اس کمرے کا دروازہ کھول کے اندر جاتے دیکھا۔''

''کیا انہوں نے بھی تمہیں دیکھا تھا......؟؟''

آنل نے امریحہ نے پوچھا۔

''نہیں...... انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن ان کی نظر یقیناً مجھ پر نہیں پڑی ہوگی......''

''اوہ...... تو پھر جلدی چلو۔ نہ جانے وہ اس کمرے میں کیوں گئی ہیں؟''

آنل یہ کہہ کر تیزی سے نیچے جانے لگا تو عالیان بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا......

تہہ خانے والے کمرے کا دروازہ کھلا تھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

آنل نے آگے بڑھ کر تہہ خانے کی سیڑھیوں سے نیچے جھانکا تو ایک لمحے کے لیے خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی......

سلطانہ چچی تہہ خانے میں بے ہوش پڑی تھیں۔

اور ان کے آس پاس انسانی کھوپڑیاں، سرکٹی بلیاں اور خون ہی خون تھا۔

آنل نے خود پہ قابو پاتے ہوئے عالیان کی مدد سے وہاں سے سلطانہ چچی کو کمرے میں منتقل کیا۔

تہہ خانے میں خون اور مری ہوئی بلیوں کی وجہ سے ناقابلِ برداشت بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

سلطانہ چچی کو دو منٹ میں خود ہی ہوش آ گیا۔

''میں...... میں یہاں کیسے آئی ہوں۔؟ مجھے کون لایا ہے یہاں؟''

ہوش میں آتے ہی وہ گھبرا کے پوچھنے لگیں۔

''سلطانہ چچی...... بہتر ہے کہ آپ یہ ناٹک چھوڑیں اور جو سچ ہے وہ ہمیں بتا دیں... آپ یہاں کیا کر آئی تھیں اور یہ تہہ خانے میں خون، سرکٹی بلیاں اور انسانی کھوپڑیاں کون لایا......؟؟'' آنل نے غصے سے پوچھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے نہیں پتا کہ میں یہاں کیسے آئی ہوں۔'' سلطانہ چچی اٹھ کے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''اُف اور کتنا جھوٹ بولیں گی آپ۔؟ امریحہ نے خود دیکھا ہے آپ کو تہہ خانے والے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر آتے ہوئے''...... اب کی بار عالیان جھنجھلاتے ہوئے بولا تو سلطانہ چچی کے ردِعمل نے ان سب کو حیران کر دیا......

''اچھا تو تم اس دو ٹکے کی ڈاکٹر کے کہنے پر مجھ پہ شک کر رہے ہو...... ایسی لڑکی جس کا آگا پیچھا نہیں جانتے تم۔ جس کو ہاجرہ محل میں آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے ہیں''...... وہ اونچی آواز میں روتے ہوئے بول رہی تھیں۔

امریحہ کے چہرے کا رنگ یک لخت تبدیل ہوا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

جبکہ عالیان اور آنل کو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ سلطانہ چچی کے اس ردِعمل کو کیا نام دیں۔

انہوں نے سلطانہ چچی کو وہاں سے جانے دیا اور خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

وقت اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ گزر رہا تھا۔

تجسس و شکوک و شبہات اپنی جگہ ہنوز مستحکم کیے جا رہے تھے۔

آحل کمال خان...... واقعی ایک بہترین انسان اور مخلص دوست تھا۔ میں عالیان خان...... خود پر بے پناہ یقین رکھتا تھا۔ مگر کبھی جان ہی نہ سکا تھا کہ اندر اور باہر کے عالیان میں زمین آسمان کا فرق ہو سکتا ہے۔

میں بظاہر جتنا بے خوف تھا۔ میرے اندر چھپا عالیان خان اتنا ہی ڈرپوک تھا۔

میں بظاہر جتنا مضبوط تھا۔ میرے اندر چھپا عالیان خان اتنا ہی کمزور تھا۔

میں بظاہر جتنا پُر وثوق تھا۔ میرے اندر چھپا عالیان خان اتنا ہی وہمی تھا۔

مین بظاہر جتنا موقع شناس تھا۔ میرے اندر چھپا عالیان خان اتنا ہی الجھا ہوا تھا۔

میرے ظاہر کو مسخ کر کے...... میرے اندر چھپے عالیان خان کو استعمال کیا گیا۔ اتنی بیباکی اور دلیری سے کہ میں نہ جان سکا نہ خود کو کٹھ پتلی بننے سے روک سکا۔

ہاجرہ محل...... آنے سے قبل میں بہت ایکسائیٹڈ تھا۔ میں ہاجرہ محل میں ہر ایک دن کو یادگار بنانے کا سوچ کر آیا تھا مگر اب شاکڈ ہوں کہ اتنی ہی ایکسائیٹمنٹ کسی اور کو مجھے ..... میرے اندر چھپے عالیان خان کو بے وقوف بنانے کی بھی تھی۔

کیوں......؟ وجہ میں ابھی تک نہیں جانتا......

جاننا چاہتا ہوں...... مگر اب دماغ غنودگی سے آزاد ہے...... آحل کمال خان کا یہ احسان اسے میری نظروں میں بہت معتبر بنا گیا ہے۔ اگر آحل نہ آتا تو وہ جو کوئی بھی تھا اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا۔ میڈیسنز کے بے دریغ استعمال سے مجھے مفلوج کر دیتا۔

مجھے اسی طریقے سے ٹارگٹ بنایا جا رہا تھا۔ اور میں وہی دیکھ، سوچ اور محسوس کر رہا تھا جو مجھے دکھایا اور محسوس کروایا جا رہا تھا۔ اب یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ہاجرہ محل کسی بدروح کی پناہ گاہ نہیں...... بلکہ کوئی اور ہاجرہ محل کے سحر میں قید اس کے عشق میں گرفتار ہے۔

میں اب میڈیسنز کے زیر اثر نہیں لیکن پتہ نہیں کیوں آحل کمال خان اور امریحہ وجاہت کے شک و تصدیق کے باوجود میرا دل شزا اور نعیم کے خلاف کچھ بھی غلط سوچنے کے حق میں نہیں تھا۔ وہ دونوں میرے دل کے بے حد قریب ہیں...... ان سے میرا تعلق صرف خون کا نہیں بلکہ دل اور جذبات کا ہے...... شزا میری پہلی محبت اور نعیم میرا بہترین دوست تھا۔ شروع سے اب تک ہم نے زیادہ تر وقت اکٹھا گزارا تھا۔

اس پر شک مجھے بے بس کر دیتا۔

لیکن۔ مجھے اب اپنے اندر ڈرے ہوئے، خوف زدہ، وہمی کمزور عالیان خان کی نفی کرنی تھی۔ ایک خول و بہروپ سے نکل کر اپنے اصل روپ میں واپس آنا تھا۔

آہل اب قدم قدم میرے ساتھ تھا۔ ہمیں ہاجرہ محل کی مسٹری کو سلجھانا تھا۔
ہر صورت میں......
اور اب مجھے پورا وثوق تھا کہ میں ہر مشکل کا مقابلہ کرلوں گا......اب کوئی طاقت میرا حوصلہ پست نہیں کر سکتی......
اور یہ یقین مجھے طمانیت بخش چکا تھا۔
میں عالیان خان......اپنی اصل شخصیت و روپ میں لوٹ آیا تھا۔
اب میں نے اپنے حواس کو سلامت رکھتے ہوئے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا تھا۔
''کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ جتنے بھی مضبوط و طاقتور ہوں آپ کو کسی بہت اپنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی ایسا جس کی موجودگی میں آپ خود کو تنہا محسوس نا کریں۔ جس کا ساتھ آپ کے اندر مزید ہمت و حوصلہ پیدا کرے۔''
اور میں بہت خوش قسمت تھا کہ مجھے ہمیشہ آہل خان کا ساتھ نصیب ہوا۔
اس کا ہونا میرے لیے بہت اہم تھا اسی کی وجہ سے میں نے حالات و واقعات کو صحیح طرح سے سمجھنا اور پھر ان سے نبٹنا سیکھا۔ سلطانہ چچی تو کچھ اگلنے کو تیار ہی نہ تھیں...... ہم نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا لیکن اب بھی ہماری نظر ان کی حرکتوں پر تھی۔
اس دن آہل اور میں اچھی طرح جان گئے تھے کہ سلطانہ چچی تہہ خانے میں اپنی مرضی سے ہی گئی تھیں۔
لیکن وہ وہاں کیا کرنے گئی تھیں۔ اور ان کے آس پاس تہہ خانے میں مردہ بلیوں، انسانی کھوپڑیوں اور خون کا ہونا ہماری سمجھ سے بالاتر تھا۔
ہم نے انہی رازوں کو کھوجنا تھا۔
سلطانہ چچی کے بعد نعیم اور شزا پر شک کرنے کو اگرچہ میرا دل نہیں مانتا تھا لیکن ان کی کچھ مشکوک حرکتوں کی وجہ سے اب ہم نے ان پہ بھی کڑی نظر رکھنا شروع کردی تھی۔
اور پھر انہی دنوں میں نے یہ محسوس کیا کہ شزا اور نعیم ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے ہیں۔
شزا موقع پا کر اکثر نعیم کو تسلیاں دیتی نظر آتی۔
شاید وہ ایک نرم دل لڑکی تھی اور اس سے نعیم کا ہر وقت پریشان رہنا برداشت نہیں ہوتا تھا۔
میرے دماغ نے صحیح طریقے سے کام کرنا شروع کیا تو مجھ پر کئی ایسے انکشافات ہوئے جن سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔
لیکن اب میں بغیر کسی تحقیق کے کسی بات پر آنکھیں بند کر کے پہلے کی طرح یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔
میں جان چکا تھا کہ بعض اوقات جو دکھائی دے رہا ہوتا ہے یا جو ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ ایک فیصد بھی سچ نہیں ہوتا۔
میرا ذہن حقیقت کو تسلیم کرنے لگا تھا کہ پھر ایک رات ایک عجیب واقعہ ہوا۔
میں رات کا کھانا کھا کر پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ مجھے ایک درخت کے پیچھے سرسراہٹ کا احساس ہوا

میں ایکدم چوکنا سا ہو گیا۔ درخت کی ٹہنیاں اَن دیکھی قوت سے ہلنا شروع ہو گئیں۔

میں رک کر ان کی تیز جنبش دیکھنے لگا جس کا موسم تھا بارش کا امکان تھا دو تین دنوں سے ہوا بند تھی لیکن اس مخصوص درخت کی ٹہنیوں کا ہلنا بھلا بغیر ہوا کے کیسے ممکن تھا۔ دفعتاً ایک سایہ سا نمودار ہوا چونکہ اس طرف روشنی کچھ کم تھی اس لئے مجھے واضح نظر نہ آ سکا۔

وہ ایک درمیانے قد کا آدمی تھا جس کا چہرہ پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا آف وائٹ رنگ کی قمیص جا بجا خون آلود تھی اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا خنجر لہرا رہا تھا جو لہو میں نہایا ہوا تھا۔ اس آدمی کو دیکھ کر ایک پل میں نے بھاگ جانا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر وہیں رکا رہا۔

''کون ہو تم ؟!'' میں نے آواز کو بارعب بنا کر پوچھا۔

جبکہ پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا لیکن مجھے مضبوط رہنا تھا۔

''رضا خان۔'' ایک سرسراتی آواز نکلی جسے سن کر میں زور سے چونکا۔

''کیا۔؟''

''میں رضا خان ہوں بیٹا۔''

اب اس پٹیوں سے جکڑے آدمی نے سسک کر کہا۔

''رضا خان انکل۔'' میں بڑبڑایا۔

''ہاں میرے بچے تمہارا انکل۔ مجھ سے ڈر گیا تو۔؟''

وہ آدمی خنجر اٹھائے قریب آیا تو میں دو قدم پیچھے ہوا۔

''میرے بچو، میں جانتا ہوں تم میری موت کو لے کر بہت پریشان ہو۔''

''میں تو خود ایک سوال بن کر رہ گیا ہوں۔'' وہ آدمی اب خنجر سے اپنی قمیص پھاڑنے لگا۔

''میرے زخم دیکھ میرے بچے۔'' وہ اندر سے بھی لہولہان تھا آگے کی قمیص پھٹی تو مجھے ابکائی سی آ گئی۔

''مجھے اس محل کی نادیدہ طاقتوں نے مار ڈالا ختم کر دیا۔ میں ایک معمہ بن کر رہ گیا دیکھ بچے اسی خنجر سے ان بد ارواح نے مجھ پر حملہ کیا۔ جانتا ہے کیوں؟'' وہ خنجر لہرا لہرا کر بول رہا تھا میں ساکت سا کھڑا تھا ڈر و خوف کے بجائے حیران سا۔

''وہ یہاں بس چکی ہیں اس محل کو چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے انہوں نے۔ جو اس محل میں رہنا چاہے گا اس کو مار کر دم لیں گی نہیں چھوڑیں گی۔'' وہ وحشت زدہ سا خنجر ہوا میں اچھالنے لگا۔

میرا حلق خشک ہوا تھا۔

''چلا جا بچے یہاں سے نکل جا سب کو نکال لے ورنہ تیرا انجام موت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔''

یکایک وہ خنجر لے کر میری کی طرف بڑھا تو میں نے سرپٹ دوڑ لگا دی۔ اندھا دھند دوڑتے میں محل کے رہائشی حصے کی طرف آیا پھر برآمدے کے دروازے پر رک کر پھولی سانسوں سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

وہاں اب کوئی موجود نہ تھا۔

میں وہیں کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں جب تک میں نے اپنی سانسیں بحال کی تھیں آحل وہاں آ گیا تھا۔ میں نے اسے بتانے کا سوچا ہی تھا لیکن محل کے اندر بڑھنے سے قبل مجھے عقب سے نعیم کی آواز آئی تھی۔ اس کی آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔ ہم دونوں فکرمندی سے اس کی جانب مڑے تھے۔ وہ ہمارے قریب آ کر رک گیا تھا۔ اس کے ماتھے سے تھوڑا بہت خون بھی بہہ رہا تھا۔ بھاگنے کی وجہ سے اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

''عالیان......وہ......وہ شزا......!''

عجلت میں اس سے بولا ہی نہیں گیا تھا مگر اس پریشانی میں شزا کا نام میرے دل کو دھڑکا لگا گیا تھا۔

''کیا ہوا شزا کو......اور یہ خون......؟''

''ہم دونوں محل سے کچھ فاصلے پر واک کر رہے تھے جب ایک گاڑی ہمارے قریب آ کر رکی اور شزا کو کچھ آدمی اس میں سے نکل کر گاڑی میں بٹھانے لگے۔ میں نے بچانا چاہا تو مجھ پر بھی وار کیا۔ میں زمین پر گرا اور وہ لوگ شزا کو کڈنیپ کر کے لے گئے......!'' نعیم نے بمشکل اپنی بات مکمل کی تھی۔ ماتھے سے بہتا خون اس کی آواز میں سوز لے آیا تھا۔

مجھے اپنا دماغ گھومتا دکھائی دیا۔ میں اس لمحے زمین بوس بھی ہو جاتا اگر آحل مجھے سہارا نہ دیتا تو......

''تم نے گاڑی کا نمبر نوٹ کیا......؟'' آحل نے ساتھ ہی نعیم سے باز پرس کی تھی۔

''نہیں......چوٹ کی وجہ سے ہوش ہی نہیں رہا......!'' اس نے تکلیف دہ آواز میں کہا۔

''کتنے آدمی تھے......؟'' اس نے مزید پوچھا۔

''چار......!''

''کچھ کہہ رہے تھے ساتھ......؟''

''نہیں...... مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ مجھے شزا کی فکر تھی۔''

میرا تو دل ڈوبنے لگا تھا۔

''ہوں......ابھی دونوں اندر چلو۔ میں دیکھتا ہوں اس بارے میں...... پولیس اسٹیشن سے بھی ہو کر آتا ہوں......اور پلیز ابھی اس بارے میں کسی کو مت بتانا......سب پریشان ہوں گے......!''

میں تو صدمے سے ساکت ہی کھڑا رہ گیا تھا۔

آحل نے کہتے ہوئے محل کے اندرونی حصے کی جانب قدم بڑھائے۔ ہم دونوں بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ پھر اس نے ہی نعیم کے ماتھے پر پٹی کی۔ اور ہم دونوں کو محل کے اندر ہی رہنے کا کہہ کر خود آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا۔

''شزا سے کسی کو کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟'' میں نے بڑبڑاہٹ کی تھی۔

''سب ٹھیک ہو گا عالیان......وہ آ جائے گی واپس......!'' نعیم نے کمزور لہجے میں مجھے تسلی دی تھی۔

اور تبھی میرے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا تھا۔

''کہیں یہ کوئی چال تو نہیں......کہیں نعیم نے ہی تو شزا کو کڈنیپ نہیں کروایا...... مجھے اس کے ذریعے بلیک میل کروا کر......!''

میں اس سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

مگر میری نسیں اس سوچ کی اذیت سے پھٹنے لگی تھیں۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ پلنگ پر لیٹ کر کروٹ بدل رہا تھا۔

میرا شک گہرا ہونے لگا تھا۔

مگر میں چپ تھا۔

۞..........۞..........۞

آہل کمال خان دونوں کو روم میں رہنے کا کہہ کر خود محل سے باہر نکل آیا۔

شزا کا کڈنیپ ہونا غیر یقینی تھا۔

شک تھا یا یقین......

مگر جانے کیوں وہ نعیم کی بات پر خود کو قائل کرنے میں ناکام ہوا تھا۔ نعیم کی بات وزخم اسے محض ڈرامہ لگا تھا۔ کچھ بھی کہہ کر وہ اس وقت نعیم پر اپنے شک کی مہر ثبت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اب وہ شزا کے لئے فکر مند تھا۔

اسی فکر مندی میں وہ اردگرد پُرسوچ انداز میں چکر کاٹ رہا تھا۔ جبھی اسے لگا کہ کوئی عکس محل کی دیوار پر ظاہر ہو کر غائب ہوا۔ وہ کسی کی پرچھائیں تھی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اب مزید اونچ نیچ کی گنجائش بچی بھی نہیں تھی۔ اسے ہر حال میں اصل ماسٹر مائینڈ اور اس کی کٹھ پتلیوں تک پہنچنا تھا۔ وہ دبے پاؤں اس رخ کی جانب بڑھا تھا۔ توقف بعد اسے ایک وجود دکھائی دیا تھا جس نے خود کو پُرتجسس انداز میں مکمل ڈھانپ رکھا تھا۔

آہل خان کم از کم آج کسی کو فرار کی راہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ مکمل احتیاط سے تعاقب جاری رکھا۔ وہ وجود محل کے داخلی دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ اردگرد دیکھ کر تسلی کر رہا تھا۔ عقب میں البتہ نہیں دیکھا تھا۔ تسلی ہو جانے کے بعد اس نے چادر کے نیچے سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکال کر ہاجرہ محل کے اندرونی داخلی دروازے کے ایک زینے پر رکھا تھا۔ اور رکھنے کے فوراً بعد وہ واپسی کے لئے پلٹا تھا۔

آہل کمال خان کے پاس یہی بہترین موقع تھا جس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اسے دبوچ چکا تھا۔ گرفت مضبوط کرنے کے بعد وہ اسے محل کے عقبی حصے میں لے کر گیا اور اسے شدت سے زمین پر پٹخ دیا۔ اس کیا تبھی اس کی سماعتوں سے درد بھری نسوانی آواز ٹکرائی تھی۔

اس نے چونکے بنا آگے بڑھ کر چادر کو کھینچا تو نظر زمین پر گری سعدیہ پر پڑی۔

''او......تو آخر تم پکڑی گئی......!''

وہ بولا تھا۔ لہجے میں کھنک تھی۔ پہلی کامیابی شاندار ثابت ہوئی، وہ اتنے دنوں سے جس کھوج میں تھا وہ مکمل ہو چکی تھی۔

لیکن سعدیہ نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ بھاگنا شاید اب ممکن نہیں تھا۔ گرنے سے ایک ٹانگ متاثر ہوئی تھی۔

''چلاؤ مت......تم کوئی بھوت نہیں ہو۔ میں جانتا ہوں تم زندہ ہو۔ تمہاری موت دکھاوا تھی۔ پلان ......!'' آہل نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھے تھے۔ ساتھ ہی درشتگی سے بولا تھا۔

نتیجتاً سعدیہ کی خود کو چھڑانے کی مزاحمت دھیمی پڑ چکی تھی۔
آحل بھی نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور ان دونوں کو دیکھ لے۔ بناء کچھ بولے اسے اسی پوزیشن میں محفوظ جگہ لے گیا۔ جہاں کسی کی بھی آمد متوقع نہیں تھی۔ اول تو اس نے اردگرد سے رسی ڈھونڈ کر نکالی اور پھر اسے کرسی پر بٹھا کر مضبوطی سے باندھ لیا۔
''مجھے پکڑنے سے کچھ بھی ٹھیک نہیں ہونے والا......!'' بندھنے کے بعد وہ طنزیہ بولی تھی۔
''تم پکڑی گئی ہو باقی سب بھی گرفت میں آ جائیں گے...... میں ابھی پولیس کے پاس جاؤں گا۔ وہ خود ہی تم سے سب اگلوا لیں گے۔''
''ہاہاہا......!'' آحل کی بات پر سعدیہ نے تمسخرانہ قہقہہ بلند کیا تھا۔
''پولیس تو خود ان کے اشاروں پر برسوں سے ناچ رہی ہے...... مجھے تو وہ لوگ پھر بھی کچھ نہیں کہیں صاحب مگر آپ کو اپنی جان سے جانا پڑے گا......!'' سعدیہ نے اسے خبردار کیا تھا۔
''اچھا......کون ہے وہ جس کی دھمکی مجھے دے رہی ہو......؟'' آحل نے اس سے اگلوانا چاہا ورنہ دھمکی سے بالکل بھی نہیں ڈرا تھا۔
''وہ جو بھی ہے میں نہیں جانتی مگر وہ آپ ہی میں سے ایک ہے...... بہت بے رحم ہے۔ پتھر دل ہے۔ پاگل ہے۔ جنونی ہے، کسی کو نہیں چھوڑے گا......سب اس کے نشانے پر ہیں......وہ سب کو مار دے گا...... مار دے گا سب کو وہ......کوئی اس سے بچ نہیں سکتا......!'' وہ عجیب لے میں بولے جا رہی تھی۔
آحل کو کوفت ہونے لگی۔
''بکواس بند کرو......!'' وہ اس پر چلایا۔
''بکواس نہیں ہے یہ......یقین نہیں آتا تو جا کر وہ ڈبہ دیکھ لیں جو میں نے ابھی سیڑھی پر رکھا تھا۔ سب واضح ہو جائے گا......!'' سعدیہ سنجیدہ تھی۔
آحل نے اس کی بات کو اس بار سنجیدگی سے ہی لیا۔ پھر ڈبہ چیک کرنے کے ارادے سے سعدیہ کے منہ پر کپڑا باندھ کر دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا......
تجسس بڑھ چکا تھا۔
ایسا کیا ہو سکتا ہے ڈبے میں......؟
سوچ میں الجھتا وہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ ڈبہ وہیں تھا۔ اس نے ڈبہ اٹھایا۔ ایک کونے میں جا کر کھولا۔ اور سامنے جو چیز نظر آئی وہ اس کی آنکھیں شدت غم سے کھولے اسے ساکت کر گئی تھی۔ کئی لمحے بے یقینی کی نذر ہو چکے تھے۔
اس کا دل ہول اٹھا تھا۔
وہ اس اذیت کو محسوس کر کے کرب سے گزرا تھا۔
ڈبے میں کسی لڑکی کے ہاتھ کی کٹی ہوئی انگلی پڑی ہوئی تھی۔
اس کے ساتھ ایک چٹ بھی رکھی ہوئی تھی۔

آہل نے خود کو بمشکل سنبھال کر وہ چٹ اٹھائی تھی۔ جس میں اسی ٹیڑھی میڑھی رائیٹنگ میں لکھا ہوا تھا۔

''یہ ابتدا ہے...... ابھی تو شزا کی صرف ایک انگلی کاٹی ہے...... اب انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو گی...... دیکھنا چاہو گے اگلا نظارہ تو شام تک مزید انتظار کرنا ہوگا......!''

آہل کا تو دماغ گھوم گیا تھا۔

شزا کی کٹی ہوئی انگلی اس کی ذات سے تمام شکوک وشبہات کو زائل کر گئی تھی مگر آہل میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ یہ سب عالیان یا محل کے کسی دوسرے فرد کو اس بارے میں بتاتا۔ وہ واپس سعدیہ کے پاس گیا تھا۔ جو اس کے جانے کے بعد شاید روئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہرا سرخ رنگ راج کرر ہا تھا۔ ایک الاؤ تھا جو امڈ کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔

آہل نے ہمت سے کام لیا تھا۔

ڈبہ ایک ٹیبل پر رکھ کر اس نے سعدیہ کے منہ سے پٹی ہٹائی تھی۔

''میں نے کوئی کام اپنی خوشی سے نہیں کیا صاحب...... میں بھی مجبور تھی۔ لیکن غریب کی مجبوری کسی کو کہاں نظر آتی ہے...... سات سال پہلے میرے بھائی کو بھی قتل کیا تھا۔ مگر کسی کو یہ تک نہیں پتہ کہ مالی بابا کا کوئی بیٹا تھا بھی کہ نہیں...... سب کو یہ دکھ ہے کہ رضا خان قتل ہوا...... اور اب مالی بابا اور اس کی بیٹی کسی کے ساتھ مل کر کوئی کھیل کھیل رہے ہیں...... میرے باپ نے مجھے ہمیشہ پاگل ظاہر کیا تاکہ اس کے بیٹے کی طرح اس کی بیٹی کو کوئی نہ مارے...... مگر یہاں کسی کے سینے میں دل نہیں دھڑکتا...... سب بے رحم ہیں...... سب کو اپنی پروا ہے...... زمین دولت، جائیداد کی فکر ہے...... سب ایک دوسرے کے دشمن ہیں...... اور ہم اس دشمنی میں پس رہے ہیں......!'' منہ کھلتے ہی وہ بے بسی و بے چارگی کی انتہا کو پہنچی بولے جا رہی تھی۔

آہل کمال خان نے اسے بولنے دیا تھا۔

''صاجب آپ ان جیسے نہ بھی سہی مگر ہو انہی میں سے...... میری جھوٹی موت کا راز تو جان گئے مگر وجہ نہیں جاننا چاہتے...... اس ڈبے میں کٹی انگلی کا دکھ تو محسوس کرر ہے ہیں مگر پچھلے ایک گھنٹے میں آپ نے میرے ہاتھ کو نہیں دیکھا۔ یہاں دو انگلیاں کٹی ہوئی ہیں......!'' وہ تلخی سے مزید بولی تھی۔

آواز میں کرب ورنج تھا۔

بیچارگی تھی۔

آہل نے حیرت سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ پوچھ رہے تھے ناکہ میں کیوں یہ سب کر رہی ہوں...... تو صاحب جان کس کو نہیں پیاری...... کون دکھ اور اذیت سہہ سکتا ہے...... میرے ہاتھ کی انگلیاں بھی کاٹی گئیں۔ میں نے پھر بھی ساتھ دینے سے انکار کیا۔ دھمکی بڑھ گئی۔ میرے ماں باپ کو مارنے کی دھمکی دی گئی تب لاچار مجھے وہ سب کرنا پڑا جو مجھے کہا جاتا......!''

اس کا دکھ گہرا تھا۔

آہل کمال خان کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

چپ رہا......

سعدیہ ہنسی تھی۔

''کھیل تو ہماری زندگیوں کو بنایا جا رہا ہے..... آپ لوگ تو پھر بھی واپس چلے جاؤ گے مگر ہمارا کیا بنے گا؟ ساری عمر پستی و غربت میں گزاریں گے۔ جان کا خطرہ الگ رہے گا..... ایک احسان کر دیں صاحب یا ہمیں مار دیں یا اس کو جو یہ سب کر رہا ہے.....!'' وہ آخر میں ملتجی بولی تھی۔

''کون کر رہا ہے یہ سب.....؟'' آہل نے پوچھا تھا۔

''نام نہیں جانتی وہ ہمیشہ چہرہ چھپا کر سامنے آتا ہے.....!'' وہ بولی۔

''تم فکر مت کرو..... اب سب ٹھیک ہوگا..... اور تم یہیں رہو۔ یہاں تم محفوظ ہو.....'' آہل نے دوبارہ اس کے منہ پر پٹی باندھ دی۔

ڈر تھا کہ اگر وہ بعد میں مدد کے لیے بولی تو آواز سن کر کوئی اسے نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔

خود ڈبہ اٹھا کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

۞..........۞..........۞

آہل جہاں سعدیہ کو لے کر آیا تھا وہ وادی سے دور ایک چھوٹا سا مکان تھا جو اس کے دوست کی ملکیت تھا..... اس نے اپنے دوست کے ذریعے ہی دو قابل اعتبار بندے سعدیہ کی نگرانی کے لیے بلوا لیے..... فی الحال سعدیہ کا منظرِ عام سے غائب رہنا بہت ضروری تھا..... جب تک کہ معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچ جاتے آہل کمال نے تب تک سعدیہ کو وہیں قید رکھنے کا فیصلہ کیا۔

وہاں سے وہ سیدھا ہاجرہ محل واپس آیا اور عالیان کو ساتھ لے کر مالی بابا کے پاس گیا..... شزا کے کڈنیپ کے سلسلے میں شاید مالی بابا ہی ان کی کچھ مدد کر سکتے تھے۔

۞..........۞..........۞

آہل عالیان کو لے کر جب مالی بابا کے پاس پہنچا تو انہیں وہ بہت پریشان اور الجھے الجھے نظر آئے۔

''کیوں مالی بابا سعدیہ کے لیے پریشان ہو؟'' آہل نے تمسخر اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

''سعدیہ..... بابو جی وہ تو مر گئی۔''

مالی بابا آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولا..... ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ سعدیہ کی موت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چہرے پہ اداسی یا آنکھوں میں آنسو چمکے ہوں..... اس سے پہلے ہمیشہ وہ سپاٹ چہرہ لیے سعدیہ کا ذکر کیا کرتا تھا..... لیکن آج شاید سعدیہ کی اچانک گمشدگی کے باعث وہ بہت پریشان اور مضمحل تھا۔

''بس!!! مالی بابا اب اور کتنا جھوٹ بولو گے..... کب تک ہم سے چھپاؤ گے کہ سعدیہ زندہ ہے..... کس کا خوف ہے تمہیں جو یوں گمنام زندگی گزارنے پہ مجبور ہو..... سعدیہ زندہ ہے ہم سب جانتے ہیں اور اس وقت وہ ہماری قید میں ہے.....''

''آہل بابو..... آپ کو خدا کا واسطہ مجھ غریب پر رحم کرنا میری بیٹی کو کچھ نہ کہنا..... اس کی کوئی غلطی نہیں ہے..... وہ بے چاری مجبور ہے..... ہم سب مجبور ہیں۔''

آہل کے انکشاف پر مالی بابا نے سچ اگل ہی دیا کہ سعدیہ زندہ ہے...... اور روتے ہوئے ان سے سعدیہ کی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔

''مالی بابا آپ بالکل پریشان مت ہوں سعدیہ بالکل ٹھیک ہے بس کچھ دنوں کے لیے ہم اسے چھپا کے رکھنا چاہتے ہیں۔ فی الحال ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے...... باقی معاملات پہ بعد میں بات ہوگی۔''

''کیسی مدد بابو جی......؟ ہم غریب تو نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کی مدد لے سکتے ہیں ہم مجبور ہیں ہمیں اپنی زندگی پیاری ہے......'' مالی بابا جذباتی لہجے میں بولے۔

''شزا کا کڈنیپ ہوگیا ہے اس کی جان خطرے میں ہے اور ہمیں اس وقت آپ کی مدد کی بے حد ضرورت ہے۔''

اس بار عالیان نے مالی بابا سے درخواست کی تو وہ شزا کے کڈنیپ کا سن کر ایک دم پریشان ہوگئے اور بولے۔

''بابو جی میرا یقین کریں کہ شزا بی بی کے اغوا ہونے کے بارے میں مجھے کوئی بھنک بھی نہیں ملی۔ لیکن محل سے تقریباً چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جہاں ایک جعلی پیر رہتا ہے...... دراصل یہ پیر بھی انہی لوگوں کا بندہ ہے جو محل کے مکینوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں...... ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں...... پولیس بھی ان کے ساتھ ملی ہوئی ہے...... آج سے سات سال پہلے جب میں نے ان لوگوں کی کچھ باتیں ماننے سے انکار کیا تھا تو وہ میرے معصوم بیٹے کو بھی اغوا کر کے وہاں لے گئے تھے اور بعد میں اس کی لاش ہمیں وہیں سے ملی تھی۔'' مالی بابا روتے ہوئے سب بتاتے چلے گئے

آہل اور عالیان نے وقت ضائع کرنے کی بجائے فوراً وہاں جانے کا سوچا اور مالی بابا کے کوارٹر سے نکل آئے۔ مالی بابا سے مزید تفصیلات جاننے کی بجائے فی الحال شزا کو ان کی قید سے رہا کرانے کا سوچا۔

✿......✿......✿

دن ڈھل چکا تھا۔

شام کا پہر دھیرے دھیرے اپنا عکس بکھیرے جا رہا تھا۔

شزا کی تلاش میں وہ ابھی راستے میں ہی تھے۔ آہل کمال خان نے شزا کی کٹی انگلی کے متعلق عالیان کو نہیں بتایا تھا۔ وہ پہلے سے اس کی فکر میں دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔

راستہ خاموشی سے طے ہو رہا تھا مگر اس خاموشی کو توقف بعد آہل کے موبائل کی بیپ نے توڑا تھا۔ اس نے چیک کیا۔ موبائل پر امریکہ کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے کال پک کی۔ موبائل کان سے لگایا اور دوسری جانب سے امریکہ کی غیر متوقع پریشان آواز ابھری تھی۔

''آہل کہاں ہو تم......؟''

''ہم شزا کو تلاش کر رہے ہیں۔!'' اس کے لہجے کو محسوس کرتا وہ گھبرایا تھا۔

''آہل عابد انکل کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے......!'' تب اس نے بتایا۔

''واٹ......؟'' اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔

ذہن ایک دم صبح ڈبے سے ملنے والی چٹ پر لکھی گئی دھمکی کی طرف گیا تھا۔ چہرے کے رنگ بدل چکے تھے۔

عالیان بھی سوالیہ مگر فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''ہم ابھی آتے ہیں......!'' اس نے گاڑی واپسی کی راہ پر ڈالی تھی۔ ساتھ ہی کال بھی ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔
''کیا ہوا آحل......گاڑی کیوں موڑ دی۔ شزا......!'' عالیان کو شزا کی فکر کھائے کا رہی تھی۔ مگر آحل کے دیکھنے پر وہ بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔
''ارسطو...... عابد انکل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ ہوسپٹل میں ہیں۔ ہمیں واپس جانا ہو گا......ان کے پاس جانا اس وقت ضروری ہے......!'' آحل نے دھیمے لفظوں میں اسے بتایا۔
باپ کے ایکسیڈنٹ کی خبر سے عالیان کو جھٹکا پہنچا تھا۔ کچھ بول ہی نہ سکا۔ باقی راستے بہت کٹھن گزرا تھا۔
جیسے ہی وہ ہاسپٹل پہنچے سہیل چاچو کو آپریشن تھیٹر کے باہر ٹہلتا دیکھ کر سیدھا ان کے پاس چلے گئے۔
''چاچو...... چاچو میرے بابا کو کیا ہوا...... کیسے ہوا ان کا ایکسیڈنٹ؟؟''
عالیان نے آگے بڑھ کر سہیل چاچو سے پوچھا تو انہوں نے اسے گلے لگا کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔
''پریشانی کی کوئی بات نہیں بیٹا عابد بھائی جلد ٹھیک ہو جائیں گے......ان کے سر پر چوٹ لگی ہے اور ایک ٹانگ میں ہلکا سا فریکچر ہے......ڈاکٹرز نے کہا ہے ایک چھوٹا سا آپریشن کرنا ہو گا......''
''لیکن چاچو ایکسیڈنٹ ہوا کیسے؟'' اب کی بار آحل کمال نے آگے بڑھ کر پوچھا۔
''یہ تو اب عابد بھائی خود ہی بتا سکتے ہیں...... مجھے تو بس یہی پتا چلا کہ کسی کام سے باہر جا رہے تھے کہ اچانک ڈرائیونگ کرتے ہوئے گاڑی ایک کھائی میں جا گری......وہیں آس پاس کے کچھ لوگوں نے ہاسپٹل پہنچایا اور فون پہ ہمیں اطلاع دی۔'' عابد چاچو کے چہرے پہ الجھن و پریشانی کے آثار واضح تھے وہ تھکے تھکے لہجے میں بولے تو آحل نے آگے بڑھ کر انہیں تسلی دی۔
آپریشن کے بعد عابد چاچو کو پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا ان کی حالت خطرے سے باہر تھی۔
جیسے ہی انہیں ہوش آیا اور وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئے تو عالیان اور آحل کو شزا کا خیال آیا......جانے وہ کیسے لوگ ہیں جنہوں نے شزا کو اغوا کیا ہے......عالیان شزا کے لیے بھی بہت پریشان تھا۔
عابد چاچو کی طبیعت سنبھلتے ہی سہیل چاچو واپس محل چلے گئے۔
''آحل... اگر تم اور عالیان شزا کو ڈھونڈنے کے لیے جانا چاہتے ہو تو میں یہاں عابد انکل کا خیال رکھوں گی......ویسے بھی اب ان کی طبیعت کافی بہتر ہے......اور ابھی تھوڑی دیر میں نفیسہ آنٹی (عالیان کی ماں) یہاں پہنچنے والی ہیں۔'' امریحہ جو آپریشن کے دوران سے مسلسل ان کے ساتھ ہاسپٹل میں تھی، بولی تو عالیان نے امریحہ کو ان کا خیال رکھنے کی درخواست کی اور وہ دونوں شزا کی تلاش کے لیے دوبارہ اس جگہ جانے کے لیے روانہ ہوئے جس کے بارے میں ما بابا نے انہیں بتایا تھا۔
لیکن وہاں پہنچ کر ان کی مایوسی کی انتہا نہ رہی......اس جگہ پہ تو پیر بابا کے رہنے کے کسی قسم کے کوئی آثار ہی نہ تھے۔
آس پاس کے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے دشمن کو احساس ہو گیا اور انہوں نے ٹھکانہ بدل دیا اپنا؟'' آہل پُرسوچ لہجے میں بولا

''ہم۔ اگر ایسا ہے تو پھر انہیں یہ بھی پتا چل گیا ہوگا کہ یہ سب ہمیں مالی بابا نے بتایا ہے۔ ہمیں محل جا کر مالی بابا کو دیکھنا ہوگا۔'' عالیان بولا تو آہل کو اس کی بات دل کو لگی اور وہ دونوں وہیں سے محل جا پہنچے۔

ہاجرہ محل میں ایک بری خبر ان کی منتظر تھی۔

مالی بابا کو کسی نے بہت بری طرح پیٹا تھا.... ملازموں نے ان کو زخمی حالت میں محل کے پچھواڑے میں دیکھا تو قریبی ہاسپٹل لے گئے۔

آہل اور عالیان کے لیے یہ خبر انتہائی غیر متوقع تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا دشمن اتنا شاطر ہو سکتا ہے۔

☆.........☆.........☆

دشمن چالاک بھی تھا اور باخبر بھی...... مالی بابا نے اپنی بیٹی کی پریشانی میں منہ سے کچھ اگل دیا تو اب اس کی سزا انہیں بھگتنا پڑ رہی تھی۔.. ٹھیک کہتے ہیں مالی بابا کہ غریبوں کا دوست صرف اللہ ہوتا ہے نہ وہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں نہ ہی کسی کو اپنی مدد کے لیے پکار سکتے ہیں۔

آہل اور عالیان فوراً مالی بابا کی خیریت دریافت کرنے ہاسپٹل پہنچے۔

مالی بابا کو کسی نے انتہائی بے دردی سے پیٹا تھا ان کے سر پر گہری چوٹ لگی تھی......ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ یہ چوٹ ان کی یادداشت کو بھی ختم کر سکتی ہے... فی الحال مالی بابا آپریشن تھیٹر میں تھے۔

آہل اور عالیان نے ڈاکٹرز سے مالی بابا کا خوب خیال رکھنے کو کہا۔

مالی بابا کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ واحد محل میں وہی تھے جن کو سارے واقعات کے بارے میں خبر تھی۔

وہ محل کے پرانے رازداں تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹرز نے ایک روح فرسا خبر سنائی۔

مالی بابا آپریشن کے دوران ہی کوما میں چلے گئے تھے۔

☆.........☆.........☆

شہزاے نے دھیرے دھیرے اپنی آنکھیں کھولی تھیں اسے بہت دھندلا نظر آیا تھا اس نے پلکیں جھپک جھپک کر جیسے اپنی بینائی واضح کرنی چاہی۔ سامنے ایک سال خوردہ پنکھا ہلکی رفتار سے چل رہا تھا اس کی گھرر گھرر شہزاے کے سر میں ہتھوڑے برسانے لگی۔ شہزاے نے گردن گھمائی تو ایک ٹیس سی اٹھی دماغ ماؤف سا ہو رہا تھا۔

وہ ایک پرانے بستر پر نیم دراز تھی۔

آہستہ آہستہ منظر واضح ہوا تو ذہن کی سوچنے سمجھنے والی صلاحیت بھی جاگ اٹھی اور جیسے ہی خود پر گزری واردات کو سوچا تو وہ ایکدم سے اٹھ بیٹھی۔

یہ ایک سیلن زدہ سا کمرہ تھا جس میں سوائے اس بیڈ کے کوئی دوسری چیز نہ تھی جس پر شہزاے دراز تھی۔

''میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا؟'' شزا کو ایک تکلیف دہ احساس ہوا۔ اس کے جسم سے دوپٹہ غائب تھا۔
شزا نے بے چینی سے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر دوپٹہ تلاشا لیکن وہ کہیں نہ تھا۔ شاید کڈنیپرز کے ساتھ مزاحمت میں وہ وہیں گر گیا تھا۔
''او خدایا مجھے کس نے اغوا کروایا اور کیوں؟ ممی آپ کہاں ہو شاید Uk میں آپ کو معلوم بھی نہ ہو کہ آپ کی بیٹی کن حالات کا شکار ہے۔؟''

oh God plz save me

وہ بے اختیار سسک اٹھی...... دفعتاً دروازہ چرچرایا۔
وہ چونک گئی۔ اپنے جسم کو سمیٹ کر سہمی نگاہوں سے سامنے دیکھنے لگی۔
وہ ایک دراز قد کالی رنگت اور بھدے نقوش والا لڑکا تھا۔
''ہیلو میڈم آ گئی ہوش میں۔؟''
وہ شزا کے قریب آیا۔ شزا دبک اٹھی۔
''کیوں اغوا کیا ہے مجھے؟'' وہ چلائی۔
''آرام سے میڈم خستہ حال عمارت ہے خطرہ ہے آپ کی چیخ سے گر پڑے گی۔''
اس لڑکے نے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کی۔
''شٹ اپ اسٹوپڈ...... مجھے گھر جانے دو ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔''
شزا نے انگلی اٹھائی تو وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔
''اپنے انجام کی فکر کرو میڈم۔''
''کس نے اغوا کروایا ہے مجھے؟'' شزا نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''ہاہاہا۔ کیا کرو گی جان کر۔؟'' وہ ہنوز ہنستا رہا۔
''کہاں ہے وہ بزدل جو چھپ کر وار کرتا ہے اسے کہو میرے سامنے آ کر بتائے کیا وجہ ہے مجھے اٹھوانے کی۔
شزا کا پارہ اس کی ہنسی سے بڑھ گیا۔
''میں uk نیشنیلٹی کی حامل ہوں مجھے کچھ نقصان ہوا تو خیر نہیں تم لوگوں کی۔'' شزا کو بے بسی میں کچھ سوجھ رہا تھا۔
''اوہ well come! میڈم گرین کارڈ ہولڈر۔'' اس حبشی نے اس کی بات کو انجوائے کیا۔
''تم شاید واقف نہیں یہاں جنگل کا قانون ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ تمہارے انگریز بابو یہاں پر بھی نہیں مار سکتے۔'' وہ آگے آ کر شزا کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیتے سفاکی سے بولا۔
''چھوڑو مجھے۔'' شزا نے تکلیف سے کہا۔
''اپنی بک بک بند نہ کی تو اس سے بڑھ کر سزا ملے گی اس لئے خاموش رہو بجھی میڈم......'' اس نے شزا کے

میں بھاری آواز سے زہر گھولا۔شزاٗ کی سٹی گم ہوتی تھی۔

ہاجرہ محل میں یکے بعد دیگرے ہونے والے ان تین واقعات (شزاٗ کا اغوا، بابا کا ایکسیڈنٹ، مالی بابا کا کومے میں چلے جانا) نے جیسے ایک بار پھر میرے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔میں یعنی عالیان خان ایک بار پھر ہمت ہارنے لگا تھا۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں شزاٗ کے اغوا کا زیادہ غم مناؤں، بابا کے ایکسیڈنٹ کا یا پھر محل کے واحد رازدان کو یوں زندگی و موت کی کشمکش میں دیکھ کر غم مناؤں۔

لیکن اس کڑے وقت میں بھی آنل کمال جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان نے میرا حوصلہ بڑھایا تھا...... مجھے ہمت دی۔

آپ مجھے کوئی کمزور اعصاب کا مالک سمجھ رہے ہوں گے لیکن ایسا بالکل نہیں تھا۔دراصل میں محبت کے معاملے میں بہت کمزور دل ثابت ہوا ہوں......جن رشتوں سے ہمیں بہت محبت ہو ان کی دوری اور تکلیف ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔

شزاٗ کی دوری، اس کی گمشدگی، بابا کو تکلیف میں دیکھنا...... مالی بابا کو یوں موت کے منہ میں جاتے دیکھنا آسان نہیں تھا۔لیکن اس موقعے پر آنل کمال کا ساتھ میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔

اس کے ساتھ نے میرے اندر ایک بار پھر ہمت اور حالات سے لڑنے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔

آنل اور میں ناشتے سے فارغ ہو کے ہاسپٹل جا رہے تھے...... بابا کی دیکھ بھال کے لیے امریحہ وہاں موجود تھی۔اس موقعے پہ جس طرح امریحہ ہمارا ساتھ دے رہی تھی شاید ہی کوئی کسی کا دیتا ہے......

ساتھ ساتھ شزاٗ کی تلاش کے لیے بھی کوششیں جاری تھیں لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا......

ہاسپٹل پہنچے تو ہمیں خوشگوار حیرت ہوئی۔بابا تکیوں کے سہارے بیڈ پہ بیٹھے اپنے ہاتھوں سے سوپ پی رہے تھے۔

ان کی طبیعت میں بہتری محسوس کرتے ہوئے آنل نے ان سے ایکسیڈینٹ کے بارے میں پوچھا، پہلے تو وہ یکدم خوف زدہ ہوئے پھر بولے......

"مجھے زیادہ یاد نہیں لیکن اتنا پتا ہے کہ گاڑی چلاتے ہوئے اچانک میری گاڑی کے سامنے کوئی آ گیا۔اس نے اپنا پورا جسم سفید چادر میں چھپا رکھا تھا چہرہ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔اسے بچانے کے چکر میں میری گاڑی کھائی میں جا گری۔"

بابا کی بات سن کر ہم چونک گئے۔

اب تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی وہ سفید چادر میں لپٹا وجود بھی خوف و ہراس پھیلانے کے لیے دشمنوں کا کارندہ تھا۔

کچھ ٹائم بابا کے پاس گزارنے کے بعد ہم دونوں مالی بابا کے روم میں چلے آئے۔

مالی بابا کو بھی ہم نے اسی ہاسپٹل میں شفٹ کروادیا تھا جہاں امریحہ تھی...... تاکہ ان کی مناسب دیکھ بھال کی جاسکے۔

لیکن ابھی تک ان کی حالت میں بہتری کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

۞ ...... ۞ ...... ۞

وہ اس بوسیدہ کمرے کا روز جانفشانی سے جائزہ لیتی کہیں کوئی روزن ایسامل جائے جس کو ذریعہ بنا کر وہ بھاگ سکے۔

لیکن ہرروز وہ ہار جاتی اس کمرے میں ایک واحد دروازہ تھا کوئی کھڑکی نہ روشندان!

شزا تھک کر ہاتھوں میں چہرہ گرا کر بیٹھ گئی۔ تین دن ہونے کو آئے تھے وہی حبشی لڑکا دو وقت کا کھانا سامنے رکھ جاتا۔ اس دن کے بعد شزا اس سے زیادہ بات نہ کرتی تھی۔

اس کا ذہن سوچ سوچ کر تھک چکا تھا لیکن وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس کو کیوں اغوا کروایا گیا تھا پھر اغوا کار کون تھا۔؟ اس کا لباس اب اس کو چبھنے لگا تھا کہاں وہ روز نک سک سے درست رہنے والی لڑکی اور کہاں کہ ایک ہی ملگجا شلوار قمیص کا جوڑا۔ دروازے کے چر چرانے کی آواز آئی تو وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

''گڈ مارننگ میڈم......'' پیلے دانتوں کی نمائش کرتا حبشی اندر داخل ہوا تھا۔

شزا نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ظالم نظروں سے نہ مجھ کو دیکھو مر جاؤں گا۔'' وہ گنگناتے اس کے آگے کھانا رکھنے لگا۔

''مجھے اغوا کار کا نام بتاؤ۔؟'' آج شزا کی فرمائش ہٹ کے تھی۔

''کیا کرو گی سن کر دکھ ہی ہوگا۔!'' حبشی لڑکا سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیوں میرا کوئی سگا ہے کیا۔؟'' شزا نے طنز سے پوچھا۔

''بے حد سگا......'' وہ اطمینان سے بولا۔

''اچھا تو تم اب عالیان پر الزام لگانا چاہتے ہو مسٹر میں مر کر بھی یقین نہیں کرسکتی اس بات پر سمجھے۔'' شزا بھڑک اٹھی۔

حبشی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''میری توبہ! وہ چڑیا جیسے دل کا بندہ ایسے جی دار کام نہیں کرسکتا۔''

''ایسا دبنگ اقدام کوئی بہادر مرد کرسکتا ہے میڈم۔'' شزا کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔

''پہیلیاں مت بجھواؤ چلے جاؤ یہاں سے۔'' شزا نے بدمزہ ہو کر کہا۔

''اوکے نہیں سننا تو نہ سہی مجھے تو تم سے کچھ ہمدردی ہو چلی تھی اسی لئے سوچا مرنے سے پہلے تمہیں اپنے قاتل تو پتہ ہو ورنہ افسوس لے کر اوپر جاؤ گی۔'' حبشی نے دانت نکالے تو شزا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

''مجھے کیوں مارے گا کوئی؟'' وہ بے طرح پریشان ہوئی۔

''سرکار یہ زمین جائیداد کا چکر بڑا ظالم ہے اس کی زد میں بے قصور بری موت مرتے ہیں۔'' حبشی نے فلسفہ

جھاڑا۔

''کیا نام ہے اس کا؟''

''تمہارے متوقع قاتل کا۔؟''حبشی پہلے دانت نکال کر ہنسا۔

شزا نے بے بسی سے سر ہلایا۔

''آحل کمال خان.....''الفاظ تھے کہ دھماکہ۔

شزا سن سی رہ گئی۔

''آحل کمال خان......!''

زیرِ لب بڑبڑاتے اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

بات نا قابلِ یقین تھی......

مگر وہ بھدا سا لڑکا کتنے وثوق سے کہہ کر گیا تھا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز اس کے کانوں میں بم دھماکے کی طرح گونجی تھی۔

پچھلے تین دنوں کی اذیت تین سو گنا بڑھ چکی تھی۔ ہاتھ کی تکلیف شدت پکڑنے لگی تھی۔

''عالیان کی نظروں میں مجھے قصوروار ٹھہرانے کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا......دودھ میں میڈیسنز بھی اس نے خود ہی ڈالی ہوں گی......الزام مجھ پر لگایا تا کہ عالیان مجھ سے بدظن ہو......!''

ذہن پر زور دے کر جبراً باتیں یاد کرنے لگی۔

''اسی لیے اس نے مجھے یوکے سے یہاں بھیجنا چاہا تھا کہ مجھے عالیان کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال سکے......!''ایک اور قیاس آرائی کی۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی آحل کمال خان......!''

بے بس ہوتے ہوش و حواس کو سمیٹ کر وہ تنفر سے پھنکاری تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا تسلسل جاری ہو چکا تھا۔

۞.........۞.........۞

کڑا وقت تمام تر اوزاروں سے لیس گویا آن پہنچا تھا۔

مالی بابا اور عابد خان ابھی تک ہوسپٹل میں تھے۔ شزا ہنوز لاپتہ تھی۔

گھر میں ماحول بھی تناؤ کا شکار نظر آنے لگا تھا۔ سبھی خاموش رہتے، ایک ساتھ بیٹھنے کے بجائے اپنے گرد خوف کا خول لپیٹے صرف دماغ میں بچاؤ کا عملی جامع بناتے۔ دانیال بھی شہر سے واپس آ گیا تھا۔ آحل کمال خان نے اسے بلایا تھا۔ شزا سے متعلق تکلیف دہ بات وہ عالیان کو نہیں بتا سکتا تھا۔ مگر راز کو سینے میں رکھنا بھی مزید مشکلات کو دعوت دے سکتا تھا۔ ایسے میں دانیال وہ واحد تھا جس کو وہ بلا جھجک تمام باتیں بتا سکتا تھا۔

''شزا کی جان کو زیادہ خطرہ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کی کٹی انگلی کو راز رکھنے پر وہ اسے مزید اذیت نہ دیں...... دونوں کی انگلی کے ذریعے وہ ہم سب کو عندیہ دینا چاہتے تھے کہ مسٹری کو سلجھانے کے بجائے ہمیں صورتِ حال کو سنجیدگی سے

لینا اور عمل کرنا چاہئے۔!''

آحل نے اندازہ لگایا تھا۔

''ہوں......لیکن تمھیں کیا لگتا ہے آحل اس سب کے پیچھے کون ہوسکتا ہے......؟'' دانیال بھی خاصا سنجیدہ تھا۔

''دانی مجھے نعیم پر شک ہے......!'' ایک بار پھر آحل کمال خان نے نعیم پر اپنے شک کو زبان دی تھی۔

''کیوں......؟'' جس پر دانیال کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

بات نا قابلِ یقین تھی۔

''رضا انکل کی وجہ سے۔!''

''لیکن رضا انکل کا بدلہ وہ ہم سے کیوں لے گا......؟''

''یہی پتہ لگانا ہے''

''لیکن نعیم ایسا نہیں کرسکتا۔!''

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو دانی!''

''کیوں کہ نعیم یہاں آنا ہی نہیں چاہتا تھا......!'' اس نے انکشاف کیا۔

''واٹ......!'' آحل کمال خان کی حیرت دیدنی تھی۔

''میری خود اس سے بات ہوئی تھی آحل...... یہاں آنے سے پہلے ہی وہ رضا انکل کی وجہ سے یہاں نہیں آنا چاہ رہا تھا۔!'' اس نے بتایا۔

''مجھے یقین نہیں ہو رہا......!'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھاما تھا۔

''نعیم کہتا تھا کہ اسے ہاجرہ محل سے نفرت ہے......اس محل میں اس کے ڈیڈ کو قتل کیا گیا۔صرف اس لیے کہ وہ اس محل میں رہنا چاہتے تھے۔وہ یہاں آکر رضا انکل کی محبت کے لیے تڑپنا نہیں چاہتا تھا۔اذیت و کرب میں نہیں جینا چاہتا تھا......لیکن میرے اور سہیل چاچو کے کہنے پر وہ یہاں آیا......مگر یہاں اب جو ہو رہا ہے اسے لے کر بھی وہ بھی ٹینشن میں ہے......مجھے تو ڈر ہے کہیں وہ ذہنی دباؤ میں آکر خود کو ہی نقصان نہ پہنچادے......!'' دانیال خان نے تفصیلی وضاحت دیتے ہوئے ساتھ ہی خدشہ بھی ظاہر کیا تھا۔

جبکہ آحل کمال خان کے لیے سب عجیب و غیر یقینی تھا۔

''اس نے کبھی بتایا نہیں......؟''

''مجھے بھی وجہ نہیں بتا رہا تھا مگر میرے اصرار پر اس نے بہت مشکل سے بتایا......عالیان سے اتنا نزدیک ہونے کے باوجود اس نے اپنی کیفیت کے بارے آج تک عالیان کو بھی نہیں بتایا......!''

دانیال بتا رہا تھا۔

جبکہ آحل کمال خان افسوس میں گھرا تھا۔

اس کے دو اندازے بری طرح ناکام ہوئے تھے۔

پہلے شزا اور اب نعیم پر شک کمزور پڑھ گیا تھا۔ گھن چکر میں پھنسے ہاجرہ محل کی مسٹری ایک ایسی الجھی پہیلی بن گئی تھی جس کی جڑیں مضبوط اور کٹھ پتلیاں کھوکھلی ہوتی جارہی تھیں۔ بہت سے الجھے سرے ہاتھ میں تو تھے مگران سروں کا مرکز دھند کی لپیٹ میں تھا۔

آحل کمال خان کا دماغ بلینک ہونے لگا تھا۔

۞ .... ۞ .... ۞

دانیال کے سامنے سوالیہ نشان سراٹھائے اسے چپ رہنے کے پابند کر چکے تھے۔

وہ دونوں راستے میں ہی تھے۔ آحل کا موبائل اپنی مخصوص آواز میں بجا تھا۔ اس نے چیک کیا موبائل اسکرین پر امریحہ کا نمبر تھا۔ اس نے کال پک کی۔ مگر دوسری جانب عالیان خان کی آواز ابھری تھی۔

''آحل تم جہاں بھی ہو جلدی سے آؤ...... یہاں معاملہ بہت بگڑ گیا ہے۔ سلطانہ چچی کے سر پر کسی نے بہت بھاری چیز سے وار کیا ہے۔ بہت زیادہ بلیڈنگ ہونے کی وجہ سے ان کی کنڈیشن بہت سیریس ہے۔ اور نعیم......!''

عالیان نے عجلت و پریشانی میں بات ادھوری چھوڑی تھی۔

آحل کمال خان نے ایک اور بری خبر پر تعجب زدہ ہوتے ہوئے گاڑی روڈ کے سائیڈ پر روکی تھی۔ دانیال بھی پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نعیم کو کیا ہوا......؟''

''وہ تو جیسے پاگل ہوئے جارہا ہے...... محل میں موجود چیزوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکے جارہا ہے...... کسی سے بھی سنبھالا نہیں جارہا...... خود کو بھی نقصان پہنچا رہا ہے...... تم پلیز جلدی سے آجاؤ......!'' وہ بتا رہا تھا۔

فکرمندی و پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

آحل نے فوراً پہنچنے کا کہہ کر کال ڈسکنیکٹ کی اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ گاڑی کی سپیڈ معمول سے زیادہ ہو چکی تھی۔ دانیال نے وجہ پوچھی تو اسے سب بتایا۔ وہ بھی پریشانی و گھبراہٹ کا شکار ہوا تھا۔

اگلے آدھے گھنٹے میں وہ ہاجرہ محل کی حدود کے اندر تھے۔ گاڑی روک کر وہ دونوں بھاگ کر محل کے اندرونی حصے کی طرف گئے تھے۔ مگر وہاں اب سب چپ چاپ خاموشی سے بیٹھے تھے۔ نعیم ہال میں نہیں تھا۔ البتہ وہاں موجود تمام ڈیکوریشن پیسز اور باقی فرنیچر بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ جنہیں ملازمہ اب سمیٹ رہی تھی۔

''نعیم کہاں ہے......؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے اسے بہت مشکل سے سنبھالا...... فی الحال وہ اپنے کمرے میں گیا ہے......!'' عالیان انہی کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں بتایا۔

''اور چچی کہاں ہیں......!''

''انہیں سہیل چاچو اور پھوپھو ہوسپٹل میں لے کر گئے ہیں...... امریحہ کو بھی میں نے کال کر دی ہے۔ وہ ہوسپٹل میں ان کے لیے رکی ہوئی ہے......!'' عالیان نے بتایا۔

ساتھ ہی وہ تینوں نعیم کے کمرے کی طرف بڑھے۔ تھوڑی دیر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو اگلا

خوفناک منظر ان کا منتظر تھا۔

نعیم سامنے چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ وہ ہونٹ بھینچے...... اردگرد سے بے خبر بڑے انہماک سے شرٹ اتارے بازو پر کٹ لگائے جا رہا تھا۔ چہرے پر درد کے اثرات نمایاں ہونے کے باوجود وہ کراہ نہیں رہا تھا۔ قریب ہی بیڈ پر بے بسی سے روتی آپا بھی موجود تھیں۔ جو نہ اس کی غم گسار بن پائی تھیں نہ ان میں تماش بین بننے کا حوصلہ تھا۔

کئی پل وہ اپنی جگہ ساکت رہے تھے۔

نعیم کے بازو سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ جبھی آہل کمال خان نے خود کو زبردستی ہوش میں لاتے ہوئے پہلے تو حواس بحال کیے پھر ایک ہی جست میں آگے بڑھ کر نعیم کے لرزتے ہاتھوں سے چاقو کھینچ کر دور پھینکا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا......؟''

آہل اس پر چلایا۔

''ہاں ہو گیا ہوں پاگل...... پاگل ہو گیا ہوں میں......!'' وہ رنجور آواز میں سر ہلانے لگا تھا۔

عالیان الماری کی طرف بڑھا تھا۔ فرسٹ ایڈ باکس نکال کر واپس اس کے پاس آیا تھا۔

''سنبھالو خود کو نعیم......!'' آہل نے اگلے ہی پل لہجے میں نرمی پیدا کی تھی۔

''کیوں کر رہے ہو یہ...... کیوں خود کو اذیت دے رہے ہو......!'' دانیال نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

عالیان اس کے بازو پر سے بہتا خون صاف کر کے پٹی کر رہا تھا۔

''یہ اذیت میرا مقدر بنتی جا رہی ہے......!'' وہ گویا بے بس ہو چکا تھا۔

''پہلے بابا کا قتل...... مجھے کمزور کر گیا تھا۔ انہیں کھونے کا دکھ میرے اندر ہر روز سر اٹھاتا مجھے بے بس کر دیتا۔ میں بچہ نہیں تھا کہ کسی کے سامنے رو کر اپنا دکھ کم کر سکتا۔ میرے بابا میرے لیے سب کچھ تھے۔ میرے مان میرا اندر چھپا یقین...... میرے لیے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ اور ان کے بعد بھی کوئی ایسا نہیں تھا جو مجھے سمجھ سکتا۔ میرے دکھ کو میرے اندر سے زائل کر سکتا۔ مجھے مضبوط کر سکتا...... ان کے بعد میں کمزور ہو گیا۔ لیکن میں ان کے جسم پر لگے تلوار کے نشان آج تک نہیں بھول سکا...... کتنا تڑپے ہوں گے وہ مرنے سے پہلے، کتنی تکلیف ہوئی ہو گی انہیں...... میں وہ تکلیف محسوس کرنا چاہتا تھا تاکہ میں انہیں اپنے اندر زندہ رکھ سکوں...... وہ میرے اندر زندہ ہیں......!''

ان گزرے سات سالوں میں وہ پہلی بار کھل کر بولا تھا۔

''مجھے اس محل میں کوفت ہوتی ہے۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ یہاں آنا ہی نہیں چاہتا تھا...... مجھے ڈر تھا کہ میں یہاں آیا تو مجھے بابا کی یاد پاگل کر دے گی...... میرا دل کمزور ہو جائے گا...... سانسیں بے ربط ہو کر بکھر جائیں گی...... اور دیکھو میرا شک درست ثابت ہوا...... یہاں آنے کے بعد ایک دن بھی میں خود کو کرب کے حصار سے باہر نہ نکال سکا...... میری وجہ سے آپا بھی پریشان تھیں...... اور اب مما...... کسی نے ان کو بھی مارنے کی کوشش کی ہے...... وہ زندگی و موت کی کشمکش سے گزر رہی ہیں...... اور میں وہ تکلیف برداشت کرنا چاہ رہا ہوں...... اس سے آگے میں بے بس ہوں...... میں

انہیں دیکھ بھی نہیں سکتا......انہیں دیکھ لیا تو شاید وحشی بن جاؤں گا...... مجھے وحشی نہیں بننا...... میں یہاں نہیں رہنا چاہتا...... مما ٹھیک ہوں تو میں اسی دن انہیں لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا......!''

وہ کہہ رہا تھا۔

اور باقی سب منہ کھولے اسے سن رہے تھے۔

جو نعیم ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا باتیں کرتا تھا اس سے بالکل برعکس نعیم اپنی کمزوری پر بے بس ہو رہا تھا۔

آ ملں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔

سب افسردہ سے کھڑے تھے۔

''ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے!'' جبھی آپا کی بھی خوف زدہ آواز نے کمرے کی غمگین فضاء میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔

''ہم یہاں سے جائیں گے آپا مگر اس سے پہلے اصل مجرم کو بے نقاب کرنا ہوگا...... یہ کھیل اب ختم ہونا ضروری ہے......ہم اور نقصان برداشت نہیں کر سکتے......!'' آملں کمال خان نے پُرعزم لہجے میں کہا تھا۔

معاملہ انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

اور انتہا کو پست کرنا لازم ہو چکا تھا۔

''کچھ نہیں ہونے والا آملں تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ایک ایک کر کے سب لوگ ہی یا تو مرتے جائیں گے یا پھر نقصان اٹھا کر کسی ہاسپٹل میں پڑے ہوں گے۔جبھی نفرت کرتا ہوں میں اس محل سے۔''

نعیم مشتعل انداز میں بولا وہ حد سے زیادہ مایوس اور جنونی ہو چکا تھا۔اسے کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی تھی۔

''آملں تمہارے ذہن میں کیا ہے۔کیا کرنا چاہتے ہو تم۔؟'' میں نے آملں کی حکمتِ عملی جاننا چاہی۔

''کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا دشمن کو فری ہینڈ نہیں دے سکتے جیسے اسے ابھی ملا ہوا ہے۔'' آملں نے ہاتھ پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

''آملں ایک بات ذہن میں رکھو ہمیں جو کچھ کرنا ہے بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔ایک ایک کر کے ہمارے سارے لوگ زخمی ہو کر ہاسپٹل پہنچ گئے ہیں۔ہم بہت سے محاذوں پر بیک وقت نہیں لڑ سکتے۔اب مزید کوئی نقصان نہیں برداشت کر سکتے۔ہم سب کو اب بہت احتیاط اور خیال کرنا پڑے گا، چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ہمیں۔تم، میں، دانیال، نعیم، سہیل چاچو اب ہم ہی بچے ہیں۔میں نہیں چاہتا اب کوئی اور دشمن کے نشانہ پر ہو یا اس کا تختۂ مشق بنے۔شزا کا بھی پتہ لگانا ہے۔'' شزا کے نام پر میرے دل سے ہوک اٹھی۔

''کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم گھر کی عورتوں کو یہاں سے بھجوا دیں تاکہ دشمن انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔''

میں نے آملں کو مشورہ دیا۔مجھے ڈر تھا کہ مزید کوئی دشمن کے نشانے پر مت ہو اور ہماری توجہ اپنی طرف سے ہٹا لے۔

''ہونہہ...... ہمیں اس کے لیے سہیل چاچو سے بات کرنی پڑے گی۔'' اس نے پُرسوچ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

۞ ۞ ۞

شزا نے اپنے بھاری پپوٹے بڑی مشکلوں سے کھولے۔اس کا ذہن عجیب ماؤف ما ہوا تھا۔اس بند کمرے کی درزوں سے روشنی کی لکیر اندر کے اندھیروں کو ختم کرنے میں ناکام تھی۔ روشنی اس بات کی غماز تھی کہ باہر دن نکل آیا ہے۔شزا نے ایک دم سیدھا ہونے کی کوشش کی تو کراہ کر رہ گئی مسلسل ایک ہی رخ پر کرسی سے بندھے اسے کافی دن ہو گئے تھے اب تو اس کے گردن کے پٹھے بھی دکھنے لگے تھے اوپر سے ہاتھ کٹی انگلی کی وجہ سے کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔اس سب کے باوجود وہ ہمت نہیں ہارنا چاہتی تھی۔ وہ اس قید سے آزادی چاہتی تھی۔

کل اس حبشی لڑکے کی بات نے اس کو اندر سے توڑ دیا تھا۔اس کے لیے یہ کسی شاک سے کم نہ تھا۔اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ عالیان جسے اپنا جگری دوست سمجھتا ہے اور بظاہر آہل جو عالیان کے لیے کچھ بھی کرنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے......وہ اس کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔اتنا ظالم اور سفاک ہو سکتا ہے کہ کسی بھی انسانی وجود کے اعضاء بے دردی سے کاٹ ڈالے۔؟شزا نے ایک جھرجھری لی۔

اچانک باہر آہٹ سی ہوئی پھر دروازے کی کنڈی کھلنے کی آواز۔شزا ایک دم خود میں سمٹ کر الرٹ ہو کر بیٹھ گئی۔

دروازے میں اسی حبشی لڑکے کا چہرہ نظر آیا۔ایسا لگتا تھا کہ اس نے سالوں سے اپنے دانت صاف نہیں کیے۔ پیلاہٹ اس کے دانتوں پر تہہ در تہہ چڑھی ہوئی تھی

''کیا حال ہے تیرا شہزادی۔؟'' اس نے اپنی مکروہ آواز میں شزا کا حال دریافت کیا۔

''دیکھ نہیں رہے کیا۔تم اور تمہارے بزدل باس نے میرا جو حال کیا ہے۔اب مزید کون سا حال دریافت کرنے کی ضرورت ہے تمہیں؟'' شزا چیخ کر بولی۔

''ہاہاہا۔ابھی تک تیرا دم خم باقی ہے میں تو سمجھا تھا کہ اتنے دن میں تُو تھک ہار کر بیٹھ جائے گی۔چل زیادہ بڑبڑ نہ کر تیرے لیے ناشتہ لایا ہوں وہ کر لے۔'' شزا کا دل چاہا کہہ دے مجھے نہیں ناشتہ کرنا۔مگر اسے ان لوگوں سے لڑنے اور یہاں سے فرار کے لیے ہمت چاہیے تھی۔وہ اس لڑکے کے ذریعے یہاں سے نکلنے کی ترکیب بھی سوچ رہی تھی۔مگر یہ سب کیسے ہوگا۔؟اس پر سوچنا باقی تھا

۞..........۞..........۞

عالیان اور آہل دونوں شزا کی تلاش میں سرگرداں تھے مگر کوئی سراغ بھی ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔اس وقت بھی وہ گاڑی میں بیٹھے اپنے شک کو دور کرنے ایک دو جگہ اسے تلاش کر کے ناکام لوٹ کر واپس حویلی جا رہے تھے کہ آہل کے موبائل کی ٹون بجنے لگی۔اس نے فون باہر نکال کر دیکھا تو امریحہ کالنگ بلنک کر رہا تھا۔

''ہاں امریحہ بولو سب خیریت ہے نا۔؟'' آہل نے بے چینی سے امریحہ سے پوچھا۔

عالیان بھی گاڑی سائڈ پر روک کر آہل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تم لوگوں کے لیے ایک گڈ نیوز ہے اور ایک بیڈ نیوز......'' دوسری طرف امریحہ نے آہل سے کہا۔

''پلیز پہلے گڈ نیوز سناؤ۔کب سے بیڈ نیوز ہی سنتے آ رہے ہیں۔'' آہل تلخ ہوا۔

''گڈ نیوز یہ ہے کہ بابا بابا کومے سے باہر آ چکے ہیں اور بیڈ نیوز یہ کہ وہ بولنے سے قاصر ہیں...

کوشش کر رہے ہیں کہ وُہ بولنے کے قابل ہوسکیں لیکن اس میں کتنا وقت لگتا ہے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے۔ بس وہ جلد از جلد بولنے کے قابل ہوں تو ہم کچھ پیش رفت کر سکیں۔ ہم ہاسپٹل آ رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر آہل نے فون رکھ دیا...... عالیان نے گاڑی ہوسپٹل کی طرف موڑ دی۔

✿......✿......✿

ہاسپٹل پہنچتے ہی آہل اور عالیان مالی بابا کے روم کی طرف بڑھے۔

کاریڈور میں ہی انہیں ڈاکٹر شفیع (مالی بابا کے ڈاکٹر) اور امریحہ کھڑے نظر آئے۔

''ہیلو ینگ مینز۔ جیسا کہ ڈاکٹر امریحہ آپ کو بتا چکی ہیں۔ آپ کے پیشنٹ کوما سے باہر آ چکے ہیں لیکن ابھی بھی وہ انڈر آبزرویشن ہیں۔ کسی بھی لاپروائی کے نتیجے میں ان کی حالت دوبارہ بگڑ سکتی ہے۔'' ڈاکٹر شفیع انہیں دیکھتے ہی بولے۔

آہل ڈاکٹر شفیع کے ساتھ ان کے روم میں چلا گیا تا کہ مالی بابا کی جلد صحت یابی کے متعلق ان سے مزید ڈسکشن کر سکے۔

عالیان امریحہ کے ساتھ مالی بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

مالی بابا نے عالیان کو اندر آتے دیکھ کر ایک التجائی نظر اس پہ ڈالی۔ شاید وہ کچھ بولنا چاہتے تھے لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں آہل کمال بھی وہیں چلا آیا۔

عالیان نے مالی بابا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تسلی دینے والے انداز میں دبایا اور بولا۔

''مالی بابا آپ پریشان نہ ہوں ان شاء اللہ آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ سعدیہ اور آپ کی بیوی کو بھی ہم نے محفوظ مقام پہ منتقل کر دیا ہے۔'' عالیان کی بات سن کر مالی بابا کی آنکھوں میں یکدم اطمینان اتر آیا۔

آہل نے کچھ دیر امریحہ کو مالی بابا کے حوالے سے کچھ ہدایات دیں اور پھر وہ دونوں وہاں سے ہاجرہ محل چلے آئے۔

✿......✿......✿

ہاجرہ محل پہنچتے پہنچتے انہیں شام ہوگئی۔ ہاجرہ محل پہ ڈوبتے سورج کی زرد روشنی کچھ اس انداز سے پڑ رہی تھی کہ اس کی خوبصورتی و شان و شوکت ایک سحر سا طاری کر رہی تھی۔ آہل کمال اور عالیان ایک لمحے کے لیے تو مرعوب سے کھڑے ہاجرہ محل کو دیکھتے رہے پھر عالیان بولا تو اس کے لہجے و لفظوں سے ہاجرہ محل کی محبت جھلک رہی تھی۔

''آہل کمال تم صحیح کہتے ہو ہاجرہ محل سے عشق کرنا چاہیے۔ ہاجرہ محل کو ایسی مٹی سے بنایا گیا ہے کہ یہ اپنے مکینوں کے دل میں اپنی محبت کا بیج خود بوتی ہے۔ اس مٹی میں ایسی کشش ہے کہ یہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اپنا بنا لیتی ہے۔''

''بالکل عالیان ایسا ہی ہے اور جلد ہی ہم اس محل میں ایک ایسا جشن منائیں گے جو برسوں یاد رکھا جائے گا۔ خوشیوں کا جشن، اپنی جیت کا جشن اور اس محل سے بری نظر اور بری سازشوں کے خاتمے کا جشن...... ان شاء اللہ!''

وہ دونوں دل میں ہاجرہ محل کی محبت لیے ایک نئے عزم کے ساتھ اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے۔

عابد صاحب کو ہاسپٹل سے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا لیکن ابھی ڈاکٹر نے انہیں آرام کا مشورہ دیا تھا۔

عابد صاحب کے کمرے سے ہوتے ہوئے وہ دونوں اوپر جا رہے تھے جب سہیل چاچو کے کمرے سے انہیں چیخوں کی آواز سنائی دی۔ دونوں بھاگے بھاگے اندر پہنچے تو کمرے کا حال دیکھ کر حیران رہ گئے۔

سہیل چاچو کے سارے کپڑے وارڈروب سے نیچے فرش پہ بکھرے پڑے تھے۔ آس پاس بہت سارا خون تھا۔

سہیل چاچو کمرے کے ایک کونے میں بچوں کی طرح سکڑے سمٹے بیٹھے چیخیں مار رہے تھے۔

کمرے کی عجیب وغریب حالت دیکھ کر وہ دونوں بوکھلا گئے۔ ملازم کو بلا کر کمرے کی حالت درست کروائی ڈرے سہمے سہیل چاچو کو تسلی دے کر عالیان نے بیڈ پہ بٹھایا۔

سہیل چاچو نے ان دونوں کے اصرار پہ بتایا کہ ان کے کمرے میں ابھی ایک عجیب بھیانک شکل کا انسان گھس آیا جس نے کمرے کا یہ حال کر دیا اور جب انہیں مارنے کے لیے آگے بڑھا تو وہ چیخنے چلانے لگے۔ ان کی چیخ پکار کے نتیجے میں وہ اچانک غائب ہو گیا۔

آہل اور عالیان کے لیے یہ نئی صورت حال کافی پریشان کن تھی۔ سہیل چاچو کو خوف وہراس کی کیفیت سے باہر نکالنے کے لیے انہوں نے دودھ کے ساتھ ایک نیند کی گولی دی اور خود باہر نکل آئے۔

''کہیں اب وہ لوگ سہیل چاچو کو تو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے......؟'' عالیان پریشان کن لہجے میں بولا۔

''شاید! لیکن سہیل چاچو جیسے بہادر انسان نے ایسا بھی کیا بھیانک چہرہ دیکھ لیا کہ اپنے حواس ہی کھو بیٹھے۔'' آہل پُرسوچ لہجے میں بولا۔

''میرے خیال سے اب ہمیں اپنے ساتھ دانیال کو بھی شامل کرنا ہوگا...... محل کی نگرانی کے لیے آس پاس نظر رکھنے کے لیے......کیا خیال ہے۔؟''

''ہاں بالکل اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں......'' آہل کے پوچھنے پر عالیان نے جواب دیا۔

✿............✿............✿

اگلی صبح ہاجرہ محل کے مکینوں پر قیامت بن کر اتری تھی۔

سلطانہ چچی جو اس دن سر پہ چوٹ لگنے کی وجہ سے ہاسپٹل میں آپریشن کے دوران ہی بے ہوش ہو گئی تھیں۔

آج صبح ڈاکٹرز کی اطلاع کے مطابق کسی نے ان کے پرائیویٹ روم میں گھس کر ان کو قتل کر دیا تھا۔ ان کی موت سانس گھٹنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ کسی نے ان کا گلا دبا کر ان کو ختم کر ڈالا تھا۔

ہاجرہ محل کا ایک اور مکین دشمنوں کی بے حسی و سفاکی کی نذر ہو چکا تھا۔

نعیم کی حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔ باپ کے بعد اس نے آج اپنی ماں کو بھی کھو دیا تھا۔

نہ جانے دشمن کو رضا خان اور اس کی بیوی سے ایسی کیا دشمنی تھی کہ رضا خان کے بعد آج سلطانہ بیگم کو بھی بے دردی سے مار دیا گیا تھا۔

حاجرہ محل میں موت کا سا سکوت چھایا ہوا تھا پوسٹ مارٹم کے بعد چچی کی نعش گھر لے آئے تھے جس کے بعد ان کو نہلا کر کفن دیا گیا تھا۔ گھر کی عورتوں نے ان کی لاش دیکھ کر چیخیں مارنا شروع کر دیں بڑی سفاکی سے گلا گھونٹ کر ان کو

کیا گیا تھا ان کی آنکھیں باہر کو ابلی ہوئی تھیں زبان باہر تھی۔ آنکھوں اور منہ کو پٹی باندھ کر بند کیا گیا۔

جنازہ دفنانے کے لئے اٹھایا گیا تو نعیم نے میت سے لپٹ کر اپنی چیخوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

وہ پورا زور لگا کر جنازے کو روکنے لگا عالیان، آحل اور دانیال نے بڑی مشکلوں سے اس کو قابو کیا۔

''مجھے بھی ساتھ لے جاماں یا پھر میرے پاس رہ جا.....'' وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔

سہیل چاچو نے اس کو سینے سے لگا لیا۔

''بس کر بیٹا۔ اس محل کی نحوست نے تیرے ماں باپ نگل لئے میں سمجھ سکتا ہوں تیرا دکھ!'' وہ اس کی پیشانی چوم کر آبدیدہ ہو گئے

''چچا مجھے بھی مرنا ہے میں کیوں زندہ ہوں......؟''

''نہ بیٹا تیرے آگے زندگی پڑی ہے تو محل سے نکل کر اپنی زندگی جی لے چھوڑ دے اس آسیب نگری کو۔''

سہیل چچا اس کو تھپکتے دلاسہ دیتے جاتے تھے۔

سلطانہ چچی کے چلے جانے کے بعد محل پر جیسے سچ مچ خاموشی کے بھوت نے بسیرا کر لیا عالیان اور آحل مالی بابا اور شزا کو بھی بھولے ہوئے تھے۔

نعیم کے ساتھ دانیال سایہ بنا رہتا ورنہ اس کی باتوں سے خدشہ تھا کہ وہ مایوسی میں خودکشی کر لے گا۔ ہر فرد اپنی جگہ ڈرا ہوا تھا گھر کی عورتیں پھپھو کے گھر چلی گئی تھیں عابد صاحب بھی اس سانحے سے افسردہ تھے۔

۞............۞........۞

شزا کی ہمتیں جواب دے چکی تھیں وہ کھانا بھی ضد میں آ کر واپس کر دیتی تھی سو جسم پر لاغری کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ ضد سراسر اس کو نقصان پہنچا رہی تھی۔ اسی لئے آج حبشی لڑکا کھانا لے کر آیا تو اس نے مشتعل ہو کر واپس نہیں کیا بلکہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے نوالے توڑ کر سالن کے ساتھ زہر مار کرنے لگی۔

حبشی کو خوشگوار حیرت نے گھیر لیا۔

''واہ! آج تو بہت سمجھداری کا مظاہرہ ہو رہا ہے میڈم جی۔'' شزا نے ایک تلخ نظر اس پر ڈالی۔

''ویسے بھی اب جلد تمہارا کام نپٹا دیا جانے والا ہے۔'' حبشی نے سرگوشی کی تو شزا کا کٹی انگلی والا ہاتھ کانپ سا گیا۔

وہ کھانا دے کر اس کی رسیاں کھول دیتا تھا اس لئے وہ آرام سے کھا رہی تھی ورنہ جب سے اس نے تاکا جھانکی شروع کی تھی حبشی اسے باندھ کر رکھتا تھا۔

اچانک باہر سے کوئی اونچی آواز میں اس لڑکے کو پکارنے لگا۔

''ابے آتا ہوں کیا آفت آ گئی۔'' وہ عجلت میں پلیٹیں اٹھانے کے لئے جھکا تو پینٹ کی جیب میں اڑسا موبائل بستر پر آ گرا..... شزا نے فوراً ہاتھ بڑھا کر موبائل تکیے کے نیچے کر دیا حبشی لڑکا جلدی میں رسیاں وہیں چھوڑ کر باہر نکلا اور دروازہ بند کر دیا۔

کچھ دیر تک شزا اپنی بے ترتیب سانسوں پر قابو پاتی رہی جو موبائل دیکھ کر مارے خوشی کے تیز ہو گئی تھیں۔

پھر جھٹ سے موبائل اٹھا کر بٹن دبایا تو اسکرین روشن ہوگئی۔

شزا نے دھڑکتے دل کے ساتھ عالیان کا نمبر ملایا۔

''درد دلوں کے کم ہو جاتے...... میں اور تم گر باہم ہو جاتے''

اس گانے کی سوگوار رِنگ ٹون سے وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ عالیان اس کے بغیر کتنا اداس ہے۔

''عالیان اسپیکنگ۔'' کال اٹھالی گئی تھی۔

''ہیلو عالیان...... میں شزاء۔'' شزا کی آواز کپکپا گئی۔

''شزا...... شزا میری جان! تم کہاں ہو مجھے بتاؤ۔؟'' ادھر عالیان تڑپ اٹھا تھا۔

شزا نے اپنے چاروں طرف نظریں دوڑائیں

''پتہ نہیں مجھے لے جاؤ عالیان میں یہاں مر جاؤں گی۔'' شزا سسک اٹھی۔

''مجھے بتاؤ شزا تم کس جگہ ہو اور تمہیں کس نے اغوا کیا ہے۔؟'' عالیان کا بس نہ چل رہا تھا جادو سے شزا کو اپنے پاس لے آئے۔

''مجھے نہیں معلوم عالیان یہ جگہ کون سی ہے ایک پرانے گھر میں مجھے قید کر رکھا ہے اور مجھے اغوا کرنے والا کوئی اور نہیں تمہارا جگری دوست آحل کمال ہے۔'' شزا کی بات پر عالیان اچھل پڑا۔

''شزا ایسا نہیں ہوسکتا تمہیں کوئی غلط فہمی......'' وہ ابھی بات پوری نہ کر پایا کہ دوسری طرف سے فون شزا سے چھین لیا گیا۔

''میڈم ہمارے ساتھ ایڑی دکھاتی ہے۔'' ایک آواز ابھری پھر شزا کی چیخ!

اور فون بند ہوگیا

''شزا...... شزا!'' عالیان پکارتا رہ گیا۔

✿............✿............✿

ابھی ابھی میری شزا بات ہوئی۔ اس کی آواز مجھے جیون کا تاثر دے گئی تھی۔ وہ زندہ تو تھی مگر کہاں...... یہ نہ وہ جانتی تھی نہ ہم پتہ لگا سکے تھے۔

ہاجرہ محل میں چھائی یاسیت ہولناک روپ دھارے ہوئے تھی۔ شزا کا اغواء ایک معمہ بن چکا تھا۔ کڈنیپر نے اب تک کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ مگر شزا کا انکشاف...... میں نہیں مان سکتا...... میرا دل قائل نہیں ہوسکتا...... اسے ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

آحل کمال خان...... کی ذات بے اعتبار نہیں ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔ میرا دل مانتا ہے۔ اس کی رشتوں سے محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ میں کبھی اس کے بارے میں غلط نہیں سوچ سکتا...... ہاجرہ محل میں جو ہوا جو ہو رہا ہے آحل کمال خان کیونکر کروا سکتا ہے۔ وہ ایک مکمل انسان ہے۔

مجھ جیسے ہر رشتے کا حوصلہ ہے وہ......

شزا یقیناً غلط فہمی کا شکار ہوئی ہے...... اور شاید اس وقت شزا کے علاوہ کسی اور بارے میں سوچنا اور آحل کو مجرم

ٹھہرانا بیوقوفی تھا۔

میں سر جھٹک کر آھل کی طرف گیا تھا۔ وہ نعیم کے ساتھ ہال میں موجود تھا۔ میں نے ان دونوں کو شزا کی کال کے متعلق بتایا اور اس دوران نادانستہ میری نگاہوں نے آھل کمال کے تاثرات کو گھیراؤ کیا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے احساسِ شرمندگی سے میں نے نگاہوں کا رخ پھیرا تھا۔

''یہ یقیناً کڈنیپر کی ہمیں بہکانے کے لیے ایک چال ہوگی......!''

میں درست سمت میں سوچنا چاہ رہا تھا۔ اور صد شکر...... میڈیسنز سے نجات مجھے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت واپس دے گئی تھی۔

شزا کی کال کے متعلق سن کر آھل اور نعیم پُرسوچ انداز میں بیٹھے تھے۔

پولیس سے مدد لینا بیکار تھا۔ جانتے تھے کہ پولیس بھی کڈنیپرز کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ شزا کو اغوا ہوئے کافی دن گزر چکے تھے۔

ہماری ہر تلاش بے فائدہ تھی۔ اصل ماسٹر مائنڈ کٹھ پتلیوں کے استعمال کے بعد اب سنبھل کر کھیلنا شروع ہو چکا تھا۔

ہمارے سامنے ہر راہ تاریک تھی۔

کوئی ایک سرا بھی واضح نہیں تھا۔

ہم میں موجود ہم میں ہی سے ایک...... مگر نقاب پوش...... وہ جو کوئی بھی تھا۔ اب ہمارا ضبط آخری حد تک آزما چکا تھا۔ اب بس ہم سب نے مل کر ہاجرہ محل کے در و دیوار و فضاؤں میں چھائی تاسف کی ہوا کو آلودگی و کثافتوں سے پاک کرنا تھا۔ ہمارا ایک ہونا ہی ہماری طاقت ثابت ہوسکتا ہے۔

''میں عالیان خان اب ہر ایک روپ کے بہروپ کو بے نقاب کرنے کے لیے تیار تھا۔ مجھے میری محبت شزا کو واپس لانا تھا۔ چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے...... میں بے خوف تھا۔ پُرعزم بھی تھا۔

محبت کے لیے لڑنے...... موت کے منہ میں سے زندگی کو جھپٹ کر واپس لانے کے لیے میں تیار تھا۔

۞............۞............۞

اس بھدے لڑکے کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

جانتا تھا کہ ایک چھوٹی سی غلطی بھی اس کی جان کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ فون شزا کے ہاتھ سے کھینچنے کے بعد اپنی گھبرائی سانسوں کو بحال کرنے سے قبل اس نے ایک زوردار تھپڑ شزا کے گال پر رسید کیا تھا۔ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ شزا کی بے ساختہ چیخ کے ساتھ آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔

''بہت جلدی ہے جانے کی...... مگر کان کھول کر سن لو جب تک صاحب نہیں چاہیں گے تم اس کمرے کے باہر کی ہوا تک محسوس نہیں کر سکتی......!'' چلا کر کہتے ہوئے اس نے بے رحمی سے اس کے بالوں کو بھی جکڑ لیا تھا۔

شزا کو درد بڑھتا محسوس ہوا تھا۔

''چھوڑو میرے بال......!'' چلائی تھی۔

''ابھی تو بال کھینچے ہیں......اگلی بار چالاکی کی تو گلا دبا دوں گا......!'' جواباً وہ پھنکارا تھا۔
شزا کو اس کی آواز خاموش کر گئی تھی۔
مگر شاید وہ لڑکا بال بال بچا تھا جس کا دکھ تھا کہ کم ہونے کو نہیں آرہا تھا۔ اس کے بالوں کو ہنوز سختی سے پکڑے دوسرے ہاتھ سے موبائل پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ بیل جارہی تھی۔ وہ لمبی لمبی سانسیں خارج کرتا انتظار کر رہا تھا۔
''صاحب جی......لڑکی بہت تنگ کر رہی ہے......!'' توقف کے بعد چھوٹتے ہی اس نے شکایت لگائی تھی۔
''ناک میں دم کیا ہوا ہے......!'' اکتاہٹ بھرا لہجہ اپنایا۔
اپنا موبائل اس کے ہاتھ لگنے کی خبر بتانا ضروری نہ سمجھا کہ جواباً بے عزتی ہی سننے کو ملتی۔
دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تھا۔
وہ لڑکا سننے کے ساتھ ساتھ سر کو بھی جنبش دے لگا۔ ایک غلیظ نظر شزا پر بھی ڈالی جو تکلیف کے باوجود دوسری جانب موجود شخص کی آواز سننے کی تگ و دو کر رہی تھی مگر ناکام......آواز نہ واضح تھی نہ صاف......
''جی صاحب جی......لیکن اسی ہاتھ کی دوسری انگلی کاٹوں یا دوسرے ہاتھ کی......!''
تب اچانک شزا کے اوسان خطاء ہوئے تھے۔
وہ لڑکا فرمانبرداری سے پوچھ رہا تھا۔ ہدایات پر عمل گویا یقینی تھا۔
شزا تڑپ اٹھی تھی۔ بے ساختہ خوف زدہ چیخوں نے کمرے کی فضاء کو بھی مضطرب کر دیا تھا۔
''صاحب جی......لڑکی بے قابو ہو گئی ہے......!'' وہ لڑکا اچانک افتاد پر گھبرایا تھا۔
دوسری جانب سے پھر کچھ ہدایات دی جارہی تھیں۔
اس نے بغور سننے کے ساتھ ساتھ سر کو جنبش دینے کے بعد فون رکھ دیا تھا۔
''چپ......ایک دم چپ......!''
فون رکھنے کے بعد وہ ایک بار پھر اس پر بھاری ہونے لگا تھا۔ آواز میں اتنی کراہت تھی کہ شزا نے ڈر و خوف سے کسی معصوم بچے کی طرح فوراً لب بھینچ لیے تھے۔ ساتھ ہی دونوں ہاتھوں کو پشت میں لے جا کر چھپانے کی کوشش کی تھی۔
''اس بار تو بچت ہو گئی مگر یاد رکھنا اگلی بار ایک ذرا سا بھی مجھے شک ہوا یا کوئی چالاکی کی تو ایک نہیں دونوں ہاتھوں کی ساری کی ساری انگلیاں کاٹ دوں گا......یاد رکھنا......!'' غضب ناک لہجے میں اسے وارن کرتا وہ لڑکا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔
شزا خوف و ہراس میں گھری اپنی بے ترتیب سانسوں کو سنبھالنے میں ناکام ہوئی تھی۔
بے بسی عروج پر تھی۔
آنسوؤں نے البتہ اس کے غم میں شرکت برابر جاری رکھے ہوئے تھی۔

۞..........۞..........۞

ہاجرہ محل پہ چھائے غم کے بادلوں نے محل کے تمام مکینوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔
سلطانہ چچی کو دفنائے ایک ہفتہ ہونے کو تھا لیکن نعیم کی حالت ابھی بھی سنبھلنے میں نہیں آرہی تھی۔

آہل، عالیان اور دانیال اسے ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہ چھوڑتے۔ آپا بھی غم سے نڈھال تھیں لیکن ماں سے زیادہ اب انہیں بھائی کی حالت غمگین کر رہی تھی۔

کچھ دن تو آپا نے صبر کیا پھر محل کے مکینوں کی صلاح اور سہیل چاچو کے مشورے پہ نعیم کو لے کر کچھ عرصے کے لیے شہر جانے کا ارادہ کیا۔

جاتے جاتے نعیم نے ایک نفرت سے بھرپور نگاہ ہاجرہ محل پر ڈالی اور بولا۔

''اس محل نے آج تک مجھے یا میرے خاندان کو کچھ نہیں دیا۔ صرف چھینا ہے مجھ سے میرے پیارے عزیز رشتوں کو۔ میں آؤں گا واپس لوٹ کر۔ ضرور آؤں گا۔ اپنے ماں باپ کے قاتلوں سے گن گن کر بدلے لوں گا۔''

آہل نے آگے بڑھ کر نعیم کو گلے سے لگایا اور بولا۔

''تم اکیلے نہیں ہو نعیم اس بدلے کی آگ میں ہم سب تمہارے ساتھ ہی جل رہے ہیں۔ ہم چاچو رضا اور سلطانہ چچی کے قاتلوں کو ڈھونڈیں گے اور اپنے ہاجرہ محل کو ان کی سازشوں سے چھٹکارا دلا کر ہی رہیں گے۔ ان شاء اللہ جلد ہی تمہیں خوش خبری سنائیں گے۔''

''ارے کیا تم بچوں نے بدلے بدلے کی رٹ لگا رکھی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' آہل کے بولنے پر سہیل چاچو آگے بڑھ کر بولے تھے۔

نعیم آپا اور ذیشان کے ساتھ شہر چلا گیا۔

✿..........✿..........✿

وقت سے بڑا مرہم کوئی نہیں ہوتا۔ وقت ایک ایسا مرہم ہے جو اپنے اندر گہرے سے گہرے زخموں کو بھرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

سلطانہ چچی کی وفات کا غم بھی آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ ہاجرہ محل کے آدھے سے زیادہ مکین تو شہر جا بسے تھے۔ شاید ان لوگوں کو ہاجرہ محل سے زیادہ اپنی جان کی فکر تھی۔

لیکن ایک میں اور آہل تھے جنہیں اپنی جان سے زیادہ ہاجرہ محل کی فکر تھی۔ ہم ہاجرہ محل پہ لگا ''آسیب زدہ'' کا ٹھپہ مٹا کر اس کی وہی شان و شوکت بحال کرنا چاہتے تھے جو آج سے کئی سال پہلے ہوا کرتی تھی۔

سلطانہ چچی کے بعد محل میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا تھا جو کسی کے لیے پریشانی کا باعث بنتا۔ وقت بہت سست روی سے چل رہا تھا۔ شہزا کی کال کے بعد ہماری کافی کوششوں کے باوجود ہم اسے ٹریس نہیں کر سکے۔ اس تک پہنچنا اب جیسے ناممکن سا لگ رہا تھا۔

لیکن پھر بھی ہماری تلاش جاری تھی۔

اس سارے عرصے میں بس مالی بابا کی حالت میں کچھ امپرومنٹ نظر آئی تھی۔ وہ اپنی زبان کو تھوڑا بہت ہلا لیتے تھے۔ امریکہ اور ڈاکٹرز کے مطابق مالی بابا کی حالت میں بہتری کے جو آثار نظر آنے لگے ان کے مطابق جلد ہی وہ بولنے کے قابل ہو جائیں گے اور ٹوٹے پھوٹے ہی سہی لیکن کوئی نا کوئی لفظ ادا کر پائیں گے۔

✿..........✿..........✿

آج صبح سے اس کا بھوک سے برا حال تھا۔ جب سے وہ ان لوگوں کی قید میں آئی تھی کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرا تھا جب وہ پیلے دانتوں والا حبشی اسے کھانا دینے نہ آیا ہو۔ دن میں تقریباً ایک دفعہ تو وہ اسے ضرور کھانا دینے آتا تھا۔

پہلے پہل تو وہ کھائے بغیر ہی لوٹا دیتی لیکن جب کمزوری اور نقاہت حد سے بڑھنے لگی تو وہ کسی نا کسی طرح تھوڑا بہت کھا ہی لیتی تھی۔

آج تو اس بند کال کوٹھڑی میں صبح سے کسی نے جھانکا ہی نہیں تھا۔

اپنی بے بسی پہ اسے سخت رونا آرہا تھا۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے۔

اسی وقت اچانک کمرے کا دروازہ کھول کر ایک بوڑھا سا آدمی اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں کھانے کا سامان تھا۔

اس نے وہ سامان شزا کے آگے رکھا اور کرخت لہجے میں بولا۔

''سن لڑکی۔ کل ہمارے بابو کو زہریلے سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ اس کی حالت خراب ہے آج وہ یہاں نہیں ہے۔ یہ کھانا لو'' وہ بوڑھا آدمی شاید اس حبشی لڑکے کی بات کر رہا تھا۔

شزا نے اس کا دیا کھانا کھایا۔ جسم میں کچھ طاقت آئی تو دماغ بھی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا۔

اسی وقت اس کی نظر کمرے کے کھلے دروازے پر پڑی تو حیرت و خوشی کے باعث اس کی آنکھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ بوڑھا شاید اس حبشی لڑکے کی طرح شاطر نہیں تھا۔ اس لیے دروازہ بند کرنے میں لاپروائی دکھا گیا۔

شزا نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا سوچا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے تنگ و تاریک کمرے میں اسے قید کیا گیا تھا۔ وہ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھنے لگی۔

وہ بوڑھا آدمی کہیں نظر نہیں آرہا تھا...... یا تو وہ عقل سے پیدل تھا اسے یہ امید ہی نہیں تھی یہ لڑکی یہاں سے بھاگ بھی سکتی ہے یا پھر جان بوجھ کے اسے بھاگنے کا موقع دیا گیا تھا۔

ڈرڈر کے احتیاط سے قدم اٹھاتے شزا اس قید خانے سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی لیکن باہر آتے ہی اس کی خوشی کی کوئی انتہا نا رہی جب اس نے سڑک کنارے خانہ بدوشوں کی جھونپڑیوں کو دیکھا۔

وہ اس کی کچھ نا کچھ مدد کر سکتے تھے۔

✲.........✲.........✲

سامنے قطار سے خانہ بدوشوں کی جھگیاں بنی ہوئی تھی۔ وہ جلدی جلدی ان کی طرف قدم بڑھانے لگی ساتھ ساتھ پیچھے مڑ کر بھی دیکھتی جا رہی تھی کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔ مگر پیچھے کوئی نہیں تھا۔ جیسے جیسے جھگیاں قریب آ رہیں تھی ان کے باہر کھیلتے آدھے ادھورے کپڑوں میں ملبوس بچے، میلے کچیلے کپڑے پہنے، انہی کی طرح ان کے پیچھے بھاگتی ان کی مائیں نظر آنے لگیں۔ اس کا اپنا حلیہ کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا ان خانہ بدوش لوگوں سے، کہ اس نے کئی دن کے میلے کپڑے پہن رکھے تھے جواب سخت ہو کر اسے چبھنے لگے تھے۔ کئی دنوں سے منہ ہاتھ نہ دھونے کی وجہ سے اس پر میل جم

چکی تھی۔ یہی حال اس کے بالوں کا تھا۔ وہ ان خانہ بدوشوں ہی کی کوئی فرد معلوم ہوتی تھی۔ کوئی فرق نہیں کر سکتا تھا جو اس کے حق میں بہتر ہی تھا مگر جو چیز اس ان لوگوں سے منفرد بناتی تھی وہ اس کا لہجہ اور زبان تھی۔

جیسے ہی وہ جھگیوں کے نزدیک گئی تو انہی میں سے ایک عورت کی نظر اس پر پڑی۔

''اری۔ کون ہے ری تُو؟ اپنی تو نا دِکھے تُو۔ بتا کن جھگیوں سے آئی ہے؟؟'' یہ کہتے ساتھ ہی اس نے دو تھپڑ اپنے ساتھ کھڑے لڑکے کو لگائے جو اس کی گرفت سے باہر نکلنے کو مچل رہا تھا۔

''میں۔ میں دور سے آئی ہوں۔ پانی مل سکتا ہے پینے کو۔؟''

''لہجے سے تو تُو ہماری نہ لاگے۔ اے شنو! چل پانی کا گلاس لا اندر سے۔''

ایک بارہ تیرہ سال کی لڑکی الجھے ہوئے بالوں کو ہاتھ سے کھجاتی۔ ایک ہاتھ میں سٹیل کا گلاس لے کر جھگی سے نکلی اس گلاس پر چکنے ہاتھوں کے نشان تھے۔ شزا کو اسے دیکھ کر کراہت سی محسوس ہو رہی تھی مگر پیاس نے اس کی ساری نفاست پسندی بھلا دی تھی۔ اس نے غٹا غٹ پانی چڑھا لیا۔

''ایک گلاس اور ملے گا۔؟''

دوسرا گلاس مانگنے پر وہ لڑکی منہ میں بڑبڑاتی دوبارہ اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ پانی سے بھرا گلاس لے کر آئی اور اس کے سامنے کیا ساتھ ساتھ اسے جانچتی نظروں سے بھی دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے گلاس لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا وہ لڑکی کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔ پانی کا گلاس بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ شزا نے جو اُس کی اس حرکت پر حیران ہوتے ہوئے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو اُس کی نظر اپنی انگلی کٹے ہاتھ پر پڑی جو گلاس لینے کے لیے اس نے آگے بڑھایا تھا۔ اس نے جلدی سے وہ ہاتھ اپنی کمر کے پیچھے چھپا لیا اور سہمی ہوئی نظروں سے اس لڑکی اور اس کی ماں کو دیکھنے لگی۔

۞..........۞..........۞

میں اور آنچل مالی بابا کو دیکھنے ہاسپٹل آئے تھے۔ مگر وہ سو رہے تھے تو ڈاکٹرز سے ان کی کنڈیشن اور پروگریس سے متعلق معلوم کر کے باہر بنے لان میں ایک بینچ پر آ بیٹھے۔

''پتہ نہیں مالی بابا کب صحیح سے بولنے کے قابل ہوں گے؟ جب تک وہ بات چیت کے قابل نہیں ہو جاتے تب تک ہماری دشمن کو ڈھونڈ نکالنے کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہے گی۔'' میں نے آنچل سے اپنی سوچ کا اظہار کیا۔

''جانتا ہوں۔ دوسری طرف شزا کے معاملے میں بھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، کوئی امید کی کرن نظر نہیں آ رہی۔ اس کے فون کرنے سے جو امید بندھی تھی وہ بھی اب آہستہ آہستہ دم توڑ رہی ہے۔ ہم جو سمجھ رہے تھے کہ اس کا کڈنیپر پیسوں کا یا کسی اور چیز کا مطالبہ کرے گا کہ اسی لیے اس نے شزا کو فون دیا تھا تا کہ وہ ہم سے رابطہ کر کے ہمیں یہ امید دلائے کہ وہ زندہ ہے۔''

''اس کے علاوہ فون دینے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ بات نہیں بھی ہے تو سوچنے والی بات ہے شزا کے ہاتھ فون کیسے لگا۔''

آنچل نے پُرسوچ انداز میں سامنے دیکھتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''آہل مجھے تمہیں ایک بات بتانی ہے۔''میں نے نظریں چراتے ہوئے آہل سے کہنا شروع کیا۔

آہل کو میرے لہجے میں کچھ غیر معمولی پن محسوس ہوا تو اس نے اپنی مکمل توجہ میری طرف مبذول کر لی۔

''اس دن جب شہزاد کی کال آئی تھی۔اس نے مجھ سے ایک بہت عجیب بات کی تھی۔جس پر مجھے یقین نہیں آیا تھا مگر میں حیران ضرور ہوا تھا۔''میں نگاہیں جھکائے اس سے کہتا جا رہا تھا۔

''شہزاد نے مجھ سے کہا کہ تم جانتے ہو ان سب واقعات کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ پھر میرے پوچھنے پر اس نے تمہارا نام لیا تھا۔مگر میں نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا۔''

اپنی بات پوری ہونے پر جب میں نے نظر اٹھا کر آہل کو دیکھا تو بے یقینی سے اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

کیا......؟؟ کیوں لیا اس نے میرا نام......

اور تُو گھامڑ ارسطو......اس بات پر یقین کر بیٹھا ہوگا؟''اس نے جانچتی نظروں سے مجھے دیکھا تو میں نے نفی میں سر ہلایا

''جان سے زیادہ بھروسہ ہے تجھ پر......مجھے لگتا ہے اغوا کاروں نے اسے غلط بتایا ہے تا کہ اس کا تجسس ختم ہو اور تُو مجرم ثابت ہو۔''میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہم یار! ہمیں اس نمبر کو ٹریس کرنا چاہیے۔''آہل نے کہا۔

''یار نمبر بند پڑا ہے کب سے......ٹریس کہاں سے کریں......؟''میں نے مایوس ہو کر کہا۔

''تو یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے سے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔''آہل نے گہری سانس بھری تھی۔

دفعتاً ہاسپٹل سے ایک دراز قد کالی رنگت اور بھدے نقوش والا شخص باہر آیا چونکہ ہم دونوں لان میں ہی بیٹھے تھے سو دونوں کی نظر ایک ساتھ اس پر پڑی۔

''افریقی لگتا ہے۔''میں نے قیاس آرائی کی۔

''کیا پتہ......''آہل نے کندھے اچکائے۔

وہ لمبے ڈگ بھرتا یہیں چلا آیا تھا۔

ہاتھ میں کچھ دوائیں تھیں جبکہ توانا کالے بازو پر پٹی چڑھی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا ہے بھائی۔؟''میں نے برائے بات پوچھا۔

''سانپ نے ڈنگ مارا ہے''وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

میں چونک اٹھا اس کا لہجہ جانا پہچانا لگا۔

''کس جگہ رہتے ہو؟ وادی میں تو اب سانپ کافی حد تک ختم ہو چکے ہیں۔''آہل کی بات پر وہ خاموش رہا۔

''تم یہاں کے نہیں لگتے۔؟''میں نے یہ سوال اس کی آواز سننے کے لئے کیا تھا۔

''میں میڈان افریقہ ہوں۔''اس حبشی نے قہقہہ لگایا۔

میری الجھن بڑھ گئی یہ مخصوص آواز میں پہلے کہیں سن چکا ہوں لیکن کہاں یاد نہ آتا تھا۔

اتنے میں وہ لڑکا اٹھ کر گیٹ کی طرف چلا گیا۔

''ارسطو یار تُو کس سوچ میں ہے۔؟'' آحل نے میرا کندھا ہلایا۔

''یار اس افریقی کی آواز میں نے کہیں سنی ہے۔'' میں نے الجھ کر آحل کو دیکھا۔

اچانک میرے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''ارے یہ تو وہی ہے شزا کا کڈنیپر اس دن اسی آواز نے شزا کو جھڑکا تھا......'' میں یہ کہہ کر سرپٹ گیٹ کی طرف بھاگا آحل میرے پیچھے دوڑا۔

ہم دونوں نے بڑے گیٹ سے باہر نکل کے اسے ڈھونڈا مگر وہ نہیں تھا۔

ہم نے آس پاس کھڑی باقی گاڑیاں بھی شیشوں کے ذریعے سرسری چیک کیں مگر شاید وہ جا چکا تھا...... مجھے سخت مایوسی نے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ شزا تک پہنچنے کا وہ واحد ذریعہ ثابت ہوسکتا تھا۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ سبھی اس کے لیے پریشان بھی تھے مگر میری تو زندگی ہے وہ۔

اس کے بغیر جینے کا تصور بھی محال تھا۔

''ارسطو......!''

آحل میری حالت دیکھ کر اداس سا ہوا تھا۔ دلاسہ دینے کے لیے اسے ہمت درکار تھی جس میری بے بسی غالب آنے لگی تھی۔

''شزا مل جائے گی...... ہم کوشش جاری رکھیں گے...... بلکہ اب یوں کرتے ہیں کہ اردگرد کے علاقوں میں رہنے والے لوگوں سے پوچھتے ہیں۔ کیا پتہ کسی نے اسے دیکھا ہو...... کڈنیپرز کو اسے لے جاتے ہوئے...... کوئی تو جانتا ہی ہوگا......!''

آحل نے وثوق سے کہا تھا۔

میں نے ہر مٹتی امید کے ساتھ سر کو جنبش دی تھی۔

آحل بھی امید کے مٹنے سے پہلے بس ایک سرے کی تلاش میں تھا......

✡...........✡...........✡

''امریحہ......!''

آحل کمال خان شزا کی کال اور عالیان سے اپنے نام کے انکشاف کے بعد بہت الجھا تھا۔ عالیان کو محل واپس بھیج کر وہ امریحہ کے آفس میں آیا تھا۔

''کیا بات ہے آحل......؟''

''ایک بہت بڑی چال چلی جارہی ہے...... وہ جو کوئی بھی ہے، نہیں چاہتا کہ ہم آپس میں ایک رہیں۔ اس دن شزا نے کیسے بھی کر کے عالیان کو کال کی اور کہا کہ ہاجرہ محل میں شروع سے جو ہورہا ہے اس کے پیچھے میرا یعنی'' آحل کمال خان کا ہاتھ ہے۔''

''واٹ......؟''

امریحہ نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا۔

''میرا نام شزا کو بتانا کیا معنی رکھتا ہوگا......!''

''آحل...... کہیں شزا اُن کے ساتھ نہ ملی ہو۔ آئی مین کہیں سب یہ پلاننگ نہ ہو......؟''

''نہیں امریحہ......اس بار شزا پر شک کی کوئی گنجائش نہیں بچی۔ وہ سچ مچ خطرے میں ہے۔ ایک بات جو میں نے کسی کو نہیں بتائی کہ سب پریشان اور خوف زدہ ہوں گے......ارسطو کو بھی بتانا فی الحال ضروری نہیں سمجھا...... جس دن سعدیہ کو میں نے پکڑا تھا اس دن اس کے ذریعے کڈنیپرز نے ایک ڈبہ اور ایک چٹ بھیجی تھی۔ چٹ میں عابد انکل کے ایکسیڈنٹ کی خبر کے ساتھ شزا کی کٹی ہوئی انگلی بھی تھی......!''

آحل کمال خان نے سنجیدگی و دھیمی آواز میں امریحہ وجاہت کو بتایا تھا۔

بے یقینی سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

آنکھوں میں بھی حیرت وافسوس رقص کرنے لگا تھا۔

''وہ لوگ شزا کو اذیت دے رہے ہیں...... کچھ نہیں پتہ اس کے بعد انہوں نے اس کے ساتھ مزید کیا کیا ہوگا مگر اب ہم رسک نہیں لے سکتے...... یہ کھیل بہت طویل ہوتا جارہا......!''

امریحہ کی خاموشی پر وہ مزید بولا تھا۔

''شزا کی کٹی انگلی بھیج کر وہ کیا کہنا چاہ رہے ہوں گے......؟'' امریحہ پُرسوچ تھی۔

''یہی کہ ہمیں مزید کسی ایسے واقعے کا انتظار کیے بغیر ہاجرہ محل سے چلے جانا چاہیے...... کیوں کہ یہاں آنے کے پہلے دن ہی میں جان گیا تھا کہ یہ سب ڈرامہ ہاجرہ محل کے لیے رچایا گیا ہے......ورنہ ایک ساتھ اتنے حادثات رُونما ہونا محض اتفاق نہیں ہوسکتا...... ماسٹر مائینڈ یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ کھل کر سامنے آئے......کوئی اس کی اصلیت واصل روپ سے واقف ہو......کیونکہ اس کے سامنے آتے ہی اس کا سارا پلان بیکار چلا جائے گا...... جو خوف ودہشت پھیلا کر وہ اپنا کام کر سکتا ہے وہ کھلے عام کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے......؟''

آحل الجھا ہوا تھا۔

الجھن مزید بڑھنے لگی تھی۔

اتنا تو کلیئر ہو چکا تھا کہ ہاجرہ محل میں موجود ہی کوئی ہاجرہ محل کے عشق میں گرفتار ہے۔

جسے شراکت داری پسند نہیں۔

جو اپنے عشق کو ٹکڑوں میں بانٹنا نہیں چاہتا۔

اور جس عشق کے ہاتھوں وہ اپنے جذبات کو غلط رخ دے رہا تھا۔

بے خوف ہوکر، بے رحمی سے اور عشق کی اوٹ میں اپنی بزدلی کو طاقت کا روپ دینے میں انہماک سے مصروفِ عمل ہے۔

''آحل...... مجھے بھی تمہیں ایک بات بتانی ہے......!'' توقف کے بعد امریحہ نے بھی اردگرد کا مکمل جائزہ لینے کے بعد اسے سوچوں سے باہر لایا تھا۔

''کیا......؟''

''یہی کہ مالی بابا بول سکتے ہیں......!''اس نے انکشاف کیا۔

آہل نے بھویں سکیڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہاں وہ بول سکتے ہیں......لیکن بول نہیں رہے......!''

''مگر کیوں......؟''وہ بے یقین ہوا تھا۔

''تم لوگوں کے جانے کے بعد جب میں مالی بابا کے کمرے کی طرف گئی تھی تب دروازے پر اندر سے آتی آواز نے میرے قدم روک دیئے تھے۔ مالی بابا کسی کو اپنے ہمیشہ چپ رہنے کا یقین دلا رہے تھے......اپنی بیٹی کی خیریت پوچھ رہے تھے......''وہ بتا رہی تھی۔

''کون تھا وہ شخص......؟''

''میں نہیں جانتی......میں نے اسے سننے اور دیکھنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہی......اندر اس لیے نہیں گئی کہ وہ دوسرا شخص بہت غصے میں تھا۔ مالی بابا کو ڈرا دھمکا رہا تھا۔ اگر مجھے دیکھ لیتا تو میرے ساتھ ساتھ مالی بابا کو بھی جان سے مار سکتا تھا......مالی بابا کا زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔ وہ اس شخص کو جانتے ہیں......ڈرے ہوئے ہیں......اس لیے بتاتے نہیں مگر انہیں یہاں سے لے جانا سب کے لیے اچھا ہوگا......ہوسکتا ہے تحفظ کا احساس انہیں سب رازوں سے پردہ اُٹھانے اور اصلی مجرم تک پہنچانے پر راضی کر دے۔ ورنہ ہوسپٹل میں شاید وہ کبھی اپنی زبان نہ کھولیں......انہیں پلیز جلد از جلد یہاں سے لے جاؤ......!''

امریحہ نے اپنے خدشات کے ساتھ اسے صلاح بھی دی تھی۔

جب تک وہ شاید کچھ سوچ چکا تھا۔

ایک معمہ حل نہیں ہو رہا تھا کہ اوپر سے مزید پہیلیاں الجھتی بکھرتی جا رہی تھیں۔

''صحیح ہے......امریحہ تم مالی بابا پر کڑی نظر رکھو جب تک میں محل جا کر ارسطو کو بتا کر کچھ نہ کچھ بندوبست کرتا ہوں......اینڈ تھینکس فار یور ہیلپ امریحہ......!''اُٹھتے ہوئے وہ اخیر میں تشکر سے کہتا مسکرایا تھا۔

جواباً ایک خاموش سی مسکراہٹ امریحہ وجاہت کے لبوں پر بھی بکھری تھی۔

آہل کمال خان بہت خاص نظروں سے اسے دیکھتا باہر نکل گیا تھا۔

✿..........✿..........✿

شزا اُن سب کی نظروں سے بری طرح گھبرائی تھی۔

وہاں موجود عورتیں اب کھوجتی نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔

''ہاتھ کو کیا ہوا تمہاری......؟''ایک عورت نے انہماک سے تفتیش شروع کرنی چاہی تھی۔

شزا نے نظریں چرائی تھیں۔

''اگر وہ لوگ مجھے ڈھونڈتے ہوئے یہاں آگئے تو یہ انہیں میرے بارے میں بتا دیں گی......مجھے کچھ بھی کہے بغیر یہاں سے فوراً جانا ہوگا......!''

اس سوچ نے اسے محتاط کیا تھا۔

وہ انہیں آخری بار دیکھے بغیر ناک کی سیدھ میں تقریباً بھاگی تھی۔

ان عورتوں کی آوازوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ مگر وہ بہری بنی آگے ہی آگے بڑھے جا رہی تھی۔ وہاں رکنا یا کسی سے بھی مدد لینا اسے خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

بھاگتے ہوئے نیلگوں پھیلے آسمان پر نظر ڈالے وہ اپنی ہمت بندھا رہی تھی۔ جانتی نہیں تھی کہ اس وقت کہاں ہے مگر کم از کم اندھیرا پھیلنے سے قبل وہ یہاں سے جتنا ممکن ہو سکتا تھا دور جانا چاہتی تھی۔ لڑکھڑاتے قدم بے بس ہونے سے انکاری ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کافی آگے نکل آئی تھی۔

پھولی ہوئی سانسیں بے ترتیب دھڑکنیں سنبھالتی وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔ یہ جنگل جیسا علاقہ تھا لیکن ان کی وادی نہیں تھی وہاں شزا بہت گھومی تھی۔

''یہ جنگل کہیں وہ تو نہیں جہاں اکثر آحل اور عالیان شکار پر آتے ہیں۔'' شزا نے ذہن پر زور دیا کہ ایک دو بار ان کے ساتھ وہ بھی آ چکی تھی۔

''اگر آحل کا ہاتھ ہے میرے اغوا میں تو اسی نے مجھے اس مانوس علاقے میں چھوڑا ہوگا جہاں اس کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔'' اس نے تلخی سے سوچا۔

''آحل تم ایک بار میرے سامنے آ جاؤ تو میں تمہارا گریبان پکڑ کر اتنے تھپڑ ماروں اتنے ماروں کہ.....''

اچانک بکریوں بھیڑوں کا ایک ریوڑ اس طرف آ نکلا تھا۔ وہ پیر اٹھا کر پتھر پر بیٹھ گئی۔

ریوڑ مختصر سا تھا جس کو ایک بوڑھی عورت ہانکتی آ رہی تھی۔ کمر پر ہاتھ رکھے دوسرے ہاتھ سے لکڑی پکڑے منہ سے ہنہ ہنہ کی آوازیں نکالتی۔

''ماں جی۔'' شزا پتھر سے چھلانگ لگا کر اتری۔

بوڑھی عورت قریب آ چکی تھی آواز پر چونک کر شزا کو سر تا پا دیکھا۔

''کون ہو لڑکی۔؟ اس جنگل میں کیا کر رہی ہے۔؟'' وہ عورت پوچھنے لگی۔

''ماں جی مسافر ہوں راہ بھٹک گئی ہوں۔'' شزا نے سوچ کر جواب دیا۔

''ہائے ربا اکیلی جوان کڑی ہے رات سر پر چڑھ آئی تو انسان یا درندے نہ چھوڑیں تجھے۔''

وہ تجربہ کار عورت تھی۔

''وہی تو مجھے پناہ چاہیے ماں جی۔'' شزا نے بے بس صورت بنائی۔

''نہ پتر غم نہ کر چل میرے ساتھ میری کٹیا تیرے لائق نہیں پر تجھے پناہ مل جائے گی۔''

وہ شزا کا بازو تھام کر بولی تو شزا نے گھبرا کر اپنی کٹی انگلی چھپالی۔

''ہاں ماں جی چلو.....''

تھوڑی دور ہی ایک کچا جھونپڑا بنا ہوا تھا بوڑھی عورت نے ریوڑ احاطے میں چھوڑا اور اسے لے کر کچے کمرے میں داخل ہوئی۔ کچی مٹی سے تازہ کیا گیا لیپ دیواروں پر چمک رہا تھا اس کی خوشبو شزا کے ناک میں آ گھسی۔

''بیٹھ یہاں۔''

ایک جھلنگا سی چارپائی پر وہ بیٹھ گئی۔ایک کونے میں دھرے مٹکے میں سے وہ مٹی کے پیالے میں پانی بھر کر شزاُ کے پاس آئی۔

''لے!پی لے۔''اس نے پیالہ آگے بڑھایا۔

جسے شزاُ نے جھٹ منہ سے لگالیا وہ ویسے بھی بھوکی پیاسی تھی۔ٹھنڈا پانی اسے اندر تک سرشار کر گیا۔

''تو بیٹھ میں تیرے واسطے کھانے کو کچھ بناتی ہوں۔''

بوڑھی عورت مہمان نوازی کے لئے پوری طرح کمربستہ تھی شزاُ چاہ کر بھی انکار نہ کر سکی۔

''میں آپ کی ہیلپ کروادوں۔''اس کی بات پر بوڑھی عورت ہنس پڑی اور باہر نکل گئی شزاُ بھی پیچھے آئی۔

مٹی کے بنے چولہے کے اندر بوڑھی لکڑیاں توڑتوڑ کر ڈال رہی تھی۔پھر آگ جلانے کا مرحلہ آیا تو بوڑھی عورت کے ساتھ شزاُ کا کھانس کر براحال ہوگیا۔

''تو اندر جا کڑیے......''اس کے کہنے کے باوجود وہ وہیں بیٹھی رہی۔

پھر بوڑھی عورت نے روٹی پکا کر اس پر گھر کے مکھن کی ٹکیا رکھی اور ایک پیالی میں اچار ڈال کر اس کے آگے رکھا۔

شزاُ رغبت سے کھانے لگی اسے وہ روٹی من وسلویٰ محسوس ہوئی تھی۔بوڑھی نے ایک اور روٹی آگے رکھی شزاُ اس کو بھی چار نوالوں میں کھا گئی۔

پیٹ بھرا تو کچھ شرمندہ ہوئی۔

''بس ماں جی......''تیسری روٹی پر کہا

''کھالے کڑیے نہ جانے کب کی بھوکی ہے۔''

''نہیں اب بس۔''اس کے کہنے پر وہ خود کھانے لگی۔

''ایک بات بولوں۔؟''اس نے شزاُ کو بغور دیکھا۔

شزاُ نے سر ہلایا

''تو مسافر نہیں لگتی شہری کڑی ہے تیرے چہرے پر کوئی اور کہانی لکھی ہے......''بوڑھی عورت کی بات پر شزاُ کو کرنٹ سا لگا تھا۔

❁..........❁..........❁

موسم سرما کا آغاز تھا۔ہلکی ہلکی دھوپ بہت بھلی محسوس ہو رہی تھی۔اس خوبصورت وادی کے وسط میں ہاجرہ محل کی خوبصورت عمارت اپنی پوری شان وشوکت سے کھڑی وادی کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی۔

آہل کمال خان محل کے بڑے ہال کمرے میں عالیان خان کے ساتھ بیٹھا اسے مالی بابا کے بارے میں بتا رہا تھا۔

آہل کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے تو عالیان کو یقین ہی نہ آیا۔

''یار۔ایسا کیسے ہوسکتا ہے جن لوگوں نے مالی بابا کی ساری زندگی برباد کردی، ان کا بیٹا چھین لیا، جن کی وجہ سے مالی بابا کی جوان خوبصورت بیٹی کو پاگل پن کا ڈرامہ کرنا پڑا۔جنہوں نے مالی بابا کو اتنی بری طرح سے پیٹا بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح رہے گا کہ انہیں جان سے مارنے کی کوشش کی۔ان لوگوں کے ڈر وخوف سے ایک بار پھر مالی بابا ان کی باتوں میں آچکے ہیں۔وہ ایک بار پھر یوں نہ بول کر ہمارے ساتھ دھوکا و نا انصافی کررہے ہیں۔جبکہ ہم نے ان کی بیٹی اور بیوی کو محفوظ مقام پہ رکھا ہے ان کی حفاظت کررہے ہیں ورنہ شاید اب تک مالی بابا کی طرح سعدیہ اور اس کی ماں بھی مرچکی ہوتیں......''

مالی بابا بول سکتے ہیں اس کے باوجود اپنا منہ بند رکھا ہوا ہے یہ سب سن کر عالیان ایک دم جذباتی ہوگیا تھا۔

''یار عالیان! یہاں جذبات سے کام نہیں چلے گا۔تم سوچو ذرا دشمن کتنا شاطر ہے۔اس کی طاقت کا اندازہ لگالو کہ اب تک ہم اس کے پاؤں کی دھول تک نہیں پہنچ سکے...... جن لوگوں پہ ہم نے شک کیا وہ ہمارے اپنے تھے۔دشمن نے ہمارے اپنوں کے ذریعے ہم پہ وار کیا...... ایسی چالیں چلیں، اتنی کامیابی اور صفائی سے سب کچھ کیا کہ ہاجرہ محل کے کسی مکین کو شک تک نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن رہے ہیں۔

پہلے ہم سب کے دماغ میں آسیب، جنوں بھوتوں کا خوف اتنی عمدگی سے بٹھایا۔

سلطانہ چچی۔نعیم......آپا۔شزا......سعدیہ۔مالی بابا کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔

سب کو ہمارے خلاف، ہاجرہ محل کے خلاف استعمال کیا۔

مالی بابا کا کوئی قصور نہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم دشمن کو کبھی شکست دینے میں کامیاب نہیں ہوسکتے......مالی بابا کو دشمن کی طاقت کا خوب اندازہ ہے لیکن اب ہم نے مالی بابا کو اعتماد میں لینا ہے...... انہیں بتانا ہے کہ دشمن کے خاتمے کے لیے، ہاجرہ محل کی بقا و سکون کے لیے ہمیں ان کے ساتھ کی ضرورت ہے۔

ہمیں مالی بابا کو یہ بتانا ہوگا کہ ہم ان کے ساتھ ہیں انہیں یا ان کے خاندان کے کسی فرد کو اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''ہمم......تم ٹھیک کہہ رہے ہو آئل۔اب ہمیں شزا کو ڈھونڈنے کے ساتھ ساتھ مالی بابا کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانا ہوگا۔کسی ایسے مقام پر جہاں دشمن کا خوف ان پہ غالب نہ آسکے۔جہاں وہ کھل کر بول سکیں۔

لیکن ہم مالی بابا کو یہ نہیں بتائیں گے کہ ہم ان کے بولنے کے بارے میں جان گئے ہیں......

ہم پہلے انہیں اپنے اعتماد میں لیں گے۔آہستہ آہستہ جب وہ خود کو ہمارے پاس محفوظ محسوس کریں گے تو دیکھنا وہ خود بخود ہی سب کچھ بول دیں گے۔''

''بالکل......اب ہمارا اگلا قدم یہی ہوگا!''

۞......۞......۞

شزا کے لیے بوڑھی عورت کی بات غیر متوقع تھی۔ایک لمحے کے لیے تو وہ خود پریشان ہوگئی کہ اب اس بوڑھی عورت کو کیا جواب دے۔بوڑھی عورت بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہی تھی۔

''سن بیٹی اگر تو نہیں بتانا چاہتی تو نہ بتا۔پریشان مت ہو میں تجھے یہاں سے جانے کو نہیں کہوں گی۔تیری مرضی تو جتنے دن ادھر میری جگہ تے رہ......دل چاہے تو بتادے جو تیرے ساتھ گزری میں اپنی طرف سے تجھے تیرے پچھلوں

سے ملانے کی پوری کوشش کروں گی۔ آگے رب سوہنڑے دی مرضی۔''

''نہیں ماں جی! ایسی کوئی بات نہیں، میں تو خود آپ کو سب بتا دینا چاہتی ہوں۔''

شزا ہچکچاتے ہوئے بولی تو کھانے کے برتن اٹھا کر باہر جاتی بوڑھی عورت اس کے پاس چار پائی پر ٹک گئی اور سوالیہ نظروں سے شزا کا منہ تکنے لگی۔ کچھ دیر تو شزا خاموش رہی پھر اس بوڑھی عورت کو اپنے اغوا سے لے کر یہاں بھاگ آنے تک کی ساری کتھا سنا دی۔

اس کی کٹی انگلی دیکھ کر بوڑھی عورت ان لوگوں کو خوب برا بھلا کہنے لگی جنہوں نے اتنی سوہنی لڑکی کے ساتھ اتنا ظلم کیا۔

شزا نے وادی اور ہاجرہ محل کے بارے میں بتایا تو وہ بڑھیا چونک گئی اور پھر یک دم اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''بیٹی۔ میں ہاجرہ محل کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ اپنی جوانی کے چند ایک سال میں نے بھی وہاں کام کیا ہے۔ میرا جواں سال بیٹا اُدھر مر گیا تو میں وہ حویلی چھوڑ آئی۔ تُو فکر نہ کر میرا دوسرا بیٹا کسی کام سے شہر گیا ہوا ہے دو چار دن میں واپس آتا ہے تو تجھے محل چھوڑ آئے گا۔ میری بڈھی ہڈیوں میں اب اتنا دم خم نہیں ورنہ خود ہی تجھے چھوڑ آتی۔''

بڑھیا کی باتیں سن کر شزا ایک دم چونک گئی اور پھر تجسس سے پوچھنے لگی۔

''ماں جی آپ اور کیا جانتی ہیں ہاجرہ محل کے بارے میں؟''

شزا کی بات پر اس بوڑھی عورت نے بڑے غور سے اسے دیکھا تھا۔

''بیٹا...... کچھ باتیں عام ہوتی ہیں۔ بتائی جا سکتی ہیں مگر ہاجرہ محل ایک راز ہے۔ اس کی عمارت جتنی بڑی اور خوبصورت ہے اس کے بھید اتنے ہی گہرے اور بھیانک ہیں۔''

اس عورت کی آواز زخمی ہوئی تھی۔ لہجے میں درد اور تاثر کرب ناک تھا۔

شزا نے ناسمجھی میں اسے دیکھا تھا۔

''دولت کا نشہ سر چڑھ کر کبھی نہیں اترتا...... مجبور انسان مجبوری میں زندگی تو بسر کر لیتا ہے مگر بے حس و خود غرض انسان مجبور کی مجبوری تک کو بیکار نہیں جانے دیتے......!''

ان کے زخم گویا تازہ ہونے لگے تھے۔

شزا محویت سے انہیں سن رہی تھی۔

''آپ کے بیٹے کی موت وہاں کیسے ہوئی......؟'' اس بوڑھی عورت نے توقف بھر کے لیے سانس لیا تو شزا نے پوچھا۔

''بڑے صاحب کی گاڑی کے نیچے آ گیا تھا......!'' بے بسی سے بتاتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ شزا نے افسوس سے ہونٹ بھینچے۔

کچھ پل اس عورت نے خاموش آنسوؤں کو پوروں پر چننے کے بعد اسے دیکھا۔

''کوئی نہیں جانتا وہ حادثہ تھا یا حادثہ بنا دیا گیا تھا۔'' سالوں بعد وہ عورت غم سمیٹنے میں ناکام ہو چکی تھی۔

''بہت ظالم ہوتے بڑے محلوں میں رہنے والے...... جتنا بڑا گھر ہوتا ہے اتنے چھوٹے دل ہوتے ہیں ان لوگوں کے......!''اس عورت کا لہجہ غم سے تلخ ہو چکا تھا۔

شزا اُزبانی اختلاف نہ کر سکی۔

کٹے ہاتھ کی انگلی اسے ان کی بے حسی کی ایک جھلک دکھا گئی تھی۔

دل بھی البتہ دُکھا تھا۔

''آپ رضا خان کے قتل کے بارے میں کچھ جانتی ہیں......؟''شزا نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

''نہیں بیٹا......بس صرف سنا تھا۔ دل بھی خفا ہوا مگر کئی سالوں سے وہاں گئی نہیں...... بیٹے کے بعد وہاں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا......!''بوڑھی عورت سادگی سے بولی تھی۔

''یہاں سے ہاجرہ محل تک آپ مجھے راستہ بتا دیں گی......؟''شزا نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

''بیٹا میں تمھیں کل وہاں خود چھوڑ آؤں گی۔ ابھی بہت دیر ہو گئی ہے۔تم نے کئی دن سے آرام نہیں کیا......سو جاؤ......!''بوڑھی عورت کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھنے لگی۔

اسی وقت باہر دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔

''لگتا ہے شعیب آ گیا ہے...... آنا تو دو چار دن بعد تھا پتہ نہیں جلدی کیوں آ گیا......؟''خود سے کہتے ہوئے وہ کہتے ہوئے باہر نکلی۔

شزا نے بوڑھی عورت کے باہر نکلنے تک نظر اسی پر جمائے رکھی۔ دل کو تھوڑا بہت سکون ملا تھا کہ کل ہاجرہ محل پہنچ جائے گی۔

''اماں......!''

مگر اگلے ہی لمحے باہر صحن سے جانی پہچانی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ ڈر وخوف کی ایک لہر اس کے پورے تن بدن میں دوڑی تھی۔

یہ اسی لڑکے کی آواز تھی۔

جس کی قید سے وہ فرار ہو کر بھاگی تھی۔

وہ اس بوڑھی عورت کا بیٹا تھا۔

تو گویا فرار کی راہیں اسے گھما پھرا کے پھر سے قید خانے میں لے آئی تھیں۔

اس کا دل وحشت سے کانپنے لگا تھا۔

''اماں......!''وہ ایک بار پھر چلایا تھا۔

''آتی ہوں......آتی ہوں......!''جواباً اس عورت کی نحیف آواز بھی اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''کھانا لاؤ جلدی...... مجھے صاحب نے بلایا ہے...... جلدی جانا ہے۔!''وہ کہہ رہا تھا۔

شزا نے دروازے کی اوٹ سے اسے دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ کہیں وہ اندر کی جانب نہ آ جائے لیکن وہ چہرے پر پریشانی لیے باہر ہی بیٹھ گیا تھا۔ بازو پر پٹی بھی بندھی تھی۔

اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

ہاتھ پیر ہنوز کانپ رہے تھے۔آواز بھی حلق کے اندر روک لی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اماں نے اسے کھانا لا کر دیا تھا۔وہ عجلت میں کھانا کھانے لگا تھا۔اماں چپ چاپ اسی کے پاس بیٹھی تھی۔شاید اس آس میں کہ بیٹا اس سے کچھ بات کرے مگر وہ مصروف تھا، باتوں میں ٹائم نکلنے سے اسے دقت ہو سکتی تھی۔کچھ ہی منٹوں میں وہ کھانا کھا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اماں...... میں چلتا ہوں ابھی، دروازہ بند کر لو اور جلدی سو جانا...... کیا پتہ میں رات کو واپس آؤں تو آواز سن کر اٹھنا!'' جاتے جاتے وہ بولا تھا۔

''اچھا......!''

اماں نے اس کے جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا تھا۔تھوڑی دیر بعد شزا نے خود کو نارمل کیا تھا۔ابھی تو وہ جلدی میں تھا۔کھانا کھا کر چلا گیا مگر رات کو اس نے پھر واپس آنا تھا۔

وہ خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اسے ابھی کے ابھی یہاں سے نکلنے میں عافیت لگی تھی۔کمرے سے باہر نکل آئی۔

''ماں جی...... مجھے راستہ بتا دیں۔میں ابھی جانا چاہتی ہوں......!''

''کیوں بیٹا......؟'' وہ حیران ہوئی تھیں۔

''بس ماں جی...... مجھے ابھی جانا ہے۔میں یہاں نہیں رک سکتی۔!'' اس کی آواز میں لرزش پیدا ہوئی تھی۔

اماں نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''میرے بیٹے کی وجہ سے جانا چاہتی ہو......؟'' وہ سمجھدار تھی۔اندازے سے بولی۔

شزا نے چپ رہنے پر اکتفا کیا تھا۔

''دیکھنے میں بھلے اچھا نہ لگتا ہو پر دل کا اچھا ہے میرا بیٹا...... ہاجرہ محل میں ہی صاحب کے لیے کام کرتا ہے......!'' وہ عورت بولی تھی۔

''ماں جی آپ کا بیٹا ہاجرہ محل میں کس کے لیے کام کرتا ہے......؟'' جبھی شزا نے پوچھا تھا۔

اس سوال کا جواب بہت کچھ واضح کر سکتا تھا۔اماں نے ایک بار پھر بغور اسے دیکھا تھا۔

''پلیز ماں جی...... مجھے اپنی بیٹی سمجھ کر بتا دیں...... میرا جانا بہت ضروری ہے۔میری اس حالت کا ذمہ دار وہی ہے جس کے پاس آپ کا بیٹا کام کرتا ہے...... مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔میں دوبارہ اس قید میں نہیں جانا چاہتی جس کی رکھوالی آپ کا بیٹا اس شخص کے کہنے پر کرتا ہے......!'' جواب پانے کے لیے شزا نے انہیں بتانا ضروری سمجھا تھا۔

اماں کو یہ انکشاف چپ کروا گیا تھا۔

یا شاید بیٹے سے متعلق بات انہیں پست کر گئی تھی۔

بیٹا ان کی مرضی کے برعکس ہاجرہ محل میں اچھی آمدنی کی غرض سے کام کر رہا تھا۔ماں کا واحد سہارا تھا۔

لیکن بیٹے کی سفاکیت سے شزا کی کٹی انگلی، ان کا دل نرم کر گئی تھی۔

''بیٹا میرا ذکر مت کرنا......ورنہ وہ میرے بیٹے کو بھی مار دے گا۔!'' بتانے سے قبل اماں نے درخواست کی تھی۔

شزا نے انہیں یقین دہانی کروائی تھی۔

اور تب......

ایک نام اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔

وہ بت بنی رہ گئی تھی۔

نام......ناقابلِ یقین تھا۔

دل شدتِ غم و حیرت سے پھٹنے کو تھا۔

تمام کھیل کو رچانے والا...... ماسٹر مائینڈ......کوئی اور نہیں ان کا اپنا دل کے بہت قریب تھا۔ جو بہروپیا بنا سب کے بیچ سب کا ہمدرد بھی تھا۔

اسے جلد از جلد ہاجرہ محل پہنچ کر اسے بے نقاب کرنا تھا۔

اماں نے اسے راستہ سمجھا دیا تھا......وہ ان کا شکریہ ادا کرتی ہمت و خوف کی ملگجی کیفیت میں دروازہ عبور کر کے منزل کی طرف بڑھ گئی تھی۔

۞............۞............۞

راستہ پُر پیچ اور دشوار گزار تھا مغرب سر پر آ رہی تھی وہ جتنا تیز چل سکتی تھی چل رہی تھی وادی زیادہ دور نہیں تھی جیسا کہ شزا سوچے ہوئے تھی کہ اس کو بہت دور افتادہ جگہ رکھا گیا ہے ایسا کچھ نہیں تھا۔

پھر بھی پیدل کا راستہ طویل ہو رہا تھا۔ گزرے ہوئے چند دن اتنے خوشگوار تھے نہ پیٹ اتنا بھرا ہوا تھا کہ راستہ آسانی سے کٹ جاتا۔

وہ ہاتھ کی انگلی سے رستے خون کو یاد کرنے لگی جس کو روکنے کے لئے ظالموں نے کوئی تدبیر نہ کی تھی۔

خون کا زیادہ اخراج بھی کمزوری کا سبب تھا۔

شزا نے بے اختیار آسمان کو دیکھ کر اس شقی القلب انسان کو دل سے بددعا دے ڈالی جس نے محل اور اراضی کی لالچ میں اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کروایا بلکہ سب کے ساتھ خونی کھیل کھیلتا رہا۔

وادی نزدیک آ گئی تھی مین بازار سے گزرتی شزا کو کئی لوگوں نے رک کر حیرت سے دیکھا تھا۔

ملگجا میلا لباس چہرے پر اڑتی ہوائیاں دوپٹے سے بے نیاز وجود۔

وہ نظر انداز کرتی آگے بڑھتی گئی۔

محل کے دروازے پر آ کر اس کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ ایکدم زور کا چکر آیا اور وہ لہرا کر زمین پر آ گری۔

چوکیدار عالیان کی گاڑی کے لئے گیٹ کھول رہا تھا یوں شزا کو حال سے بے حال زمین پر پڑے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''عالیان صاحب۔'' وہ چلایا۔

عالیان گاڑی سے اتر کر فوراً باہر آیا۔

بلاشبہ یہ شزاٗ تھی جو بے یارومددگار پڑی تھی۔عالیان جھٹ سے زمین پر بیٹھ کر اسے ہلانے لگا۔

''شزاٗ آنکھیں کھولو پلیز۔'' وہ اس کا چہرہ تھپتھپاتے اس کی غیر حالت کو سمجھ گیا۔

پھر اس کو اپنی بانہوں میں اٹھا کر اندر لے آیا۔

کمرے میں آکر احتیاط سے اسے بیڈ پر لٹایا۔قریب پڑے جگ سے پانی نکال کر اس کے چہرے پر ڈالا۔

''آہ......'' شزاٗ کسمسائی۔

''شزاٗ میری جان ہوش میں آؤ......'' عالیان تڑپ اٹھا۔

شزاٗ نے نیم وا آنکھیں کھولیں۔

''شزاٗ کیا ہوا تمہیں کس نے تمہیں اغوا کیا بولو......؟'' وہ اس کی پیشانی چوم کر بولا۔

شزاٗ جیسے ابھی ہوش میں نہ تھی۔

غنودگی کی کیفیت میں سر ہلانے لگی

''اونو۔میں امریحہ کو بلاتا ہوں۔'' عالیان دوڑتا ہوا اوپر گیا۔

''امریحہ......شزاٗ لوٹ آئی ہے۔''

''کیا۔کب......کیسے۔؟'' امریحہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

''یہ بعد میں بتاؤں گا ابھی وہ ہوش میں نہیں پلیز اس کو چیک کرو......'' عالیان نے کہا تو وہ اس کے ساتھ نیچے

لی آئی۔

شزاٗ کی حالت دیکھ کر امریحہ افسردہ سی ہوگئی۔

''بہت کمزوری ہوگئی ہے پریشانی کی بات نہیں کچھ دنوں میں ریکور کرلے گی۔''

''میں اس کو انجکشن لگاتی ہوں تم ٹھہرو میں لے آؤں......'' امریحہ نے عالیان کو تسلی دی۔

کچھ دیر میں ایک انجکشن لے آئی۔

''تم اس کا بازو پکڑو میں لگاؤں......''

امریحہ کے کہنے پر عالیان نے جیسے ہی شزاٗ کا بازو پکڑا اس کے ہاتھ کی کٹی انگلی دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔

عالیان شزاٗ کی کٹی انگلی دیکھ کر ششدر رہ گیا۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی اتنا بے رحم ہوسکتا ہے کہ زندہ

نسان کے جسم کا حصہ اس سے الگ کردے۔

شزاٗ کا درد محسوس کرتے ہوئے اسے احساس بھی نہ ہوا کہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر اس کے چہرے پہ

ہہ گیا۔

خود پہ ضبط کرتے ہوئے اس نے بے ہوش پڑی شزاٗ کو اٹھایا اور اس کے کمرے میں لے آیا۔

ہاجرہ محل کے سارے مکین شزاٗ کی آمد کا سن کر وہاں چلے آئے۔

شزاٗ کی کٹی انگلی سے خون بہتا دیکھ کر امریحہ نے پٹی کردی اور اسے سکون کا انجکشن لگادیا۔

نبیل چاچو کو پتا چلا تو وہ بھاگے بھاگے شزاٗ کے کمرے میں آئے......سب کو تسلی دی اور شزاٗ کے آرام کا خیال

کرنے کو کہا۔

''عالیان بیٹا پریشان مت ہوں آپ میں نے شزا کے حوالے سے انسپکٹر خرم سے بات کی ہے ان شاء اللہ وہ جلد ہی ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالیں گے جنہوں نے ہماری بیٹی کا یہ حال کیا۔''

کمرے سے جاتے جاتے سہیل چاچو نے پریشان بیٹھے عالیان کو تسلی دی اور باقی سب کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔

''آہل کہاں ہے عالیان......؟''

شزا کے اوپر گرم چادر پھیلاتے ہوئے امریحہ نے عالیان سے پوچھا جو اپنی سوچوں میں گم بیٹھا یک ٹک شزا کے چہرے کو دیکھ رہا تھا ایک دم چونک پڑا۔

''آہاں۔آہل۔؟وہ دراصل مالی بابا کو ہاسپٹل سے اس مکان میں شفٹ کروا رہا تھا جہاں ہم نے سعدیہ اور اس کی ماں کو رکھا ہوا تھا۔اس مکان کے بارے میں آہل اور میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا وہاں وہ سب محفوظ رہیں گے۔ اب تک تو وہ انہیں وہاں پہنچا چکا ہوگا۔میں بھی کسی کام سے گھر آیا تھا لیکن شزا......'' عالیان نے ایک اداس نظر شزا پہ ڈالی اور خاموش ہو گیا۔

''ڈونٹ وری عالیان......زیادہ مسئلہ نہیں ہے۔کمزوری نقاہت اور انگلی کے زخم کی وجہ سے شزا کی حالت بہت خراب ہے لیکن جلد ہی ریکور کر لے گی۔'' امریحہ نے شزا کی نبض چیک کرتے ہوئے عالیان کو تسلی دی۔

''لیکن عالیان۔ان سب کے علاوہ بھی ایک مسئلہ ہے۔شزا کو شاید ڈپریشن کا ایک ہلکا سا اٹیک آیا ہے۔''

''ہمم۔گھر سے دور رہی ہے ٹینشن کی وجہ سے شاید......'' عالیان بے خیالی سے بولا۔

''ہوسکتا ہے اس کی کوئی اور وجہ بھی ہو......'' امریحہ پُرسوچ لہجے میں بولی۔

''کیسی وجہ......؟''

''میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی یہ تو اب شزا خود ہی بتائے گی۔دعا کرو کے ہوش میں آنے کے بعد وہ کچھ بول پائے۔اکثر پیشنٹ اس حال میں دو تین دن غنودگی کی کیفیت میں رہتے ہیں۔''

امریحہ کے کہنے پہ عالیان نے ایک پریشان سی نگاہ شزا پہ ڈالی اور امریحہ کو شزا کے آرام کا خیال رکھنے کو کہہ کر خود کمرے سے باہر نکل آیا۔

✿............✿............✿

عالیان شزا کے کمرے سے باہر آیا تو بالائی منزل کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے اندر آتے آہل کو دیکھا۔ آہل کے چہرے پہ پھیلا اطمینان اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ کام ہو گیا ہے۔

''کیا ہوا ہے یار۔یہ تمہارے منہ پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں اور تم واپس ہاسپٹل کیوں نہیں آئے؟''

آہل قریب آیا تو عالیان کے اترے چہرے کو دیکھ کر الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''شزاُواپس آگئی ہے آہل......'' عالیان نے جیسے ایک دم سے دھماکہ کیا۔

''کیا۔کب۔کیسے؟ کہاں ہے وہ۔ٹھیک ہے؟''

شزاُ کی اتنے دنوں کے بعد خود بخود واپسی کی خبر ہی ایسی تھی کہ آہل نے ایک ہی سانس میں سارے سوال کر ڈالے۔

عالیان نے پوری تفصیل سے اسے شزاُ کی واپسی کے متعلق بتایا تو آہل کچھ مطمئن ہوا۔

''عالیان اس محل کا ایک ایک فرد مجھے بے حد عزیز ہے۔شزاُ کی زندہ سلامت واپسی سے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔شزاُ یقیناً ان لوگوں کے بارے میں کچھ نا کچھ جانتی ہوگی۔اب مالی بابا کے علاوہ شزاُ بھی اس معاملے میں ہماری مدد کرے گی۔'' آہل پُر جوش لہجے میں بولا۔

۞..........۞..........۞

شام تک شہر سے ہاجرہ محل کے باقی افراد بھی شزاُ سے متعلق جان کر واپس محل میں آگئے تھے۔روبینہ چچی ان کے بیٹے،دادو، پھوپھو،تائی جان،ملیحہ محریب،آپا،جنین اور باقی سب بھی۔مگر سب سے آگے آگے نعیم تھا۔

شزاُ کے اغواء کے وقت وہ اس کے ساتھ تھا،ایک کسک اس کے دل میں تب سے پنپ رہی تھی کہ وہ شزاُ کو اس دن بچا نہیں سکا تھا۔شزاُ سے دوستی پرانی تھی مگر یہاں ہاجرہ محل آنے کے وہ دوستی مزید گہری ہوگئی تھی جب ایک دن جب وہ ہاجرہ محل میں پے در پے ہوتے ہوتے واقعات ورضا خان کی یاد میں خود کو اذیت پہنچا رہا تھا تب شزاُ نے اسے بے رحمی سے بازو پر کٹ لگاتے دیکھ لیا تھا۔اسے روکا تھا، سمجھایا بھی تھا۔اور اس دن کے بعد سے اسے جتنا ممکن ہو سکتا تھا ٹائم دیتی تاکہ وہ پھر سے خود کو نقصان پہنچانے کی سوچ ذہن میں نہ لا سکے۔

ہاجرہ محل سے جڑی شزاُ کی ذات کو پہنچائی گئی تکلیف اس کے لیے اگرچہ ایک اور تکلیف دہ بھیانک یاد ثابت ہوئی تھی مگر انگلینڈ جانے سے پہلے وہ آخری بار ہاجرہ محل سب کا ساتھ دینے آیا تھا۔

''میرا دکھ اپنی جگہ مگر میں ڈرپوک بن کے اس کڑے وقت میں آپ سب کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا......ہم سب مل کر ہر طاقت کا مقابلہ کریں گے......!''

سب کی سوالیہ چپ پر وہ وثوق سے بولا تھا۔

آہل اور عالیان اس کے مثبت فیصلے وہمت سے خوش ومطمئن ہوئے تھے۔

۞..........۞..........۞

اس سے اگلی صبح ہاجرہ محل کے مکینوں کے لیے بہت خوشگوار ثابت ہوئی۔ناشتے کی ٹیبل پہ ایک بار پھر سب لوگ جمع تھے۔آہل اور عالیان بہت خوشگوار موڈ میں تھے اور خوب چہک رہے تھے۔

''لگتا ہے آہل اور عالیان کے ہاتھ کوئی بہت بڑا خزانہ لگ گیا ہے تب ہی تو یہ اتنا چہک رہے ہیں۔''

دانیال بولا تو آہل اور عالیان ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

''کوئی ہمیں بھی بتادے کہ کون سا خزانہ مل گیا ہے ان دونوں کو۔'' نعیم نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

''خزانہ تو نہیں البتہ ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھنے جارہا ہے۔ایک دودن میں ان شاءاللہ۔وہ راز بھی کسی خزانے سے کم نہیں اور ہماری بہت ساری محنتوں اور کوششوں کے نتیجے میں ہمیں وہ ''خزانہ'' ملنے جارہا ہے۔'' عالیان نے آخر میں شرارتی لہجے میں کہا تو سب مسکرادیے۔

''ہم انتظار کریں گے۔'' نعیم نے چائے اپنے کپ میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

عالیان اور آنل جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگے۔

کل رات جب وہ مالی بابا کے پاس سے ہو کر واپس آئے تھے تو انہیں سعدیہ نے کال کر کے بتایا تھا۔ مالی بابا اب بولنے لگے ہیں۔

وہ دونوں یہ بات جانتے تھے کہ مالی بابا بول سکتے ہیں۔یقیناً سعدیہ اور اس کی ماں بھی پہلے دن ہی جان گئی تھیں کہ مالی بابا بول سکتے ہیں لیکن ابھی ظاہر کسی پہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

انہیں (مالی بابا کو) ہاسپٹل سے اس محفوظ مکان میں شفٹ کیے تقریباً ایک ہفتہ ہونے کو تھا۔اس دوران آنل اور عالیان مسلسل مالی بابا کے پاس جاتے رہے تھے۔انہوں نے مالی بابا سے محل کا راز فاش کروادینے کے لیے ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔پچھلے دودن سے وہ یہ بات محسوس کررہے تھے کہ اب مالی بابا جلد ہی خود کچھ نہ کچھ بتادیں گے۔انہوں نے مالی بابا کی آنکھوں میں ایک یقین واطمینان کی کیفیت دیکھ لی تھی... شاید اب انہیں یہ احساس ہوگیا تھا کہ وہ محفوظ ہیں اور دشمن کی پہنچ سے دور، اب انہیں آنل اور عالیان پہ بھی بھروسہ تھا کہ وہ دشمن کو اس کی سازشوں سمیت ختم کرڈالیں گے۔

اسی لیے شاید انہوں نے اب اپنی نہ بولنے والی قسم توڑ ڈالی تھی۔

مالی بابا کے پاس جانے سے پہلے وہ دونوں شزا کے کمرے میں چلے گئے۔

شزا سورہی تھی۔البتہ امریحہ ہاسپٹل جانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔

امریحہ نے ہی انہیں بتایا کہ شزا اب مکمل طور پر صحت یاب ہوچکی ہے اور پچھلے دودن سے وہ ان دونوں کو کچھ بتانا چاہ رہی ہے۔لیکن ان کی مصروفیات کے باعث بتا نہیں سکی۔

امریحہ کے لاکھ پوچھنے کے باوجود اس نے وہ بات اس سے شیئر نہیں کی تھی۔

وہ دونوں مالی بابا کے پاس جانے کے لیے محل کے بیرونی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔جب انہوں نے سہیل چاچو کو لان میں ٹہلتے دیکھا۔

اس وقت وہ عموماً آفس جایا کرتے تھے۔ان دونوں کو آتا دیکھ کر چاچو رک گئے۔

''کہاں کی تیاریاں ہیں ینگ مینز۔؟''

''چاچو ہم ایک ضروری کام سے باہر جارہے ہیں۔'' سہیل چاچو کے پوچھنے پر آنل نے جواب دیا۔

''ہم ضروری کام......'' چاچو پُرسوچ انداز میں بولے

''جاؤ بیٹا......اللہ تم لوگوں کو کامیاب کرے۔'' چاچو بولے تو وہ دونوں پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

سہیل چاچو کی چبھتی نگاہوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا۔

ان کی گاڑی کے نکلتے ہی انہوں نے جیب سے اپنا موبائل نکالا اور کوئی نمبر ڈائل کرنے لگے۔

✡..........✡..........✡

وہ دونوں اس مکان میں پہنچ چکے تھے جہاں مالی بابا کی فیملی محفوظ طریقے سے رہائش پذیر تھی۔

مالی بابا کی بیوی انہیں دیکھ کر خوش ہوئی۔

''آؤ آؤ! صاحب لوگ!''

''مالی بابا جاگ رہے ہیں؟'' عالیان نے پوچھا۔

''جی ہاں آپ چلو اندر۔'' وہ ان کو مخصوص کمرے میں چھوڑنے آئی۔ سامنے مالی بابا بستر پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

''کیسے ہیں مالی بابا؟'' آہل نے پوچھا تو مالی بابا نے جھجکتے زبان کھولی۔

''ٹھیک ہوں سرکار!'' آہل بے اختیار مسکرا دیا۔

''شکر ہے آپ بولنے لگے ہیں۔'' وہ ایسے کہنے لگا جیسے ان کی زبان بندی کو نادانستہ سمجھا تھا۔

''رب کا کرم اور آپ دونوں کی وجہ سے یہ ممکن ہوا ہے۔'' مالی بابا کی آنکھیں بھر آئیں۔

''مالی بابا اللہ بہت بڑی طاقت ہے......مانتے ہونا آپ؟'' آہل نے تمہید باندھی۔

''بالکل جی۔'' مالی بابا نے سر ہلایا۔

''جو کچھ ہوتا ہے یا جو کچھ ہونے والا ہے وہ بہتر جانتا ہے وہی ہمیں راستہ دکھاتا اور مشکلوں سے نکالتا ہے انسان کا کامل یقین اسی کی ذات پر ہونا چاہیے۔'' آہل بولتا جا رہا تھا۔

''اب آپ اسی طاقت ور ذات کو حاضر ناظر جان کر اس پر مکمل توکل کر کے ہمیں اس ماسٹر مائنڈ کا نام بتا دیں جس نے محل میں ہمارا اور آپ لوگوں کا جینا حرام کر کے رکھا ہے جو اپنے ذہن سے یہ چالیں چل کر لوگوں کو قتل کرنے تک سے گریز نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں آپ کو اس شخص کا اچھی طرح علم ہے۔'' آہل کی بات پر مالی بابا کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

''وہ بہت خطرناک شخص ہے آہل صاحب خونی اور سفاک۔'' مالی بابا کی آواز کپکپانے لگی۔

''محل میں اس نے ایسے کھیل رچائے کہ عقل دنگ رہ جائے وہ سب جن بھوت کے ڈرامے بھی اسی شقی القلب کے بنائے ہوئے تھے وہ بہت ظالم ہے بہت ظالم ہے۔'' مالی بابا روتے ہوئے اونچی آواز میں بولتے رہے۔

''میرا بیٹا میرا حامد اسی سفاک انسان نے مروا دیا یہی نہیں اپنی حرص و ہوس کے پیچھے محل کے کتنے ملازموں کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس کے ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگے ہیں۔ وہ سر تا پا خدا کا عذاب ہے ہم غریبوں کے لئے۔''

مالی بابا چہکوں پہکوں روتے رہے بولتے رہے۔

آہل اور عالیان خاموشی سے ہمہ تن گوش تھے۔ وہ دونوں چاہتے تھے کہ مالی بابا دل کی بھڑاس کھل کر نکالیں۔
''یہ سب کرنے کے پیچھے کیا مقاصد ہیں اس کے بابا؟'' عالیان نے پوچھا تو مالی بابا طنزیہ ہنس دیئے۔
''سرکار جب سے دنیا وجود میں آئی ہے انسان زر، زمین اور زن کے پیچھے ہی قتل وغارت گری کرتا رہا ہے۔ اس سفاک شخص کو بھی محل اور وہ ڈھیروں اراضی چاہیے جو آپ کے پُرکھوں کی ملکیت رہی ہے۔''
مالی بابا کی بات پر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
''کیا وہ ہم میں سے ہی ہے؟'' عالیان نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔
''جی آپ میں سے اور آپ کے دل کے بہت قریب۔'' مالی بابا پُراسرار مسکراہٹ سے بولے تھے۔

۞..........۞..........۞

''کون ہے وہ مالی بابا......؟''
آہل کمال خان نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ عالیان بھی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ دل معمول سے زیادہ تیز رفتار میں دھڑک رہے تھے۔ اب جو نام سامنے آنے والا تھا وہ ان پر کیسا تاثر چھوڑے گا......؟ کون ہوگا وہ جو اپنا بھی ہے اور دل کے بہت قریب بھی......ڈر بھی تھا کہ جہاں وہ بے نقاب ہونے جا رہا تھا کہیں اس شخص کا بے نقاب ہونا رشتوں پر سے ان کے اعتبار کو کھوکھلا ہی نہ کر دے۔
مالی بابا ان کے ڈر سے شاید واقف ہو گئے تھے مگر اب ڈر کر مزید چپ رہنا اور مجرم کا ساتھ دینا شاید انہیں جائز بھی نہیں لگ رہا تھا۔
شروع سے اب تک راز کو راز رکھتے رکھتے ان کا دل کمزور ہونے لگا تھا۔ شدتِ غم سے بوجھ تلے دبتا جا رہا تھا۔
ان دونوں کو بغور دیکھتے انہوں نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی تھی۔
جبکہ بے حد دھیمی و کمزور سی آواز نے آہل کمال خان اور عالیان خان کو بے یقینی کے حوالے کرنے میں کچھ سیکنڈز ہی لیے تھے۔
مالی بابا نے نام بتا تو دیا تھا مگر ان دونوں کے لیے وہ نام ناقابلِ یقین تھا۔ انہیں اپنی سماعتوں پر شک گزرا تھا مگر نہیں وہ شک نہیں تھا نہ سننے میں کچھ غلط فہمی ہوئی تھی۔ مالی بابا کی لہو رنگ آنکھیں، غمزدہ چہرے اور رنجیدہ تاثرات اس نام کے حق میں گواہی تھے۔
''کوئی بڑا نقصان ہونے سے پہلے جرم و گناہ سے رنگے اس کے بڑھتے ہاتھوں کو روک لو صاحب......کاٹ دو انہیں......اس کو روک لو......ہاجرہ محل سے اس کے غلیظ سائے نکال پھینکو......ہاجرہ محل میں رہنے لائق ہی نہیں ہے وہ......!''
مالی بابا کے لہجے میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔
وہ دونوں بالکل چپ تھے۔ کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ دل میں کرب کی لہر بھی بے یقینی تھی۔ مگر اب یقین کرنا ہی ہو رہا

کی دوا تھا۔ وہ دونوں چپ چاپ باہر نکل آئے تھے۔
''آہ......!'' آحل کمال خان نے ایک لمبی سانس خارج کی تھی۔
دل بڑھتے قدموں تلے سب کچھ روندنا چاہتا تھا۔ اس انکشاف کے بعد وہ اس سے سامنا کرنے کی سکت کھوتا جا رہا تھا مگر اب سامنا لازم تھا۔
عالیان نے گاڑی سٹارٹ کر کے بڑی سڑک پر ڈالی تھی۔
شام کا پہر بڑی خاموشی سے اپنا فسوں پھیلائے جا رہا تھا۔
''آحل مجھے لگتا ہے یہ گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ آتے وقت بھی میں نے نوٹ کیا تھا......!'' توقف بعد عالیان نے بیک دیو مرر سے دیکھتے ہوئے بنا پیچھے مڑے کہا تھا۔
''ہوں ... مجھے بھی لگتا ہے۔ خیر تم رکنا مت۔ اب تو ویسے بھی کھیل کا دی اینڈ ہونے جا رہا ہے......!'' آحل نے کہا مگر اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی اس کا موبائل بجا تھا۔ اس نے رک کر موبائل چیک کیا اسکرین پر امریحہ وجاہت کا نمبر تھا۔ اس نے کال پک کی۔
دوسری طرف امریحہ کے ساتھ شزا بھی تھی۔ کال چھوٹتے ہی موبائل شزا نے لے کر اسے اپنے ساتھ ہوئے تمام واقعات کے بارے میں بتانے کے ساتھ ہی اس بوڑھی عورت کے ذریعے پتہ چلنے والے نام کا بھی انکشاف کیا تھا۔ جس پر آحل کمال خان کی بے یقینی پر یقین کی مہر ثبت ہو چکی تھی۔
وہ نام ایک ہی تھا۔
''آحل تم لوگ جلدی سے آ جاؤ...... یہاں سب عجیب دکھائی دے رہا ہے۔ محل کے تمام مکین ایک جگہ جمع ہیں...... مجھے ڈر ہے کہیں وہ سب کو مار نہ دیں......!'' شزا نے پریشانی میں کہا تھا۔
''ہم آ رہے ہیں۔ مگر تم کسی کو مت بتانا کہ تم کچھ جانتی ہو......؟'' آحل نے اسے ہدایت کی تھی۔
مگر اس کے بولنے سے قبل ہی اسے پیچھے سے امریحہ کی دردناک چیخ سنائی دی تھی اور ساتھ ہی اس شخص کی بھیانک آواز بھی......
''جان تو اب سب کی جائے گی......!''
آواز واضح تھی۔
اس نے تاسف سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ شک کی ہلکی سی گنجائش باقی نہیں بچی تھی۔ کال بند ہو چکی تھی۔
''ارسطو جلدی کرو...... وہ بھیانک کھیل شروع ہو چکا ہے۔ سب کی جان کو خطرہ ہے...... وہ جان گیا ہے کہ ہم اس کے بارے میں سب جان چکے ہیں۔ اس کی سفاک آواز میں ذرا بھی لحاظ نہیں تھا۔!''
آحل فکرمند وخوف زدہ ہوا تھا۔ عالیان نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔
ان کے تعاقب میں آتی گاڑی بھی رفتار میں تیزی لے آئی تھی۔ جلدی ہی وہ دونوں محل کی حدود میں شامل ہو

چکے تھے۔مگر آج ان کا استقبال معمول سے بالکل الگ ہوا تھا۔

دروازہ چوکیدار نے ہی کھولا تھا مگر اندر موجود ایک اجنبی چہرہ انہی کے انتظار میں کھڑا تھا۔تھوڑی ہی دیر میں وہی گاڑی بھی محل کے اندر داخل ہوئی تھی اس میں سے بھی ایک لڑکا اتر کر محل کے اندر داخل ہوا تھا۔وہ پل بھر میں اسے پہچان گئے تھے۔یہ وہی لڑکا تھا جسے انہوں نے ہوسپٹل میں دیکھا تھا۔

وہ دونوں لڑکے ان دونوں کو گرفت میں لے کر محل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے تھے۔اور کچھ ہی لحوں میں وہ اندر بڑے ہال میں پہنچے تھے جہاں کا منظر الگ روپ دھارے ہوئے تھا۔

سبھی وہاں حیرانگیوں و بے یقین چہروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔مگر ان میں سے ایک نفس بالکل سفاک و اجنبی بنا امریحہ کی گردن پر نوکیلے دھاری دار چاقو کو رکھے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو گرفت میں لیے گویا انہی کا انتظار کر رہا تھا۔

''آ گئے حقیقت جان کر......پہنچ گئے مجھ تک......مگر اب کیسے بچاؤ گے سب کی جان......؟'' ان کی آنکھوں و لہجے میں طنز و تنفر تھا۔

''چاچو......!''

جواباً آحل نے صرف انہیں پکارا ہی تھا۔

اس کے پاس الفاظ ہی نہ بچے تھے۔جسے اپنا آئیڈیل کہتا تھا وہ اسے پل بھر میں تمام بھرم توڑ دینے پر مجبور کر گیا تھا۔

اس کے آئیڈیل چاچو......سہیل خان......اصل ماسٹر مائینڈ تھے۔

اس سے بڑا دکھ اور کیا ہو سکتا تھا۔

''کیوں سہیل......کیوں کیا تم نے یہ سب......؟'' دادو کی لرزتی آواز میں بے یقینی و کرب تھا۔بیٹے نے انہیں شرمسار کر دیا تھا۔

اتنا بڑا دکھ ان کے اعصاب پر بھی بھاری پڑنے لگا تھا۔

مگر سہیل خان پر جنونیت سوار تھی۔

''کیوں نہیں ماں جی......کیوں نہ کرتا میں یہ سب......؟'' جواباً وہ شدتِ غیض سے بولے تھے۔بدلحاظ لہجہ و اونچی آواز سب کے ساکت تاثرات کو متحیر کر گئی تھی۔

جبکہ سہیل خان کی آنکھوں میں الاؤ تھا۔

''ساری عمر آپ نے اپنے بیٹے کے حق میں ایک لفظ تک بابا جان سے نہیں کہا......ہمیشہ مجھ پر باقی سب کو ترجیح دی۔اپنے سگے بیٹے کے بجائے سوتیلے بیٹوں کو زیادہ توجہ دی۔کبھی میرے لیے کوئی سفارش نہیں کی......بابا جان کی پہلی بیوی نے اپنے بیٹوں کے نام وصیت لکھ دی کہ ہاجرہ محل صرف ان کے تینوں بیٹوں کے نام کیا جائے،اور مجھے بعد میں

خیرات دی گئی...... شہر میں بنگلہ لے لوگر آپ نے...... سوتیلے بیٹوں کو بھی میرے بارے میں نہیں بتایا، کبھی بابا جان سے وصیت میں تبدیلی کی بات نہیں کی یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہاجرہ محل میں میرا دل دھڑکتا ہے...... کبھی میری خواہش کے لئے کوئی راہ ہموار نہیں کی...... میں اپنی خواہش کی تکمیل چاہتا تھا...... جس کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا تھا...... اور میں نے کیا...... بابا جان کی وجہ سے یہاں سب لوگ ہمیں جانتے تھے۔ عزت کرتے تھے۔ ڈرتے بھی تھے۔ میں نے اسی ڈر کا استعمال کیا۔ بابا جان کے اثر رسوخ کا استعمال کیا۔ پولیس والے دوست تھے۔ میرے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں تھا۔ جب رضا بھائی یہاں تھے تو میں بزنس ٹور کے بہانے پاکستان آیا میں نے انہیں بہت سمجھایا، مختلف طریقوں سے ڈرایا دھمکایا مگر وہ ہاجرہ محل کے سچے عاشق بنے پھر رہے تھے۔ سب کے ہمدرد و خیر خواہ...... یہاں سے جانا ہی نہیں چاہتے تھے اور تب مجبوراً مجھے انہیں ختم کرنا پڑا۔ میں نے انہیں راستے سے ہی ہٹا دیا...... ان کو ہٹنا ہی تھا...... ہاجرہ محل صرف میرا ہونا تھا اور اب ہو کر رہے گا...... انہیں قتل کرتے وقت مالی بابا نے مجھے دیکھ لیا تھا سب کو بتانے کا کہہ رہے تھے۔ میں نے ان کا منہ بند کروانے کے لئے ان کے بیٹے کو بھی مروا دیا...... پولیس میرے ساتھ تھی۔ مالی بابا کچھ نہ کر سکے الٹا ساری عمر کے میرے تابع بن کر رہ گئے......!"

وہ جوش و جنون سے بولے جا رہے تھے۔

سب انہیں دیکھ رہے تھے۔ انہیں سن رہے تھے۔

چاقو ہنوز امریحہ کی گردن پر رکھا ہوا تھا۔ بالوں میں بھی گرفت مضبوط تھی۔ تکلیف کے باوجود وہ ان کی بے حسی کا قصہ بہت افسوس سے سن رہی تھی۔

"سات سال...... پورے سات سال میں نے یہاں خود کو اٹھتا بیٹھتا محسوس کیا۔ میں خوش تھا۔ یو کے میں ہونے کے باوجود میں خود کو ہاجرہ محل میں راج کرتا دیکھتا۔ سات سال میں نے اپنے خواب کی تعبیر بُنتے میں لگائے...... سات سال میں ہر دن ہر لحہ اپنی فتح کا جشن مناتا رہا...... ہاجرہ محل کے لیے میری جنگ میرا جنون ہے۔ میرا عشق ہے یہ محل...... اسے کھونا میرے لیے موت سے بدتر ہے...... میں اس کو ہار نہیں سکتا، میں اس کو کھو نہیں سکتا...... ہاجرہ محل کی فضائیں میری سانسوں میں رچی بسی ہیں......!"

یہ ان کے عشق کا فسانہ تھا۔

یہ ان کے عشق کا جنون تھا۔

یہ کھیل...... زندگی و موت کے الجھے دھاگوں سے پرو دیا گیا تھا۔

جہاں مات ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

جہاں خوابوں کا ریزہ ریزہ ہونا انہیں منظور نہیں تھا۔

یہ ان کا جنونی عشق تھا...... اندھا، بدترین تاریکی میں ڈوبا عشق...... جسے رشتوں کا تقدس، ان کی قدر و قیمت بے معنی، بے مول تھی۔ جہاں خون کی طاقت پستیوں میں جکڑی ہوئی تلملا رہی تھی۔ جہاں ان کا اندھا عشق سر ور تھا۔ مطر...

تھا۔

جہاں ان کا اندھا عشق ہر لحاظ سے بے حس تھا۔

''میں رضا بھائی کے بعد موت کا کھیل نہیں رچانا چاہتا تھا۔ نعیم کی دماغی حالت کا مجھے پتہ تھا۔ عالیان کو بھی مینٹلی ڈسٹرب کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میڈیسنز کا استعمال کرتا رہا۔ جس کو محل میں لانے کے لیے ذیشان کی جان کی دھمکی ربیعہ کو دی۔ وہ بیٹے کی خاطر ڈر کر مان گئی۔ سلطانہ بھابی کو مارنا بھی میرا مقصد نہیں تھا۔ نعیم کی جان کی دھمکی انہیں بھی دی۔ وہ میرے بندے سے نقلی کھوپڑیاں اور باقی چیزیں لاتی رہیں۔ تاکہ میں ان کے ذریعے بھی خوف و ہراس کا ماحول قائم رکھوں مگر آخر میں انہیں مارنا پڑا...... انہیں تجسس تھا مجھ تک پہنچنے کا۔ میں نے انہیں اپنا چہرہ آخر دکھایا بھی اور اوپر بھی پہنچا دیا۔ فیض عالم کو بلانے کا مشورہ بھی میں نے روبینہ کو دیا تھا تاکہ وہ بھوت پریت پر آپ سب کا یقین پختہ کر سکے، وہ کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ بھوت کو بلانے کا نقلی عمل بھی میرا مشورہ تھا۔ جہاں عالیان نے اپنی دماغی پستی کا ثبوت دے دیا تھا۔ مالی بابا زندہ حالت میں کفن پہنے اس کے سامنے گئے تھے۔ اس نے سچ سمجھا۔ پھر اسی وقت ان کی جگہ سعدیہ نے لی...... وہ بھی عالیان نے سچ جانا...... پھر سعدیہ کی موت کا جھوٹا ناٹک اسے بھوت بنا کر سب کے سامنے لانا تھا تاکہ آپ لوگ واپس چلے جائیں مگر نہیں کوئی معاملے کو سیریس ہی نہیں لے رہا تھا۔ میں نے روبینہ کے اوپر بھی سرکٹی بلی پھینکی تاکہ کوئی مجھ پر شک کر ہی نہ سکے۔ میں چاہتا تو باری باری سب کو مار سکتا تھا۔ مگر میرا پلان اس وقت بگڑا جب آصل حاجرہ محل آیا اور پھر ڈاکٹر امریحہ۔ یہ جان گئے تھے کہ جن بھوت کا کوئی قصہ نہیں ہے۔ یہ دونوں سنجیدہ تھے۔ مجھے ان کی سنجیدگی سے خطرے کی بو آنے لگی تھی۔ اور خطرہ مجھے برداشت نہیں تھا۔ اور جب انہوں نے شزا کے ہاتھ میں پکڑے دودھ کے گلاس میں میڈیسنز تک رسائی کی تب شزا میڈم بھی عالیان کی محبت میں مجھ تک پہنچنا چاہتی تھیں...... اسے اغوا کرنا میری مجبوری تھی۔ اس کی انگلی بھی کاٹ کر بھیجی تاکہ اسی سے ڈر کر سب واپس چلے جائیں مگر آصل نے میرا وہ منصوبہ ناکام بنا دیا...... سعدیہ اور مالی بابا کو بھی منظر سے غائب کر دیا...... میں پھنسنے لگا تھا۔ مجھے منظور نہیں تھا۔ اب میں مجبور ہوں...... لیکن میرا عشق مجھے مجبور نہیں ہونے دے رہا...... مجھے اب سب کو ختم کرنا پڑے گا...... میں سب کو ختم کر دوں گا۔ یہ محل صرف میرا ہے...... میرا عشق میری زندگی ہے......!''

ان کا بھیانک سفاک روپ تمام تر پہلوؤں کو سلجھا کر تن کر کھڑا تھا۔

باقی سب ان کے انداز و جنون سے خائف، متعجب نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

دادو کی نگاہوں میں عجیب ملال بھی تیرنے لگا تھا۔

روبینہ چچی بھی بے یقینی سے ان کے اصل روپ و رچائی گئی تمام سازشوں پر آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

دنیا میں اگر کوئی قیامت آتی تو اس کی صورت حاجرہ محل پر آئی اسی قیامت جیسی ہوتی۔ خاندان کا ہر فرد اپنی جگہ انگشت بہ دنداں اور افسوس میں مبتلا اس ظالم انسان کی سفاکیت دیکھ رہا تھا۔ جس کے لیے کسی کے دل میں بال برابر شک نہ

آیا تھا۔

وہ سب کے لئے یکساں محترم اور قابلِ اعتبار تھا اور اعتبار کا اٹھ جانا کیا ہوتا ہے آج ہر فرد کو پتہ چل گیا تھا۔

"خدا کے قہر سے ڈر سہیل، پہلے اپنے بھائی بھابی اور کتنے معصوموں کی جان لے چکا ہے اب اپنی ماں اور سگے باقی بچے رشتوں کو مارے گا۔" دادو کی آواز غم سے کانپنے لگی۔

"ارے تجھ سے اچھا تو میں اپنے بطن سے سانپ پیدا کرتی کم ازکم اس کے ڈنک مار کر جان لینے کا غم تو نہ ہوتا کہ سانپ کی فطرت میں ڈسنا ہے لیکن انسان تو اشرف المخلوقات ہے اس سے تو اس درجہ برائی کی امید نہیں۔

تُو پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہ گیا؟...... اے اللہ مجھے یہ دن دکھانے سے پہلے اٹھا لیتا۔" دادی اپنا سینہ پیٹنے لگی۔

"فکر نہ کر اماں یہ حسین دن دیکھ کر ہی تجھے مرنا تھا تا کہ تیرے دل میں کوئی حسرت رہے نہ تجسس...... ہاہاہا!"

سہیل جنونی انداز میں جناتی قہقہے لگانے لگا۔

"میرے یہ ہاتھ کھلے ہوتے تو خدا کی قسم میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتا درندے۔" آہل دھاڑا۔

"پنجرے کے شیر اب کلمہ پڑھ لے تیرا آخری وقت آپہنچا ہے۔" سہیل نے لطف اندوز ہوکر کہا تھا۔

✿............✿............✿

ہاجرہ محل کے تمام مکین اس وقت بڑے ہال کمرے میں جمع تھے۔ سب کے چہروں پہ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ بظاہر اتنے مشفق، نرم دل اور سب کا خیال رکھنے والے انسان کا اصلی چہرہ اتنا بھیانک بھی ہوسکتا ہے۔

نعیم کے چہرے پہ اذیت و تکلیف کے گہرے رنگ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ دانیال بھی بے یقینی کی کیفیت میں سب کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گھر کے ملازمین اس وقت محل میں موجود نہ تھے۔ آہل اور عالیان سہیل چاچو کے منہ سے ان کے گناہوں کا اعتراف سن کر نڈھال سے کھڑے تھے۔

ان دونوں مضبوط توانا مردوں نے آہل اور عالیان کو پکڑ رکھا تھا۔

دادو غم سے نڈھال پاس رکھے صوفے پہ ڈھے گئیں تو اپنی سسکیوں کو بمشکل روکتی ربیعہ چچی نے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا تھا۔ شنزا البتہ سپاٹ چہرہ لیے ایک طرف کھڑی تھی اس بڑھیا سے سہیل چاچو کا نام سن کر اس پہ جو گزری تھی یہ صرف وہی جانتی تھی اب وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔

"اور کچھ سننا چاہتے ہو تم لوگ تو سن لو۔ میں تم لوگوں میں سے کسی سے نہیں ڈرتا...... ہاجرہ محل سے مجھے خود سے بڑھ کر عشق ہے اور اس کے لیے میں ایک کیا لاکھوں لوگوں کی جانیں لے سکتا ہوں۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم لوگوں سے میرا کیا رشتہ ہے۔ تم لوگ میرے سگے نہیں سوتیلے ہو......"

سہیل چاچو ایک بار پھر شروع ہو چکے تھے۔ وہ آج شاید سارے انکشافات ایک ساتھ ہی کر لینا چاہتے تھے۔

"ہاجرہ محل پہ میرا سایہ ہے صرف میرا سایہ، میرے عشق کا سایہ...... اور جب تک میں خود ہاجرہ محل کو نہ چھوڑ دوں

تب تک دنیا کی کوئی طاقت مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتی۔

اس وادی کے ایک ایک بندے پہ میری دہشت چھائی ہوئی......سب میرے لیے کام کر رہے ہیں

یہاں کے ڈاکٹر، پولیس سب لوگ میرے غلام ہیں......

حنین کو بھی میرے کہنے پہ میرے ایک بندے نے لوہے کے نوکیلے ناخنوں سے بھیانک سر کٹے چہرے والا ماسک پہن کر زخمی کیا تھا۔ اسے میرے ہی کہنے پہ یہاں کے ڈاکٹر نے لاعلاج قرار دیا تھا۔

اور ہاں، عالیان کو مارنے کی کوشش کرنے والی، اسے دھکا دینے والی وہ لڑکی بھی دراصل میری غلام تھی۔

جسے میں نے شہر سے اس کام کے لیے بلایا تھا اور وہ شہزا کے چہرے جیسا ماسک پہن کر دھوکا دیتی رہی تم سب کو میری اس مہمان لڑکی نے تم لوگوں کو بہت دفعہ پاگل بنایا......

دردناک بھیانک آوازوں کا سلسلہ بھی میرے پاس ریکارڈڈ آوازوں کی وجہ سے تھا......

اور کیا جاننا چاہتے ہو تم لوگ۔؟

سن لو سب کچھ مرنے سے پہلے......"

سہیل چاچو پہ جنونیت سی طاری ہو چکی تھی وہ اپنے ہر جرم کا اعتراف خود ہی کر رہے تھے۔

ان کے ہر اعتراف کے بعد جیسے ربیعہ چچی اور دادو کو اپنی سانسیں جسم سے نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔

جبکہ باقی سب اب کافی حد تک سنبھل چکے تھے۔

نعیم کی آنکھوں سے لہو ٹپک رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر سہیل چاچو کو مار ڈالنا چاہتا تھا لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ وہ اتنی آسانی سے انہیں مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

جس بندے نے اتنے لوگوں کی زندگیاں برباد کی تھیں اسے یک مشت مار دینا ٹھیک نہیں۔

وہ بھی اذیت ناک موت کا مستحق تھا۔

سہیل چاچو کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئے تو آہل کمال خان کو بھی کچھ ہوش آیا اس نے اپنے فولادی جسم کا پورا زور لگا کر خود کو ان دونوں لڑکوں کی قید سے آزاد کرا لیا۔ اس کی دیکھا دیکھی عالیان نے بھی خود کو چھڑا لیا۔

جتنی دیر میں آہل نے آگے بڑھ کر سہیل چاچو سے نوک دار چھرا چھینا (جو انہوں نے امریحہ کی گردن پہ رکھا ہوا تھا) اتنی دیر میں دانیال اور عالیان نے ان دونوں لڑکوں کے ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھ دیے۔

سہیل چاچو اس اچانک افتاد پہ بوکھلا گئے اور اپنے کپڑوں میں چھپایا پستول نکالنا چاہا۔

نعیم جو یہ سب کچھ غصے سے دیکھ رہا تھا سہیل چاچو کو پستول نکالتا دیکھ کر آگے بڑھا اور ان سے پستول چھین لیا۔

سہیل چاچو غصے اور بے یقینی سے نعیم کو دیکھنے لگے انہیں شاید نعیم سے یہ توقع نہیں تھی وہ تو سمجھ رہے تھے نعیم یہ سب سن کر نڈھال پریشان اپنی جگہ پہ ہی ڈھے جائے گا لیکن اس کی آنکھوں سے تو اس وقت لہو ٹپک رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے تو سہیل چاچو بھی خوف زدہ ہوئے انہیں بازی پلٹتی ہوئی نظر آئی۔

لیکن اسی وقت ایک خیال ان کے شاطر دماغ میں آیا اور وہ اپنی جیب سے موبائل نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگے۔

اب کی بار آہل کمال خان نے ان سے ان کا موبائل چھین کر ان کی یہ کوشش ناکام بنادی۔

''تم لوگ مارنا چاہتے ہو مجھے...... مارنا چاہتے ہو؟

ہاہاہا...... لیکن نہیں تم لوگ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مجھے مارو گے تو ساری زندگی جیل میں گزارنی پڑے گی۔

کیا تم لوگ مجھے اتنا پاگل سمجھتے ہو۔؟ یہ سارا کھیل شروع ہونے سے پہلے میں نے انسپکٹر شافع کو کال کردی تھی کہ میری جان کو خطرہ ہے اگر صبح تک میں نے ان کو کال نہ کی تو وہ خود مجھ سے ملنے محل آجائیں گے اور ہاں میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ میرے سوتیلے بھتیجے جائیداد کی خاطر میری جان لینا چاہتے ہیں۔''

سہیل چاچو چلا چلا کر سب کو بتا رہے تھے۔

''تم لوگوں نے ایک ایک کرکے میرے سارے کام کے بندے غائب کرادیے۔

مالی بابا، سعدیہ اور اس کی بیوی کو یہاں سے دور کہیں چھپا دیا......

کاش تم لوگ انہیں وادی سے دور نہ بھیجتے تو ان کو ان کی غداری کی عبرت ناک سزا دیتا میں......''

''بس کردے سہیل...... انسان ہے تو انسان ہی رہ فرعونیت چھوڑ دے۔ خدا سب جانتا ہے اور اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔ چپ ہو جا! تجھے خدا کا واسطہ ہے۔''

دادو جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھیں، چلا اٹھیں۔

''شزا اور امریحہ تم دونوں دادو اور چچی کو لے کر اپنے اپنے کمروں میں جاؤ۔''

آہل کمال نے معاملے کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے سب خواتین کو وہاں سے اپنے کمروں میں جانے کو کہا۔

''ہاہاہا...... تو اب تم لوگ مجھے مارو گے؟

ٹھیک ہے مار ڈالو تاکہ ساری زندگی جیل میں چکیاں ہی پیستے رہو......''

سہیل چاچو جو ایک لمحے کے لیے چپ ہوئے تھے دوبارہ ان سب خواتین کے وہاں سے جانے کے بعد ایک بار پھر شروع ہو گئے لیکن ان کی آواز میں وہ پہلے والا دبدبہ نہیں تھا۔

آہل کمال خان کے اشارے پر دانیال، نعیم اور عالیان نے آگے بڑھ کر سہیل چاچو کے ہاتھ پاؤں ایک رسی سے باندھ دیئے اور ان کی چیخ پکار کو نظر انداز کرکے انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ کر کمرے کا دروازہ باہر سے بند کردیا۔

وہ چاروں واپس ہال کمرے میں آئے تو وہ دونوں لڑکے ان سے معافی مانگنے لگے۔

''صاحب ہمیں چھوڑ دو ہماری کوئی غلطی نہیں۔ یقین کرو ہم نے یہ سب سہیل صاحب کے کہنے پہ کیا ہے خدا کا واسطہ ہے صاحب چھوڑ دو ہمیں۔''

آوازوں کو ریکارڈ کر کے تاکہ ان کے دوبارہ کسی جرم کے نتیجے میں ان کے پاس ثبوت موجود ہو۔

لڑکوں نے ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دوبارہ اس وادی میں نہ آنے کی قسم کھائی۔ان کے لیے یہی کافی تھا کہ ان کی جان بخش دی گئی ہے۔

''یار اب سہیل چاچو کا کیا کرنا ہے؟ مجھے تو ان کو چاچو کہتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔میرے خیال سے تو انہیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔میں نے اپنے موبائل میں ان کی ساری باتیں ریکارڈ کر لی ہیں۔'' ان دونوں لڑکوں کو محل سے باہر چھوڑ آنے اور چوکیدار سے محل کا داخلی دروازہ بند کروا دینے کے بعد وہ چاروں واپس ہال کمرے میں آئے تو دانیال بولا۔

''لیکن پولیس کیا کرے گی جبکہ وہ تو چاچو کے ساتھ ملی ہوئی تھی......''

''نہیں اب پولیس کو جب یہ پتا چلے گا کہ چاچو اقرار جرم کر چکے ہیں تو پھر پولیس بھی ان کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ہمیں دادو سے مشورہ کرنے کے بعد چاچو کو پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔''

عالیان کے بولنے پہ آہل کمال خان نے مشورہ دیا۔سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی سوائے نعیم کے۔

وہ بالکل خاموش تھا۔

سب نے فیصلہ کیا کہ فی الحال دادو کو سونے دیا جائے یہ معاملہ صبح اٹھ کر نبٹائیں گے۔

رات کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے وہ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

۞............۞............۞

رات کا ایک بج رہا تھا جب ہاجرہ محل کا ایک مکین اپنے کمرے سے نکلا۔

اس کا رخ سہیل چاچو کے کمرے کی طرف تھا۔کمرے کے آگے پہنچ کر اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پہ سہیل چاچو نے دیکھا تو سامنے ایک بھیانک شکل کا بندہ کھڑا تھا۔

''کون ہو تم اور یہاں کیا کرنے آئے ہو۔؟'' سہیل چاچو بولے تو انہیں اپنی آواز میں کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔

''موت ہوں میں تیری......'' اس بھیانک شکل والے انسان نے آگے بڑھ کر سہیل چاچو کے منہ کو ایک کپڑے سے باندھ دیا اور انہیں گھسیٹ کر باہر لے آیا۔

ڈر خوف اور بندھے ہوئے منہ کے ساتھ سہیل چاچو کو اپنی سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔انہوں نے کافی ہاتھ پاؤں مارے اور خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی ناکام کوشش کی لیکن اس بندے نے انہیں نہ چھوڑا اور گھسیٹ کر سیڑھیاں اترتے ہوئے تہہ خانے کی طرف لے گیا۔

نیچے پہنچ کر تہہ خانے والے کمرے کا دروازہ کھولا اور انہیں اندر کی طرف دھکیل دیا۔

سب سے پہلے ان کے ہاتھ کھولے اور ان میں ایک پین دے کر ایک صفحے پہ دستخط کرنے کو کہا۔

''اس صفحے پہ اپنے سائن کر جلدی ورنہ ابھی مار ڈالوں گا......'' اس بندے نے کرخت آواز میں کہا تو سہیل

نے فوراً اس پہ اپنے سائن کر دیے۔

ان کے سائن کرتے ہی اس بندے نے آگے بڑھ کران کے ہاتھ پاؤں کھولے اور چھریوں سے بے در پے ان پہ وار کرنے لگا۔

"بالکل ویسی موت ماروں گا تجھے جیسے تُو نے رضا خان کو دی تھی۔" وہ بندہ پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے مارتا جا رہا تھا۔

سہیل چاچو تڑپتے رہے لیکن منہ سے ایک آواز تک نہ نکال سکے۔

اس بندے نے جب محسوس کیا کہ سہیل چاچو دم توڑ چکے ہیں تو آگے بڑھ کران کی لاش کو پنکھے سے لٹکا دیا۔ایسے جیسے کہ انہوں نے خودکشی کی ہو۔

وہ بندہ مطمئن سا نیچے آیا اپنے جسم سے بھیانک چہرے والا ماسک اتارا اور واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔

یہ نعیم تھا۔

اگلی صبح پوری وادی میں یہ بات آگ کی طرح پھیل گئی کہ سہیل خان نے جس طرح آج سے دس سال پہلے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا بالکل اسی طرح خود کو چھریاں مار مار کر خودکشی کر لی ہے۔پولیس آئی تو آہل کمال خان نے انہیں وہ کاغذ پکڑا دیا جس میں سہیل خان نے اپنی موت سے پہلے اقرارِ جرم کیا تھا اور لکھا تھا کہ مجھے احساسِ جرم چین نہیں لینے دیتا اس لیے میں خودکشی کر رہا ہوں نیچے ہی ان کے دستخط بھی تھے۔

اس طرح سہیل خان کا باب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

✿..........✿..........✿

آج ہاجرہ محل میں کسی جشن کا سماں تھا...... پورے محل کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

ہاجرہ محل میں نئے سرے سے کیے گئے رنگ و روغن نے اس کی خوبصورتی و دلکشی میں بے حد اضافہ کیا تھا۔

"ہاجرہ محل کو حاصل کرنے کی خاطر واقعی کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

میں یعنی عالیان خان۔ہاجرہ محل کی پُرشکوہ عمارت کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

سہیل چاچو کی خودکشی اور ان کو دفنائے تقریباً ایک ماہ ہو گیا تھا۔

اگرچہ میں، آہل اور دانیال یہ بات اچھی طرح جان گئے تھے کہ وہ خودکشی نہیں ایک قتل تھا کیونکہ رات کو ہم انہیں باندھ کران کے کمرے میں چھوڑ گئے تھے لیکن صبح وہ مردہ حالت میں تہہ خانے والے کمرے میں پائے گئے تھے۔

پھر بھی ہم تینوں نے دادی سمیت تمام گھر والوں پہ یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی۔

اس ایک ماہ میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔وادی کے لوگوں کی محل کے بارے میں جو رائے تھی وہ بدل گئی۔

وہ سب یہ جان گئے کہ محل سے آسیب کا سایہ ختم ہو چکا ہے۔

نعیم کچھ عرصے کے لیے واپس یو کے جا چکا تھا۔

دادو اور ربیعہ چچی کا غم بھی وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتا جا رہا تھا۔
محل کے سارے مکین ہمیشہ ہمیشہ کے لیے واپس محل لوٹ آئے تھے۔
آہل کمال خان اور میں نے ہمیشہ کے لیے محل میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم دونوں کو محل سے عشق ہو گیا تھا۔
مالی بابا بھی واپس اپنے کوارٹر میں لوٹ آئے تھے۔ ہاجرہ محل کی کئی سال پہلے والی رونق و شان و شوکت کو بحال ہوتا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

ارے ایک بات تو میں آپ کو بتانا بھول گیا۔
آج آہل کمال خان کی منگنی ڈاکٹر امریحہ وجاہت سے ہونے جا رہی ہے۔ آہل کمال کے ایک ماہ پہلے دیے گئے پروپوزل کو امریحہ وجاہت نے پندرہ دن پہلے کافی سوچ و بچار کے بعد قبول کر لیا تھا اور آج وہ دونوں ایک دوسرے کے نام کی انگوٹھی پہننے جا رہے ہیں۔
"رکیں۔ رکیں! جانے سے پہلے ایک اور خبر بھی سنتے جائیں۔
آج کی تقریب میں شزا کے ساتھ میرا نکاح بھی ہونے جا رہا ہے......"
میری پہلی محبت، میرا دوسرا عشق (پہلا عشق تو ہاجرہ محل ہے) شزا آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری ہو جائے گی۔
لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے باہر آتے آہل کمال کو دیکھا، مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور اس کی طرف بڑھ گیا۔

ختم شد